الحمد للہ والمنۃ کہ یہ رسالہ

موسومہ

ایام الصلح

قیمت فی جلد

تعداد اشاعت

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم حافظ فضل الدین صاحب
بھیروی مالک مطبع کے مطبوع ہوا

یکم جنوری سنہ ۱۸۹۹ء

اشتہار عام اطلاع کے لئے

اگرچہ یہ کتاب بعض متفرق مقامات میں عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتی اور انکو مخاطب کرتی ہے لیکن یاد رہے کہ باوجود اس بات کے کہ عیسائیوں کی کتاب امہات المومنین نے ہمیں سخت اشتعال دیا ہے مگر پھر بھی ہم نے اس کتاب میں جہاں کہیں عیسائیوں کا ذکر کیا ہے بہت نرمی اور تہذیب اور لطف بیان سے ذکر کیا ہے۔ اور گو ایسی صورت میں کہ دل دکھانے والی گالیاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں ہمارا حق تھا کہ ہم مدافعت کے طور پر سختی کا سختی سے جواب دیتے لیکن ہم نے محض اس حیا کے تقاضا سے جو مومن کی صفت لازمی ہے ہر ایک تلخ زبانی سے اعراض کیا اور وہی امور لکھے ہیں جو موقعہ اور محل پر چسپاں تھے۔ اور قطع نظر ان سب باتوں کے ہماری اس کتاب میں اور رسالہ فریاد درد میں وہ نیک چلن پادری اور دوسرے عیسائی مخاطب نہیں ہیں جو اپنی شرافت ذاتی کی وجہ سے فضول گوئی اور بدگوئی سے کنارہ کرتے ہیں اور دل دکھانے والے لفظوں سے بھی کام نہیں لیتے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں کرتے اور نہ انکی کتابیں سخت گوئی اور توہین سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسے لوگوں کو بلاشبہ ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ ہماری کسی تحریر کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ صرف وہی لوگ ہمارے مخاطب ہیں خواہ وہ بگفتن مسلمان کہلاتے یا عیسائی ہیں جو حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر گالی اور بدگوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بزرگ میں توہین اور ہتک آمیز باتیں منہ پر لاتے اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔ سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔

ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور انکی نبوت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو انکی شان بزرگ کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

المشتہر مرزا غلام احمد از قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پندے رت گوش کن کہ رہی از عذاب و درد

فرخندہ کس کہ پند خردمند گوش کرد

ہماری پہلے اشتہار مورخہ ۶ فروری سنہ ۱۸۹۸ طاعون کے متعلق ایک اور ضروری بیان

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبوں کے دلوں میں میرے اوّل اشتہار کے پڑھنے سے یہ ایک اعتراض پیدا ہوا ہے کہ لوگوں کو اوّل یہ بتانا کہ اس مرض کے استیصال کیلئے فلاں تدبیر یا دوا ہے اور پھر یہ کہنا کہ شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتی ہے ان دونوں باتوں میں تناقض ہے۔ اور تعجب کہ اس اعتراض کے کرنے والے بعض مسلمان ہی ہیں۔ سو ایسے سب صاحبوں کو واضح رہے کہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے۔ خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے۔ یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور اور فکر کے لئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اس کو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے۔ سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال

اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں - غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدءِ فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دُعا کی ایک حالت ہوتی ہے - اسی دُعا کے ذریعہ سے دُنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں - اور ہر ایک بیت العلم کی کُنجی دُعا ہی ہے - اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو - ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہہ سب امور دُعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہہ ہے کہ عارفوں کی دُعا آداب معرفت کیساتھ وابستہ ہوتی ہے اور اُنکی روح مبدءِ فیض کو شناخت کر کے بصیرت کیساتھ اُسکی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے - وہ لوگ جنکو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اُسپر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات اُنکے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُسپر کھلے - لیکن محجوب جو خدا تعالےٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدءِ فیض کو نہیں جانتا اور عارف کیطرح اُس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کیلئے وہ فکر کرتا ہے - مگر عارف اُس مبدء کو دیکھتا ہے - اور یہ تاریکی میں چلتا ہے، اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دُعا قرار دیکر بطور قبول دُعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اُس مطلب کو پاتا ہے - اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادیِ حقیقی کی شناخت کیساتھ ہو تو یہ عارفانہ دُعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے

یہ روشنی لا معلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ مجھو یا دعا ہے شہود ہے

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا کہ تدبیر کے پیدا ہونیسے پہلا مرتبہ دعا کا ہے جسکو قانون قدرت نے **ہر ایک بشر کے لئے ایک امر لابدی** اور ضروری ٹھہرا رکھا ہو اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پل پر سے گذرنا پڑتا ہے - پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیر میں کوئی تناقض ہے - دُعا کرنیسے کیا مطلب ہوتا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن **تدبیر دلمیں ڈالے** یا بوجہ خالقیت اور قدرت **اپنی طرف سے پیدا کرے** پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا؟

علاوہ اس کے جیسا کہ تدبیر اور دُعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کیوقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دُعا اور صدقہ اور خیرات کیطرف جُھک جاتی ہیں - اگر دُنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتک **کسی قوم کا کانشنس** اس متفق علیہا مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا - پس یہی ایک روحانی دلیل اسکی باتپر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ دُعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں **بلکہ دُعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں** غرض دُعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جبسے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں اور تدبیر دعا کیلئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنیسے پہلے دُعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اُس چشمہ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں - ❖

آج کل مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ دُعا کچھ چیز نہیں ہے اور قضا و قدر بہر حال وقوع میں آتی ہے - لیکن افسوس کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ باوجود سچائی مسئلہ قضا و قدر کے	❖ نوٹ

ایک اور اعتراض ہے جو پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ کوئی تقدیر معلق نہیں ہو سکتی اور کوئی الہامی پیشگوئی جو شرطی طور پر ہو خدا تعالیٰ کی عادت کے برخلاف ہے" سو واضح رہے کہ یہ اعتراض بھی ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ پہلا دھوکہ تھا۔ انسانوں کی طبیعتیں ہمیشہ سے اس طرف مائل ہیں کہ اگر وہ قبل نزول بلا اطلاع دیجائیں کہ فلاں وقت تک بلا آنے والی ہے تو وہ دعا اور صدقہ سے رد بلا چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی باطنی شریعت نے نوع انسان کے صحیفہ فطرت پر یہی نقش لکھا ہے اور یہی فتویٰ دیا ہے کہ دعاؤں اور صدقات کیساتھ بلائیں دفع ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام قومیں طبعاً اس بات کی طرف مائل ہیں کہ کسی بلا کے نزول کے وقت یا خوف نزول کیوقت دعاؤں پر زور مارتے ہیں۔ ایک جہاز پر سوار ہونیوالے جب غرق ہونے کے آثار پاتے ہیں تو کسطرح گڑگڑاتے اور روتے ہیں۔ قرآن شریف میں حضرت نوح سے لیکر ہمارے سید و مولیٰ **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر نافرمانونکے حق میں انذاری پیشگوئیاں ذکر فرمائی گئی ہیں وہ سب شرطی طور پر ہیں جنکے یہی معنے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ

پھر بھی خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں بعض آفات کے دور کرنے کے لئے بعض چیزوں کو سبب ٹھہرا رکھا ہے جیسا کہ پانی پیاس کے بجھانے کے لئے اور روٹی بھوک کے دور کرنے کے لئے قدرتی اسباب ہیں پھر کیوں اس بات سے تعجب کیا جائے کہ دعا بھی حاجت برآری کے لئے خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں ایک سبب ہو جس میں قدرت حق نے فیوض الہٰی کے جذب کرنے کے لئے ایک قوت رکھی ہے ہزارہا عارفوں راستبازوں کا **تجربہ** گواہی دے رہا ہے کہ درحقیقت دعا میں ایک قوت جذب ہے۔ اور ہم بھی اپنی کتابوں میں بارہا اپنے ذاتی تجارب لکھ چکے ہیں اور **تجربہ سے بڑھکر اور کوئی ثبوت نہیں**۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ قضا و قدر میں پہلے سب کچھ قرار پا چکا ہے۔ مگر جسطرح یہ قرار پاچکا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہوگا اور پھر یہ دوا استعمال کریگا تو وہ شفا پا جائے گا اسیطرح یہ بھی قرار پاچکا ہے کہ فلاں مصیبت زدہ اگر دعا کریگا تو قبولیت دعا سے اسباب نجات اسکے لئے پیدا کئے جائیں گے۔ اور تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ جس جگہ خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہو جائے کہ **بہمہ شرائط** دعا ظہور میں آوے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے اسی کی طرف قرآن شریف کی یہ آیت اشارہ فرما رہی ہے **ادعونی استجب لکم** یعنے تم میرے حضور میں دعا کرتے رہو آخر میں قبول کرونگا۔ تعجب کہ جسحالتمیں باوجود قضا و قدر کے مسئلہ پر یقین رکھنے کے تمام لوگ بیماریوں میں ڈاکٹروں کیطرف رجوع کرتے ہیں تو پھر دعا کا بھی کیوں دوا پر قیاس نہیں کرتے۔ منہ

فلاں عذاب تمپر آنے والا ہے پس اگر تم توبہ کرو اور نیک کام بجا لاؤ تو وہ موقوف رکھا جائیگا ورنہ تم ہلاک کئے جاؤ گے۔ ایسی پیشگوئیوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے ✽ پھر تعجب کہ بعض لوگ مسلمان کہلا کر ایسے اعتراض کرتے ہیں جو قرآنی تعلیم کے بھی مخالف ہیں اسکا یہی سبب ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ دن رات دنیا کی مشغولیوں میں غرق رہ کر اسلامی تعلیم سے سخت غافل ہو گئے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو کچھ ہم نے دفع طاعون کے بارہ میں بطور حفظ ما تقدم اپنے پہلے اشتہار میں ایک تدبیر لکھی تھی اُس تدبیر کے بیان کرنیسے ہرگز ہمارا یہ منشا نہ تھا کہ وہ یقینی اور قطعی علاج ہے اور ایسا لازوال اور تسلی بخش ہے کہ اُسکے بعد دعا کی بھی حاجت نہیں بلکہ منشا صرف اسقدر تھا کہ گمان غالب ہو کہ اُس سے فائدہ ہو۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ کسی مرض کے متعلق ڈاکٹروں اور طبیبوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی دوا نہیں جسپر دعوی کر سکیں کہ وہ قضا و قدر کیساتھ پوری لڑائی کر کے تمام قسم کی طبایع کو ضرور کسی مرض سے حکماً نجات دیدیگی۔ بلکہ ہمارا یقین ہے کہ ابتک طبیبوں کو

حاشیہ ✽ ان آیات پر نظر غور ڈالو! انہ من یتق ویصبر فانّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ یعنے جو شخص صبر کریگا اور ڈرے گا خدا اُس کا اجر ضایع نہیں کریگا۔ یہ عام پیشگوئی ہے جو تقویٰ اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ اور پھر ایک اور پیشگوئی میں عذاب کا ذکر فرما کر آخر یہ فرمایا ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم۔ یعنے خدا تعالےٰ تمھیں عذاب دیکر کیا کریگا اگر تم شکر گذار اور مومن بنجاؤ گے۔ اس پیشگوئی میں ظاہر فرمایا کہ آنے والا عذاب شکر اور ایمان کے ساتھ دور ہو جائیگا پھر ایک اور جگہ فرمایا فامّا الّذین کفروا فاعذّبھم عذاباً شدیداً فی الدنیا والآخرۃ وما لھم من ناصرین۔ وامّا الذین آمنوا وعملوا الصّالحات فیوفیھم اجورھم واللہ لا یحبّ الظالمین۔ یعنے میں کافروں پر عذاب شدید نازل کرونگا کیا دنیا میں کیا آخرت میں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو میں اُنھیں اُن کا پورا بدلہ دونگا دیکھو اسجگہ بھی ایمان کی شرط کے ساتھ عذاب کا ٹل جانا بیان فرمایا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے فان کذبوک فقل ربّکم ذو رحمۃ واسعۃ ولا یردّ باسہ عن القوم المجرمین یعنے اگر یہ لوگ تکذیب پر کمر بستہ ہوں تو انکو کہدے کہ اگر تم ایمان لاؤ تو خدا کی وسیع رحمت سے تمھیں

ایسی دوا میسر ہی نہیں آئی اور نہ آسکتی ہے کہ جو حکماء ہر ایک طبیعت اور عمر اور ہر ایک ملک کے آدمی کو مفید پڑے اور ہرگز خطا نہ جائے۔ لہذا با وجود تدبیر کے بہرحال دعا کا خانہ خالی ہے اور طاعون تو تمام امراض مہلکہ میں سے اوّل درجہ پر ہے۔ پھر کیونکر ایسی مہلک مرض کے بارہ میں کوئی دعوی کرسکتا ہے کہ کوئی تدبیر یا دوا اُس کے حملہ قاتلہ سے تمام جانوں کو بچا سکتی ہے۔ پھر جبکہ قانون قدرت ہی بتلا رہا ہے کہ علم طب ظنی ہے اور تمام تدابیر اور معالجات بھی ظنی تو اس صورت میں کس قدر بدنصیبی ہے کہ ایسے ظنیات پر بھروسہ کرکے مبدء فیض اور رحمت سے بذریعہ دعا طلب فضل نہ کیا جائے دُعا سے ہم کیا چاہتے ہیں یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ عالم الغیب جسکو اصل حقیقت مرض کی بھی معلوم ہے اور دوا بھی معلوم ہے وہ ہماری دستگیری فرماوے اور چاہے تو وہ دوائیں ہمارے لئے میسر کرے جو نافع ہوں اور یا اپنے فضل اور کرم سے وہ دن ہی ہمکو نہ دکھلاوے کہ ہمیں دواؤں اور طبیبوں کی حاجت پڑے۔ کیا اس میں شک ہو کہ ایک اعلیٰ ذات تمام طاقتوں والی موجود ہے جسکے ارادہ اور حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہیں اور جسطرف اُس کا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اُسیطرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کسی ملک کی حالت صحت کسیوقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جنسے پانی اُس ملک کا ہر ایک عفونت سے محفوظ رہے اور ہوا میں کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذائیں صالحہ میسر آویں اور دوسرے تمام مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مضر صحت ہیں ظہور اور بروز نہ کریں۔ اور اگر وہ کسی ملک کے لئے وبا اور

بقیہ حاشیہ

حصہ لیگا اور اگر تکذیب سے باز نہ آؤ تو اُس کا عذاب ایسا نہیں کہ کسی حیلہ اور تدبیر سے ٹل سکے۔ سو یہ پیشگوئی بھی شرطی ہے۔ اور قرآن شریف میں ایسا ہی انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں جابجا شرطی پیشگوئیاں ہیں اُن سے انکار کرنا گویا اسلام سے انکار کرنا ہے۔ بلکہ حضرت یونس کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انذاری پیشگوئی بغیر کسی شرط کے بھی صرف توبہ اور استغفار سے ٹل سکتی ہے۔ کیونکہ ازل سے خدا تعالےٰ کی صفات میں سے یہ صفت ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرکے وعید کی پیشگوئی کو تاخیر میں ڈال دیتا ہے۔ منہ

موت کو چاہتا ہے تو وبا کے پیدا کرنے والے اسباب پیدا کر دیتا ہے کیونکہ تمام ملکوت السموات والارض اُسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک ذرہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اُسکی آواز سُنتا ہے یہ نہیں کہ وہ دُنیا کو پیدا کر کے معطل اور بے اختیار کی طرح الگ ہو کر بیٹھ گیا ہے بلکہ اب بھی وہ دنیا کا خالق ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ چند سال میں ہمارے جسم کے پہلے اجزا تحلیل پا جاتے ہیں اور دوسرے اجزا انکی جگہ آ جاتے ہیں۔ سو یہ سلسلہ خلق اور آفرینش ہے جو برابر جاری رہتا ہے ایک عالم فنا پذیر ہوتا ہے اور دوسرا عالم اسکی جگہ پکڑتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا خدا قیوم العالم بھی ہے جسکے سہارے سے ہر ایک چیز کی بقا ہے۔ یہ نہیں کہ اُس نے کسی روح اور جسم کو پیدا نہیں کیا یا پیدا کر کے الگ ہو گیا بلکہ وہ فی الواقع **ہر ایک جان کی جان ہے** اور ہر ایک وجود محض اُس سے فیض پا کر قائم رہ سکتا ہے اور فیض پا کر ابدی زندگی حاصل کرتا ہے جیسا کہ ہم بغیر اُسکے جی نہیں سکتے ایسا ہی بغیر اُسکے ہمارا وجود بھی پیدا نہیں ہوا۔ پس جبکہ وہ ایسا خدا ہے کہ ہماری حیات اور زندگی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور اُسی کے حکم سے ہمارے وجود کے ذرات ملتے اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو پھر اُسکے مقابل پر یہ کہنا کہ بغیر اُس کی امداد اور فضل کے ہم محض اپنی تدبیروں پر بھروسہ کر کے جی سکتے ہیں کسقدر فاش غلطی ہے۔ نہیں بلکہ ہماری تدبیریں بھی اُسی کی طرف سے آتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں تبھی روشنی پیدا ہوتی ہے جب وہ بخشتا ہے۔ پانی اور ہوا پر بھی ہمارا تصرف نہیں۔ بہت سے اسباب ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر اور صرف قبضہ قدرت خدا تعالیٰ میں ہیں جو ہماری صحت یا عدم صحت پر بڑا اثر ڈالنے والے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔ یعنے ہواؤں اور بادلوں کو پھیرنا یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے اور اس میں عقلمندوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُسکے اختیار کامل کا پتہ لگتا ہے۔ اور یہ پھیرنا دو قسم پر ہے ایک ظاہری طور پر اور وہ یہ ہے کہ ہواؤں اور بادلوں کو ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف پھیرا جائے

دوسری قسم پھیرنے کی باطنی طور پر ہے۔ اور وہ یہ کہ ہواؤں اور بادلوں میں ایک کیفیت تریاقی یا سمّی پیدا کر دیجائے تا موجب امن و آسایش خلق ہوں یا امراض وبائیہ کا موجب ٹھہریں۔ سوان دونوں قسموں کے پھیرنے میں انسان کا دخل نہیں اور بکلّی انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ اور بااین ہمہ ایک یہ مشکل بھی پیش ہے کہ ہماری صحت یا عدم صحت کا مدار صرف ان ہی دو چیزوں پر نہیں بلکہ ہزار در ہزار اسباب ارضی و سماوی اور بھی ہیں جو دقیق در دقیق اور انسان کی فکر اور نظر سے مخفی ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ تمام اسباب اُسکی جد و جہد سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ انسان کو اُس خدا کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے جسکے ہاتھ میں یہ تمام اسباب اور **اسباب در اسباب** ہیں۔ اور جسطرح خدا تعالیٰ کی کتابوں میں نیک انسان اور بد انسان میں فرق کیا گیا ہے اور اُنکے جُدا جُدا مقام ٹھہرائے ہیں اسی طرح خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں اُن دو انسانوں میں بھی فرق ہے جنمیں سے ایک خدا تعالیٰ کو چشمۂ فیض سمجھکر بذریعہ حالی اور قالی دُعاوں کے اُس سے قوت اور امداد مانگتا اور دوسرا صرف اپنی تدبیر اور قوت پر بھروسہ کر کے دعا کو قابل مضحکہ سمجھتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ سے بے نیاز اور متکبرانہ حالت میں رہتا ہے۔ جو شخص مشکل اور مصیبت کیوقت خدا سے دعا کرتا اور اُس سے حل مشکلات چاہتا ہے۔ وہ بشرطیکہ دعا کو کمال تک پہنچاوے خدا تعالےٰ سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے اور اگر بالفرض وہ مطلب اُسکو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلی اور سکینت خدا تعالےٰ کی طرف سے اُسکو عنایت ہوتی ہے اور وہ ہرگز ہرگز نامراد نہیں رہتا اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اُسکی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے۔ لیکن جو شخص دعا کیساتھ خدا تعالیٰ کیطرف مونہہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا اور اندھا مرتا ہے۔ اور ہماری اس تقریر میں اُن نادانوں کا جواب کافی طور پر ہے جو اپنی نظر خطا کار کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہیں کہ باوجود اسکے کہ وہ اپنے حال اور قال سے دُعا میں فنا ہوتے ہیں پھر بھی اپنے مقاصد میں نامراد رہتے اور نامراد مرتے ہیں

اور بمقابل اُن کے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دعا کا قائل نہ خدا کا قائل وہ اُنپر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی کامیابیاں اُسکو حاصل ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ ابھی میںنے اشارہ کیا ہے اصل مطلب دُعا سے اطمینان اور تسلی اور **حقیقی خوشحالی** کا پانا ہے۔ اور یہ ہرگز صحیح نہیں کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اُسی امر میں میسر آسکتی ہے جسکو ہم بذریعہ دُعا چاہتے ہیں بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی کس امر میں ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمیں عنایت کر دیتا ہے۔ جو شخص روح کی سچائی سے دُعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور نہ حکومت سے اور نہ صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جس پیرایہ میں چاہے وہ عنایت کر سکتا ہے ہاں وہ کامل دعاؤں سے عنایت کیجاتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو **ایک مخلص صادق** کو عین مصیبت کیوقت میں دُعا کے بعد وہ لذت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تخت شاہی پر حاصل نہیں ہو سکتی سو اسی کا نام حقیقی مرادیابی ہے جو آخر دعا کرنے والوں کو ملتی ہے اور اُنکی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اطمینان اور سچی خوشحالی حاصل نہیں ہوئی تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دُکھ ہے۔ سو یہ اطمینان اور روح کی سچی خوشحالی تدابیر سے ہرگز نہیں ملتی بلکہ محض دعا سے ملتی ہے۔ مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہیں رکھتے وہ ایک ظاہری مرادیابی یا نامرادی کو دیکھکر **مدار فیصلہ** اُسکو ٹھہرا دیتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر اُن ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دُعا میں مشغول ہوتے ہیں اور وہی بذریعہ حقیقی اور مبارک خوشحالی کے سچی مرادیابی کی دولت عظمیٰ پاتے ہیں۔

یہ بڑی بے انصافی اور سخت تاریکی کے نیچے دیا ہوا خیال ہے کہ اُس فیض سے انکار کیا جائے جو محض دُعا کی نالی کے ذریعہ سے آتا ہے اور اُن پاک نبیوں کی تعلیم کو بنظر استخفاف دیکھا جائے جس کا عملی طور پر نمونہ اُن ہی کے زمانہ میں کھل گیا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُن مقدسوں کی بد دعا سے ہمیشہ وہ سرکش اور نافرمان ذلیل اور ہلاک ہوتے رہے ہیں جنھوں نے

اُن کا مقابلہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا اثر دیکھو جس کے جوش سے پہاڑ بھی پانی کے نیچے آگئے تھے اور کروڑہا انسان ایکدم میں دارالفنا میں پہنچ گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا پر غور کرو جس نے فرعون کو اُس کے تمام لشکروں کیساتھ ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بددعا کی قوت اور اثر کو سوچو جسکے ذریعہ سے یہودیوں کا استیصال رومی سلطنت کے ہاتھ سے ہوا۔ پھر ہمارے سیّد و مولیٰ کی بددعا میں ذرہ فکر کرو کہ کیونکر اُس بددعا کے بعد شریر ظالموں کا انجام ہوا۔

اب کیا یہ تسلی بخش ثبوت نہیں ہے کہ قدیم سے خدا تعالےٰ کا ایک روحانی قانون قدرت ہے کہ دُعا پر حضرت احدیّت کی توجہ جوش مارتی ہے اور سکینت اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ملتی ہے۔ اگر ہم ایک مقصد کی طلب میں غلطی پر نہ ہوں تو وہی مقصد ملجاتا ہے۔ اور اگر ہم اُس خطا کار بچہ کیطرح جو اپنی ماں سے سانپ یا آگ کا ٹکڑہ مانگتا ہے اپنی دُعا اور سوال میں غلطی پر ہوں تو خدا تعالیٰ وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے۔ اور باایں ہمہ دونوں صورتوں میں ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے۔ کیونکہ ہم دُعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالے سے علم پاتے ہیں اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتدا سے اور جبسے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لئے توجہ فرماتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اُس کا کوئی **مخلص بندہ** اضطرار اور کرب اور قلق کیساتھ دُعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اُس امر کے ہو جانے کے لئے مصروف کرتا ہے۔ تب اُس **مرد فانی** کی دعائیں فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالےٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے کام بنجائے۔ یہ دعا اگرچہ بعالم ظاہر انسان کے ہاتھوں سے ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ انسان **خدا میں فانی ہوتا ہے** اور دعا کرنے کے وقت میں حضرت احدیت و جلال میں ایسے فنا کے قدم سے آتا ہے کہ اُسوقت وہ ہاتھ اس کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اُس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے جو ہزاروں
پردوں میں مخفی ہے۔ دعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا
قبول ہو کر مشکل کشائی کے لئے نئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں اور اُن کا علم **پیش از وقت**
دیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ
جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارہ میں **حق الیقین**
تک نہ پہونچ سکتا۔ دُعا سے الہام ملتا ہے۔ دُعا سے ہم خدا تعالےٰ کے ساتھ کلام کرتے
ہیں۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا
کی حالت تک پہونچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اُس پر ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہے
دعا کی ضرورت نہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے دنیوی مطالب کو پاویں بلکہ کوئی انسان
بغیر اُن قدرتی نشانوں کے ظاہر ہونیکے جو دعا کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اُس سچے ذوالجلال
خدا کو پا ہی نہیں سکتا جس سے بہت سے دل دور پڑے ہوئے ہیں۔ نادان خیال کرتا ہے
کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے مگر اُسے معلوم نہیں کہ صرف ایک دعا ہی ہے جس سے
خداوند ذوالجلال ڈھونڈنے والوں پر تجلّی کرتا اور **انا القادر** کا الہام اُنکے دلوں پر
ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی میں روحانی روشنی
کے طالب کیلئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین بخشتا اور
تمام شکوک و شبہات دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہوں
وہ نہیں جانتا کہ کیونکر اور کہاں سے اُسکو حاصل ہوئے۔ بلکہ صرف تدبیروں پر زور
مارنیوالا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یقیناً و حقاً خدا تعالےٰ کے
ہاتھ نے اُسکے مقاصد کو اُسکے دامن میں ڈالا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص دُعا کے ذریعہ
سے خدا تعالےٰ سے الہام پا کر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے وہ اُس کام کے ہوجانے
پر خدا تعالیٰ کی شناخت اور معرفت اور محبت میں آگے قدم بڑھاتا ہے اور اُس قبولیت

دعا کو اپنے حق میں ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسیطرح وقتاً فوقتاً یقین سے پُر ہو کر جذبات نفسانی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے ایسا مجتنب ہو جاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے۔ لیکن جو شخص دُعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی رحمت آمیز نشانوں کو نہیں دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیوں اور بیشمار دولت اور مال اور اسباب تنعم کے دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ کامیابیاں اُسکے دل پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالتیں بلکہ جیسے جیسے دولت اور اقبال پاتا ہے غرور اور تکبر میں بڑھتا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ پر اگر اُسکو کچھ ایمان بھی ہو تو **ایسا مُردہ ایمان** ہوتا ہے جو اسکو نفسانی جذبات سے روک نہیں سکتا۔ اور حقیقی پاکیزگی بخش نہیں سکتا۔

یہ بات یاد رہے کہ اگرچہ قضا و قدر میں سب کچھ مقرر ہو چکا ہے مگر قضا و قدر نے علوم کو ضایع نہیں کیا۔ سو جیسا کہ باوجود تسلیم مسئلہ قضا و قدر کے ہر ایک کو علمی تجارب کے ذریعہ سے ماننا پڑتا ہے کہ بیشک دواؤں میں خواص پوشیدہ ہیں اور اگر مرض کے مناسب حال کوئی دوا استعمال ہو تو خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے بیشک مریض کو فائدہ ہوتا ہے سو ایسا ہی علمی تجارب کے ذریعہ سے ہر ایک **عارف** کو ماننا پڑا ہے کہ دعا کا قبولیت کیساتھ ایک رشتہ ہے۔ ہم اس **راز** کو معقولی طور پر دوسرے دلوں میں بٹھا سکیں یا نہ بٹھا سکیں مگر کروڑہا راستبازوں کے **تجارب** نے اور **خود ہمارے تجربہ** نے اس **مخفی حقیقت** کو ہمیں دکھلا دیا ہے کہ ہمارا دعا کرنا ایک قوت مقناطیسی رکھتا ہے اور فضل اور رحمت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ **نماز کا مغز** اور روح بھی دعا ہی ہے جو سورہ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ جب ہم **اهدنا الصراط المستقیم** کہتے ہیں تو اس دُعا کے ذریعہ سے اُس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالےٰ سے اترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے۔

بعض لوگ جلدی سے کہدیتے ہیں کہ ہم دعا سے منع نہیں کرتے مگر دُعا سے

مطلب صرف عبادت ہی جسپر ثواب مترتب ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے
کہ ہر ایک عبادت جسکے اندر خدا تعالیٰ کی طرف سے **روحانیت** پیدا نہیں ہوتی
اور ہر ایک ثواب جسکی **محض خیال** کے طور پر کسی آئندہ زمانہ پر امید رکھی جاتی ہے
وہ سب خیال باطل ہے۔ حقیقی عبادت اور حقیقی ثواب وہی ہے جسکے **اسی دنیا**
میں انوار اور برکات **محسوس** بھی ہوں۔ ہماری پرستش کی قبولیت کے آثار یہی ہیں
کہ ہم **عین دُعا کیوقتمیں** اپنے دل کی آنکھ سے **مشاہدہ** کریں کہ ایک
تریاقی نور خدا سے اُترتا اور ہمارے دل کے زہریلے مواد کو کھوتا اور ہماری پر ایک شعلہ
کی طرح گرتا اور فی الفور ہمیں ایک پاک کیفیت انشراح صدر اور یقین اور محبت اور لذت
اور اُنس اور ذوق سے پُر کر دیتا ہے۔ اگر یہ امر نہیں ہے تو پھر دُعا اور عبادت بھی ایک رسم
اور **عادت** ہے۔ ہر ایک دعا گو ہماری دنیوی مشکل کشائی کے لئے ہو مگر ہماری ایمانی حالت
اور عرفانی مرتبت پر گذر کرآتی ہے۔ یعنے اول ہمیں ایمان اور عرفان میں ترقی بخشتی ہے
اور ایک پاک سکینت اور انشراح صدر اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ہمیں عطا کرکے پھر
ہماری دنیوی مکروہات پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور جس پہلو سے مناسب ہو اُس پہلو سے ہمارے
غم کو دور کر دیتی ہے۔ پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہو کہ دُعا اسی حالت میں دعا کہلا سکتی
ہے کہ جب درحقیقت اُس میں ایک قوت کشش ہو اور واقعی طور پر دُعا کرنے کے بعد آسمان سے
ایک نور اُترے جو ہماری گھبراہٹ کو دور کرے اور ہمیں انشراح صدر بخشے اور
سکینت اور اطمینان عطا کرے۔ ہاں حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت
اور امداد کو نازل کرتا ہے (۱) ایک یہ کہ اُس بلا کو دور کر دیتا ہے جسکے نیچے ہم دبکر مرنے کو
طیار ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کیلئے ہمیں فوق العادۃ قوت عنایت
کرتا ہے بلکہ اُس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں
طریقوں سے ثابت ہو کہ دُعا سے ضرور نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

یہہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دُعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اسکی فرضیت کے چار سبب ہیں (۱) ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالتمیں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو - کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ **مُرادوں کا دینے والا صرف خُدا ہے** - (۲) دوسرے یہ کہ تا دُعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر **ایمان قوی ہو** - (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو **علم اور حکمت زیادت پکڑے** - (۴) چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسیطرح ظہور میں آوے تو **معرفت الٰہی** ترقی کرے اور معرفت سے **یقین** اور یقین سے **محبت** اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے **انقطاع** حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے - لیکن اگر کسیکو بطور خود مرادیں ملتی جائیں اور خدا تعالیٰ سے دوری اور مجوبی ہو تو وہ تمام مرادیں انجام کار **حسرتیں** ہیں اور وہ تمام مقاصد جنپر فخر کیا جاتا ہے آخر الامر **جائے افسوس** اور تاسف ہیں - دُنیا کے تمام عیش آخر رنج سے بدل جائیں گے اور تمام راحتیں دُکھ اور درد دکھائی دینگی مگر وہ بصیرت اور معرفت جو انسان کو **دُعا** سے حاصل ہوتی ہے اور **وہ نعمت** جو دُعا کے وقت آسمانی خزانہ سے ملتی ہے وہ **کبھی کم نہ ہوگی** اور نہ اُسپر زوال آئے گا - بلکہ روز بروز معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی ہو کر انسان اس زینہ کے ذریعہ سے جو دعا ہے فردوس اعلیٰ کی طرف چڑھتا چلا جائے گا - خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو اُمّ الصفات ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہیں :-

ربوبیّت - رحمانیت - رحیمیّت - مالکیّت یوم الدین -

(۱) ربوبیّت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اُسی سے پیرایۂ وجود پہنتے ہیں -

(۲) رحمانیت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے - یعنے اُس عدم محض کو

جسکے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں

(۳) رحیمیت اپنے فیضان کیلئے موجود ذو العقل کے مونہہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) مالکیت یوم الدین اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف اُن انسانوں سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کیلئے دامن افلاس پھیلاتے ہیں۔ اور سچ مچ اپنے تئیں تہیدست پاکر خدا تعالیٰ کی مالکیت پر ایمان لاتے ہیں

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دُنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیت کی صفت ہے وہ دُعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ مالک جزا ہے کسی کا حق نہیں جو دعویٰ سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔

اب خلاصۂ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتیں ہیں جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہیں۔ اور منجملہ انکے رحیمیت کی صفت ہے جو **تقاضا** کرتی ہے کہ کوئی انسان **دعا کرے** تا اُس دُعا پر فیوض الٰہی نازل ہوں۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین میں بھی ذکر لکھا ہے کہ کیونکر یہ چاروں صفتیں لف و نشر مرتب کیطور پر سورہ فاتحہ میں بیان کیگئی ہیں اور کیونکر صحیفۂ فطرت پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے جو سورہ فاتحہ میں ہے یہ چاروں صفتیں خدا کی فعلی کتاب قانون قدرت میں پائی جاتی ہیں۔ اب دعا سے انکار کرنا یا اُسکو بے سود سمجھنا یا جذب فیوض کے لئے اسکو ایک محرک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیت ہے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ انکار در پردہ **دہریت** کی طرف ایک حرکت ہے کیونکہ رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جسکے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں اور تضرعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں تو ہمارا ایمان

خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اُسکی ربوبیت اور رحمانیت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں۔ لیکن بغیر رحیمیت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہیں۔

خدا شناسی

ظاہر ہے کہ امر مقدم اور ایک بھاری مرحلہ جو ہمیں طے کرنا چاہیئے وُہ خدا شناسی ہے۔ اور اگر ہماری خدا شناسی ہی ناقص اور مشتبہ اور دُھندلی ہو تو ہمارا ایمان ہرگز منور اور چمکیلا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خدا شناسی جب تک کہ رحمت کی صفت کے ذریعہ سے ہمارا چشم دید واقعہ نہ بنجائے تب تک ہم کسی طرح سے اپنے رب کریم کی **حقیقی معرفت** کے چشمہ سے آب زلال نہیں پی سکتے۔ اگر ہم **اپنے تئیں دھوکہ نہ دیں** تو ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم تکمیل معرفت کے لئے اس بات کے محتاج ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے ذریعہ سے تمام شکوک وشبہات ہمارے دور ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل اور قدرت کی صفات **تجربہ** میں آکر ہمارے دل پر ایسا قوی اثر پڑے کہ ہمیں اُن نفسانی جذبات سے چھوڑا دے جو محض کمزوری ایمان اور یقین کی وجہ سے ہمارے پر غالب آتے اور دوسری طرف رُخ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انسان اس چند روزہ دنیا میں آکر بوجہ اسکے کہ خدا شناسی کی پُر زور کرنیں اُسکے دل پر نہیں پڑتیں ایک خوفناک تاریکی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور جسقدر دُنیا اور دُنیا کی املاک اور دنیا کی ریاستیں اور حکومتیں اور دولتیں اُسکو پیاری معلوم ہوتی ہیں اُسقدر عالم معاد کی لذات اور خوشحالی حقیقی کی جستجو اُسکو نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی نسخہ دُنیا میں ہمیشہ رہنے کا نکلے تو اپنے مونہہ سے اس بات کے کہنے کے لئے طیار رہے کہ میں بہشت اور عالم آخرت کی نعمتوں کی خواہش سے باز آیا۔ پس اس کا کیا سبب ہے یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُسکی قدرت اور رحمت اور وعدوں پر **حقیقی ایمان** نہیں۔ پس حق کے طالب کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس حقیقی ایمان کی تلاش میں لگا رہے اور اپنے تئیں یہ دھوکہ نہ دے

کہ میں **مسلمان ہوں** اور خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہوں۔ قرآن شریف پڑھتا ہوں شرک سے بیزار ہوں۔ نماز کا پابند ہوں اور ناجائز اور بد باتوں سے اجتناب کرتا ہوں۔ کیونکہ مرنے کے بعد کامل نجات اور سچی خوشحالی اور حقیقی سرور کا وہ شخص مالک ہوگا جس نے وہ زندہ اور حقیقی نور اس دُنیا میں حاصل کر لیا ہے جو انسان کے مونہہ کو اُسکے تمام قوتوں اور طاقتوں اور ارادوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور جس سے اس سفلی زندگی پر ایک موت طاری ہو کر انسانی روح میں ایک سچی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ زندہ اور حقیقی نور کیا چیز ہے؟ وہی خداداد طاقت ہے جس کا نام **یقین** اور **معرفت تامہ** ہے۔ یہ وہی طاقت ہے جو اپنے زور آور ہاتھ سے ایک خوفناک اور تاریک گڑھے سے انسان کو باہر لاتی اور نہایت روشن اور پُر امن فضا میں بٹھا دیتی ہے۔ اور قبل اس کے جو یہ روشنی حاصل ہو **تمام اعمال صالحہ رسم اور عادت** کے رنگ میں ہوتے ہیں اور اُس صورت میں ادنیٰ ادنیٰ ابتلاؤں کے وقت انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ بجز اس مرتبہ یقین کے خدا سے **معاملہ صافی** کس طرح ہو سکتا ہے؟ جسکو یقین دیا گیا ہے وہ **پانی** کی طرح خدا کی طرف بہتا ہے اور **ہوا** کی طرح اُس کی طرف جاتا ہے اور **آگ** کی طرح غیر کو جلا دیتا ہے اور مصائب میں **زمین** کی طرح ثابت قدمی دکھلاتا ہے۔ خدا کی معرفت دیوانہ بنا دیتی ہے مگر لوگوں کی نظر میں دیوانہ اور خدا کی نظر میں عقلمند اور فرزانہ۔ یہ شربت کیا ہی شیریں ہے کہ حلق سے اُترتے ہی تمام بدن کو شیریں کر دیتا ہے۔ اور یہ دودھ کیا ہی لذیذ ہے کہ ایک دم میں تمام نعمتوں سے فارغ اور لاپرواہ کر دیتا ہے۔ مگر اُن **دُعاؤں** سے حاصل ہوتا ہے جو **جان کو ہتھیلی** پر رکھکر کیجاتی ہیں۔ اور کسی دوسرے کے خون سے نہیں بلکہ اپنی سچی قربانی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیسا **مشکل** کام ہے۔ **آہ صد آہ**۔

میں مناسب دیکھتا ہوں کہ صفائی بیان کے لئے صفات اربعہ مذکورہ کی تشریح بذیل تفسیر سورہ فاتحہ اسجگہ لکھدوں تا معلوم ہو کہ کیونکر اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب کی پہلی سورۃ میں ہی دعا کیلئے ترغیب دی ہے۔ اور وہ یہ ہے:- **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔

آمِیْن

ترجمہ ۔ خدا جس کا نام اللہ ہے* تمام اقسام تعریفوں کا مستحق ہے ۔ اور ہر ایک تعریف اُسی کی شان کے لائق ہے کیونکہ وہ ربّ العالمین ہے ۔ وہ رحمان ہے ۔ وہ رحیم ہے ۔ وہ مالک یوم الدین ہے ہم (اے صفات کاملہ والے) تیری ہی پرستش کرتے ہیں ۔ اور مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں ۔ ہمیں وہ سیدھی راہ دکھلا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جنپر تیرا انعام ہے ۔ اور اُن راہوں سے بچا جو اُن لوگوں کی راہیں ہیں جنپر تیرا غضب طاعون وغیرہ عذابوں سے دُنیا ہی میں وارد ہوا ۔ اور نیز اُن لوگوں کی راہوں سے بچا کہ جنپر اگرچہ دُنیا میں کوئی عذاب وارد نہیں ہوا مگر اُخروی نجات کی راہ سے وہ دور جا پڑے ہیں اور آخر عذاب میں گرفتار ہونگے ۔

اب واضح رہے کہ یہ سورۃ قرآن شریف کی پہلی سورۃ ہے جس کا نام سورہ فاتحہ ہے کیونکہ ابتدا اس سے ہی اور اس کا نام **اُمّ الکتاب** بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا اس میں خلاصہ اور عطر موجود ہے ۔ اور اس سورۃ میں ہدایت پانے کے لئے ایک دعا سکھلائی گئی ہے تا معلوم ہو کہ فیوض ربانی حاصل کرنے کے لئے دُعا کرنا ضروری ہے ۔ اور اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک حمد اور تعریف اُس ذات کیلئے مسلّم ہے جس کا نام اللہ ہے اور اس فقرہ الحمد للہ سے اسلئے شروع کیا گیا کہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت روح کے جوش اور طبیعت کی کشش سے ہو اور ایسی کشش جو عشق اور محبت سے بھری ہوئی ہو ہرگز کسی کی نسبت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ وہ شخص ایسی کامل خوبیوں کا جامع ہے جنکے ملاحظہ سے بے اختیار دل تعریف کرنے لگتا ہے ۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ کامل تعریف دو قسم کی خوبیوں کے لئے ہوتی ہے ۔ ایک کمال **حُسن** اور ایک کمال **اِحسان** اور اگر کسی میں دونوں خوبیاں جمع

*نوٹ ۔ ان آیات سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جس نے اللہ کے نام سے قرآن میں اپنے تئیں ظاہر کیا وہ ربّ العالمین ہوکر مبدا ہے تمام فیضوں کا اور رحمان ہوکر مُتکفّل ہے تمام انعاموں کا ۔ اور رحیم ہوکر قبول کرنیوالا ہے تمام شدہ مندہ دعاؤں اور کوششوں کا اور مالک یوم الدین ہوکر بخشنے والا ہے کوششوں کے تمام آخری ثمرات کا منہ

ہوں تو پھر اُس کے لئے دل فدا اور شیدا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن شریف کا بڑا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالے کی دونوں قسم کی خوبیاں حق کے طالبوں پر ظاہر کرے تا اُس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں اور روح کے جوش اور کشش سے اُسکی بندگی کریں۔ اس لئے پہلی سورۃ میں ہی یہ نہایت لطیف نقشہ دکھلانا چاہا ہے کہ وہ خدا جسکی طرف قرآن بُلاتا ہے وہ کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو اسی غرض سے اس سورۃ کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ سب تعریفیں اُسکی ذات کے لئے لائق ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ اور قرآن کی اصطلاح کی رو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جسکی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی منقصت اُسکی ذات میں نہ ہو قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اسمیں پائی جائیں۔ پس جبکہ ہر ایک قسم کی خوبی اُس میں پائی گئی تو حُسن اُس کا ظاہر ہے۔ اسی حسن کے لحاظ سے قرآن شریف میں اللہ تعالے کا نام نور ہے جیسا کہ فرمایا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ ہر ایک نور اُسی کے نور کا پرتوہ ہے۔

اور احسان کی خوبیاں اللہ تعالے میں بہت ہیں جنمیں سے چار بطور اصل الاصول ہیں اور اُنکی ترتیب طبعی کے لحاظ سے **پہلی خوبی** وہ ہے جسکو سورہ فاتحہ میں رب العالمین کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت یعنی پیدا کرنا اور کمال مطلوب تک پہونچانا تمام عالموں میں جاری و ساری ہے یعنے عالم سماوی اور عالم ارضی اور عالم اجسام اور عالم ارواح اور عالم جواہر اور عالم اعراض اور عالم حیوانات اور عالم نباتات اور عالم جمادات اور دوسرے تمام قسم کے عالم اُسکی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں یہانتک کہ خود انسان پر ابتدا نطفہ ہونے کی حالت سے یا اس سے پہلے بھی جو جو عالم موت تک یا دوسری زندگی کے زمانہ تک آتے ہیں وہ سب چشمۂ ربوبیت سے فیض یافتہ ہیں۔ پس ربوبیت الٰہی بوجہ اس کے کہ وہ تمام ارواح و اجسام و حیوانات و نباتات و جمادات وغیرہ پر مشتمل ہے فیضان اعم سے موسوم ہے کیونکہ ہر ایک موجود اس سے فیض پاتا ہے اور اُسی کے ذریعہ سے ہر ایک چیز وجود پذیر ہے۔ ہاں البتہ

ربوبیت الٰہی اگرچہ ہر ایک موجود کی موجد اور ہر ایک ظہور پذیر چیز کی مُربّی ہے۔ لیکن بحیثیت احسان کے سب سے زیادہ فائدہ اس کا انسان کو پہونچتا ہے کیونکہ **خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے**۔ اسلئے انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ تمہارا خدا رب العالمین ہے تا انسان کی امید زیادہ ہو اور یقین کرے کہ ہمارے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ کی قدرتیں وسیع ہیں اور طرح طرح کے عالم اسباب ظہور میں لاسکتا ہے۔ **دوسری خوبی** خدا تعالیٰ کی جو دوسرے درجہ کا احسان ہے جسکو فیضان عام سے موسوم کر سکتے ہیں رحمانیت ہے۔ جسکو سورہ فاتحہ میں الرحمٰن کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن شریف کی اصطلاح کی رو سے خدا تعالےٰ کا نام رحمٰن اس وجہ سے ہے کہ اُسنے ہر ایک جاندار کو جنمیں انسان بھی داخل ہے اُسکے **مناسب حال** صورت اور سیرت بخشی یعنے جس طرز کی زندگی اُسکے لئے ارادہ کی گئی اُس زندگی کے مناسب حال جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی یا جس قسم کی بناوٹ جسم اور اعضا کی حاجت تھی وہ سب اُسکو عطا کئے اور پھر اُسکی بقا کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ اُسکے لئے مہیا کیں۔ پرندوں کے لئے پرندوں کے مناسب حال اور چرندوں کے لئے چرندوں کے مناسب حال اور انسان کے لئے انسان کے مناسب حال طاقتیں عنایت کیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان چیزوں کے وجود سے ہزارہا برس پہلے بوجہ اپنی صفت رحمانیت کے اجرام سماوی و ارضی کو پیدا کیا تا وہ ان چیزوں کے وجود کی محافظ ہوں۔ پس اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت میں کسی کے عمل کا دخل نہیں۔ بلکہ وہ رحمت محض ہے جسکی بُنیاد ان چیزوں کے وجود سے پہلے ڈالی گئی۔ ہاں انسان کو خدا تعالیٰ کی رحمانیت سے سب سے زیادہ حصہ ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز اُسکی کامیابی کے لئے قربان ہو رہی ہے۔ اس لئے انسان کو یاد دلایا گیا کہ تمہارا خدا رحمان ہے۔ **تیسری خوبی** خُدا تعالیٰ کی جو تیسرے درجہ کا احسان ہے **رحیمیت** ہے جسکو سورۃ فاتحہ میں الرحیم کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن شریف کی اصطلاح کے رو سے خدا تعالیٰ رحیم اُس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضییع اعمال سے انکو محفوظ رکھتا ہے

یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دُعا اور تضرع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ نہیں دیا مگر انسان کو دیا ہے انسان حیوان ناطق ہے اور اپنی نطق کیساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے۔ دوسری چیز کو نطق عطا نہیں ہوا۔ پس اسجگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دُعا کرنا اُسکی انسانیت کا ایک خاصہ ہو جو اُسکی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور جسطرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفت رحیمیت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں دُعا کو نہیں چاہتیں کیونکہ وہ دونوں صفات انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں اور تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں بلکہ صفت ربوبیت تو تمام حیوانات اور نباتات اور جمادات اور اجرام ارضی اور سماوی کو فیض رسان ہے اور کوئی چیز اُس کے فیض سے باہر نہیں۔ برخلاف صفت رحیمیت کے کہ وہ انسان کے لئے ایک خلعت خاصہ ہے۔ اور اگر انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے فیض رسانی کی چار صفت اپنی ذات میں رکھی ہیں اور رحیمیت کو جو انسان کی دعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں **ایک قسم** کا وہ فیض ہے جو **دُعا کرنے سے وابستہ ہے** اور بغیر دُعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔ یہہ سُنت اللہ اور قانون الٰہی ہے جسمیں تخلف جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ بنی اسرائیل خدا تعالےٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہونچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور تضرع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ میں انکو ہلاک کرونگا۔

اب ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ دُعا محض لغو امر نہیں ہے۔ اور نہ صرف ایسی عبادت جسپر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔ یہ اُن لوگوں کے خیال ہیں کہ جو خدا تعالےٰ کا

وہ قدر نہیں کرتے جو حق قدر کرنے کا ہے اور نہ خدا کی کلام کو نظر عمیق سے سوچتے ہیں۔ اور نہ قانون قدرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دُعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے۔ جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی کا نام **فیض رحیمیت** ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے۔ اور **خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے**۔ مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیت کی بناء پر ہے خدا تعالیٰ کی رحیمیت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔

چوتھا احسان خدا تعالیٰ کا جو قسم چہارم کی خوبی ہے جسکو فیضان اخص سے موسوم کرسکتے ہیں مالکیت یوم الدین ہے جسکو سورہ فاتحہ میں فقرہ مالک یوم الدین میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس میں اور صفت رحیمیت میں یہ فرق ہے کہ رحیمیت میں دعا اور عبادت کے ذریعہ سے کامیابی کا استحقاق قائم ہوتا ہے۔ اور صفت مالکیت یوم الدین کے ذریعہ سے وہ ثمرہ عطا کیا جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک انسان گورنمنٹ کا ایک قانون یاد کرنے میں محنت اور جدوجہد کر کے امتحان دے اور پھر اُس میں پاس ہو جائے پس رحیمیت کے اثر سے کسی کامیابی کے لئے استحقاق پیدا ہو جانا پاس ہو جانے سے مشابہ ہے اور پھر وہ چیز یا وہ مرتبہ میسر آجانا جسکے لئے پاس ہوا تھا اس حالت سے مشابہ انسان کے فیض پانے کی وہ حالت ہے جو پرتو صفت مالکیت یوم الدین سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں صفتوں رحیمیت اور مالکیت یوم الدین میں یہ اشارہ ہے کہ فیض رحیمیت خدا تعالیٰ کے رحم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فیض مالکیت یوم الدین خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور مالکیت یوم الدین اگرچہ وسیع اور کامل طور پر عالم معاد میں متجلی ہوگی مگر اس عالم میں بھی اس عالم کے دائرہ کے موافق یہ چاروں صفتیں تجلی کر رہی ہیں۔ ربوبیت عام طور پر ایک فیض کی بناء ڈالتی ہے اور رحمانیت اُس فیض کو جانداروں میں کھلے طور پر دکھلاتی ہے اور رحیمیت ظاہر کرتی ہے کہ **خط ممتد فیض کا انسان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے**۔ اور انسان وہ جانور ہے جو فیض کو نہ صرف حال سے بلکہ مونہہ سے

ملتا ہے اور مالکیت یوم الدین فیض کا آخری ثمرہ بخشتی ہے - یہ چاروں صفتیں دُنیا میں ہی کام کر رہی ہیں - مگر چونکہ دُنیا کا دائرہ نہایت تنگ ہے اور نیز جہل اور بے خبری اور کم نظری انسان کے شامل حال ہے اس لئے یہ نہایت وسیع دائرے صفات اربعہ کے اس عالم میں ایسے چھوٹے نظر آتے جیسے بڑے بڑے گولے ستاروں کے دور سے صرف نقطے دکھائی دیتے ہیں - لیکن عالم معاد میں پورا نظارہ ان صفات اربعہ کا ہوگا - اس لئے حقیقی اور کامل طور پر یوم الدین وہی ہوگا جو عالم معاد ہے - اُس عالم میں ہر ایک صفت ان صفات اربعہ میں سے دوہری طور پر اپنی شکل دکھائیگی - یعنے ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اس لئے اُس وقت یہ چار صفتیں آٹھ صفتیں معلوم ہونگی - اسی کیطرف اشارہ ہے جو فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں چار فرشتے خدا تعالےٰ کا عرش اٹھا رہے ہیں اور اُس دن آٹھ فرشتے خدا تعالیٰ کا عرش اُٹھائینگے - یہ استعارہ کے طور پر کلام ہے - چونکہ خدا تعالےٰ کی ہر صفت کے مناسب حال ایک فرشتہ بھی پیدا کیا گیا ہے اس لئے چار صفات کے متعلق چار فرشتے بیان کئے گئے - اور جب آٹھ صفات کی تجلی ہوگی تو اُن صفات کیساتھ آٹھ فرشتے ہونگے - اور چونکہ یہ صفات الوہیت کی ماہیت کو ایسا اپنے پر لئے ہوئے ہیں کہ گویا اُسکو اُٹھا رہے ہیں اسلئے استعارہ کے طور پر اُٹھانے کا لفظ بولا گیا ہے - ایسے استعارات لطیفہ خدا تعالےٰ کی کلام میں بہت ہیں جنمیں روحانیت کو جسمانی رنگ میں دکھایا گیا ہے - غرض خدا تعالےٰ میں یہ چار صفات عظیمہ ہیں جنپر ہر ایک مسلمان کو ایمان لانا چاہیے - اور جو شخص دعا کے ثمرات اور فیوض سے انکار کرتا ہے گویا وہ بجائے چار صفتوں کے صرف تین صفتوں کو مانتا ہے -

اب واضح رہے کہ اللہ جل شانہ نے سورہ فاتحہ میں الحمد للہ کے بعد ان صفات اربعہ کو چار سر چشمہ فیض قرار دیکر اس سورۃ کے مابعد کی آیتوں میں بطور لف و نشر مرتب ہر ایک چشمہ سے فیض مانگنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے - چنانچہ ظاہر ہے کہ فقرہ الحمد للہ سے فقرہ مالک یوم الدین تک پانچ جدا جدا امر ہیں (۱) ایک الحمد للہ - (۲) دوسرے رب العالمین - (۳) تیسرے الرحمن - (۴) چوتھے الرحیم - (۵) مالک یوم الدین - اور مابعد کے پانچ فقرے ان پانچوں کے

لحاظ سے بصورت **لف ونشر مرتب** انکے مقابل پر واقع ہیں۔ جیساکہ فقرہ ایّاکَ نعبد فقرہ اَلحمدُ لِلّٰہ کے مقابل پر ہے۔ جس سے یہ اشارہ ہے کہ عبادت کی لائق وہی ذات کامل الصفات ہی جس کا نام اللہ ہے۔ اور فقرہ ایّاکَ نستعین فقرہ رَبّ العٰلمین کے مقابل پر واقع ہے۔ جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ سرچشمہ ربوبیت سے جو ایک نہایت عام سرچشمہ ہے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیر خدا تعالےٰ کے فیض ربوبیت کے ظاہری یا باطنی طور پر نشوونما پانا یا کوئی پاک تبدیلی حاصل کرنا اور روحانی پیدایش سے حصہ لینا امر محال ہے۔ اور فقرہ اھدنا الصّراط المستقیم فقرہ الرحمٰن کے مقابل پر واقع ہے اور اہدنا الصراط المستقیم کا ورد کرنے والا الرحمٰن کے چشمہ سے فیض طلب کرتا ہے کیونکہ **ہدایت پانا کسی کا حق نہیں ہے** بلکہ محض رحمانیت الٰہی سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور فقرہ صِراطَ الّذین انعمتَ علیہم فقرہ الرّحیم کے مقابل پر واقع ہے اور صراط الذین انعمت علیہم کا ورد کرنے والا چشمہ الرحیم سے فیض طلب کرتا ہے کیونکہ اُسکے یہہ معنے ہیں کہ ای دُعاؤں کو رحم خاص سے قبول کرنے والے اُن رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی راہ ہمیں دکھلا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ سے معرفت تامّہ تک پہونچ گئے۔ اور فقرہ غیر المغضوب علیہم ولا الضّالین فقرہ مٰلکِ یوم الدّین کے مقابل پر واقع ہے اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کا ورد کرنے والا چشمہ مالک یوم الدین سے فیض طلب کرتا ہے اور اسکے یہ معنے ہیں کہ ای جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں اس سزا سے بچا کہ ہم دُنیا میں یہودیوں کی طرح طاعون وغیرہ بلاؤں میں تیرے غضب کی وجہ سے مبتلا ہوں یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ گم کر کے آخرت میں عذاب کے مستحق ہوں۔ اس آیت میں نصاریٰ کا نام ضالّین اسلئے رکھا ہے کہ دنیا میں اُنپر کوئی غضب الٰہی کا عذاب نازل نہیں ہوا صرف وہ لوگ اُخروی نجات

کی راہ گم کر بیٹھے ہیں اور آخرت میں قابل مواخذہ ہیں۔ مگر یہود کا نام مغضوب علیہم اسواسطے رکھا ہے کہ یہود پر دنیا میں ہی انکی شامت اعمال سے بڑے بڑے عذاب نازل ہوئے ہیں۔ منجملہ انکے عذاب طاعون ہے چونکہ یہود نے خدا تعالےٰ کے پاک نبیوں اور راستباز بندوں کی صرف تکذیب نہیں کی بلکہ بہتوں کو انمیں سے قتل کیا یا قتل کا ارادہ کیا اور بدزبانی سے بھی بہت تکلیفیں پہونچاتے رہے اسلئے غیرت الٰہی نے بعض اوقات جوش میں آکر انکو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا۔ بسا اوقات لاکھوں یہودی طاعون کے عذاب سے مارے گئے اور کئی دفعہ ہزاروں انمیں سے قتل کئے گئے اور یا اسیر ہوکر دوسرے ملکوں میں نکالے گئے۔ غرض وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ مغضوب علیہم رہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ جانتا تھا کہ یہ ایک ٹیڑھی قوم ہے اسلئے توریت میں اکثر دنیا کے عذابوں سے انکو ڈرایا گیا تھا۔ غرض انپر ہولناک طور پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا رہا کیونکہ وہ لوگ خدا تعالےٰ کے نیک بندوں کو ہاتھ اور زبان سے دکھ دیتے تھے اسی وجہ سے دنیا میں ہی انپر غضب بھڑکا تا وہ اُن لوگوں کے لئے **نمونہ عبرت** ہوں کہ جو آئندہ کسی زمانہ میں خدا کے ماموروں اور راستباز بندوں کو عمداً دکھ دیں اور انکو ستاویں اور انکے قتل کرنے یا ذلیل کرنے کے لئے بد ارادے دلمیں رکھیں۔ سو اس دعا کے سکھلانے میں درپردہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم یہودیوں کے خلق اور خو سے باز رہو اور اگر کوئی مامور من اللہ تم میں پیدا ہو تو یہودیوں کی طرح اسکی ایذا اور توہین اور تحقیر میں جلدی نکرو ایسا نہو کہ تم سچے کو جھوٹا ٹھہرا کر اور پھر طرح طرح کے دکھ اسکو دیکر اور بدزبانی سے اسکی آبرو ریزی کرکے یہودیوں کی طرح مورد غضب الٰہی ہو جاؤ لیکن افسوس کہ اس امت کے لوگ بھی ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے اور انھوں نے بدقسمت یہودیوں کے قصوں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ یہ کیسی عبرت پکڑنے کی بات تھی کہ یہودیوں کو ایلیا نبی کے واپس آنے کا وعدہ دیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ جب تک ایلیا نہ آوے مسیح نہیں آئیگا۔ لیکن یہود نے کتب مقدسہ کے نصوص کے ظاہر معنے پر زور دیکر یہ عقیدہ اجماعی قائم کیا کہ درحقیقت ایلیا نبی کا ہی دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے۔ اسی عقیدہ کے رو سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبول نہ کر سکے اور یہ حجت پیش کی کہ ایلیا اب تک وعدہ کے موافق دوبارہ دنیا میں نہیں آیا پھر مسیح کیسے آگیا۔ اس ظاہر پرستی سے وہ بڑی مصیبت میں پڑے اور درحقیقت انکی تمام بدبختی کی یہی جڑ تھی کہ انھوں نے کتاب مقدس

کے ایک استعارہ کو حقیقت پر حمل کیا اور انکے تمام علماء کا اسپر اتفاق ہو گیا کہ مسیح نبی اللہ سے پہلے ایلیا
کا دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے اور اس تاویل پر انھوں نے ٹھٹھا کیا کہ ایلیا سے مراد یوحنا یعنی یحییٰ نبی
ہے جو اپنے اندر ایلیا کی خو اور طبیعت رکھتا ہے۔ اور کہا کہ اگر یہ مطلب تھا کہ ایلیا نبی دنیا میں واپس
نہیں آئیگا بلکہ اُس کا مثیل آئیگا تو خدا نے پیشگوئی میں یوں کیوں نہ فرمایا کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا مثیل آئیگا*
غرض اسطرح پر اُنکے دل سخت ہو گئے اور ایک راستباز کو کذاب اور کافر اور ملحد قرار دیا۔ اسی شامت
سے وہ غضب الٰہی کے مورد ہو کر سخت سخت عذابوں میں مبتلا ہوئے۔ اسلام میں بھی یہودی صفت
لوگوں نے یہی طریق اختیار کیا اور اپنی غلط فہمی پر اصرار کر کے ہر ایک زمانہ میں خدا کے مقدس لوگوں کو
تکلیفیں دیں۔ دیکھو کیسے امام حسین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ہزاروں نادان یزید کے ساتھ ہو گئے
اور اُس امام معصوم کو ہاتھ اور زبان سے دُکھ دیا آخر بجز قتل کے راضی نہ ہوئے اور پھر وقتاً فوقتاً
ہمیشہ اس اُمت کے اماموں اور راستبازوں اور مجددوں کو ستاتے رہے اور کافر اور بیدین اور زندیق نام
رکھتے رہے۔ ہزاروں صادق اُنکے ہاتھ سے ستائے گئے اور نہ صرف یہ کہ اُن کا نام کافر رکھا
بلکہ جہانتک بس چل سکا قتل کرنے اور ذلیل کرنے اور قید کرانے سے فرق نہیں کیا۔ یہانتک کہ
اب ہمارا زمانہ پہونچا اور تیرھویں صدی میں جابجا خود وہ لوگ یہ وعظ کرتے تھے کہ چودھویں
صدی میں امام مہدی یا مسیح موعود آئیگا۔ اور کم سے کم یہ کہ ایک بڑا مجدد پیدا ہوگا۔ لیکن جب
چودھویں صدی کے سر پر وہ مجدد پیدا ہوا اور نہ صرف خدا تعالیٰ کے الہام نے اُس کا نام مسیح موعود
رکھا بلکہ زمانہ کے فتن موجودہ نے بھی بہ زبان حال یہی فتویٰ دیا کہ اُس کا نام مسیح موعود چاہیے
تو اُسکی سخت تکذیب کی اور جہانتک ممکن تھا اُسکو ایذا دی اور طرح طرح کے حیلوں اور مکروں سے اُسکو
ذلیل اور نابود کرنا چاہا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے **گورنمنٹ برطانیہ** کی اس ملک
ہند میں سلطنت نہ ہوتی تو مدت سے اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے معدوم کر دیتے۔

اور یہ بات ظاہر تھی کہ یہ زمانہ ایمانی اور اعتقادی فتنوں کا زمانہ تھا اور لاکھوں انسانوں
کے اعتقاد توحید سے برگشتہ ہو کر مخلوق پرستی کی طرف جھک گئے تھے۔ اور زیادہ تر حصہ مخلوق پرستی کا

*نوٹ۔ یہ سب باتیں اُس کتاب میں لکھی ہیں جو ایک یہودی فاضل نے تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ منہ

جسپر زور دیا جاتا تھا وہی تھا کہ صلیبی نجات کی حمایت میں قلموں اور زبانوں سے وہ کام لیا گیا تھا کہ اگر نسخہ عالم کے تمام صفحات میں تلاش کریں تو تائید باطل میں یہ سرگرمی کسی اور زمانہ میں کبھی ثابت نہیں ہوگی۔ اور جبکہ صلیبی نجات کے حامیوں کی تحریریں انتہا درجہ کی تیزی تک پہونچ گئی تھیں اور اسلامی توحید اور **نبی عربی** خیر الرسل علیہ السلام کی عفت اور عزت اور حقانیت اور کتاب اللہ قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے پر کمال ظلم اور تعدی سے حملے کئے گئے تھے اور وہ بیجا حملے جن کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں کئے گئے انکی تعداد کی سات کروڑ تک نوبت پہونچگئی تھی اور یہ سب کچھ تیرھویں صدی کے ختم ہونے تک ظہور میں آچکا تھا تو کیا ضرور نہ تھا کہ وہ خدا جس نے فرمایا تھا کہ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ** وہ ان بیجا حملوں کے فرو کرنے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر اپنی قدیم سنت کے موافق کوئی آسمانی سلسلہ قائم کرتا؟ پس اگر یہہ سچ ہے کہ ہر ایک مجدد فتن موجودہ کے مناسب حال آنا چاہیے تو یہ دوسری بات بھی سچی ہے کہ چودھویں صدی کا مجدد کسر فتن صلیبیہ کیلئے آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہی وہ فتن ہیں جنکے لاکھوں دلوں پر خطرناک اثر پڑے ہیں۔ اور یہی وہ فتن ہیں جنکو اس زمانہ کے تمام فتنوں کی نسبت عظیم الشان کہنا چاہیے۔ اور جبکہ ثابت ہوا کہ چودھویں صدی کے مجدد کا کام صلیبی فتنوں کا توڑنا اور اُسکے حامیوں کے حملوں کا جواب دینا ہے☆ تو اب طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس مجدد کا یہ کام ہو کہ وہ صلیبی فتنوں کو توڑے اور کسر صلیب کا منصب اپنے ہاتھ میں لیکر حقیقی نجات کی راہ دکھلا دے اور وہ نجات جو صلیب کی طرف منسوب کی گئی ہے اُس کا بُطلان ثابت کرے اُس مجدد کا کیا نام ہونا چاہیے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مجدد کا نام مسیح موعود رکھا ہے؟ پس جبکہ زمانہ کی حالت موجودہ ہی بتلا رہی ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کا نام مسیح موعود ہونا چاہیے یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ ایسی صدی کا مسیح موعود ہی مجدد ہوگا جسمیں فتنہ صلیبیہ کا جوش و خروش ہو تو پھر کیوں انکار ہے۔ بہرحال جب فتن صلیبیہ اپنے کمال کو پہونچگئے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کروڑہا کتابیں صلیبی نجات کی تائید اور اسلام کی توہین اور ابطال میں شایع کی گئیں اور اس پر فتن صدی کے سر پر

☆ نوٹ۔ ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ چودھویں صدی کا مجدد جو مسیح موعود ہے اس کا منصب یہ نہیں ہے کہ سختیوں اور ہنگامہ پردازیوں سے کام لے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حلم اور خو کے موافق بردباری اور نرمی سے اتمام حجت کرے اور دلائل بینہ کے ساتھ قوی دلائل دے۔ منہ

ایک شخص کھڑا ہوا اور اُسنے دعویٰ کیا کہ ان فتنوں کی اصلاح کیلئے میں مامور ہوں تو کیا ایسا دعوے غیر محل پہ تھا؟ اور کیا ضرور نہ تھا کہ اُن خطرناک فتنوں کیوقتیں وہ خدا جو اسلام کو ذلت کی حالیتں دیکھ نہیں سکتا آسمان سے کوئی سلسلہ قائم کرتا۔ اور اس مجروح اور زخمی کے لئے کوئی آسمانی مرہم نازل فرماتا؟ کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ خدا تعالےٰ کے رحم نے تقاضا کیا کہ ایسے ضعف اور ذلت کے وقتیں اسلام کی خبر لے؟ کیا اس سے بڑھکر کسی اور وقت کا انتظار کروگے؟ اور اس چودھویں صدی کو کسی مجدد کے آنے سے بے نصیب قرار دیکر کسی اور نامعلوم صدی کی انتظار میں رہوگے؟ کیا یہ تقویٰ کا طریق ہے کہ باوجودیکہ صدی میں سے چودہ سال بھی گذر گئے اور صلیبی فتنے دائرے کی طرح محیط ہوگئے مگر پھر بھی اعتقاد یہ ہو کہ آنے والا ابتک نہ آیا اور بدقسمت چودھویں صدی کسی معمولی مجدد سے بھی خالی رہی اور اگر آیا تو ایک دجّال آیا؟ کیا یہی امانت ہے کہ ایسے خیالات رکھے جائیں کہ چودھویں صدی تو مجدد سے خالی گئی اور کسوف خسوف رمضان کا مہدی کے ظہور سے خالی گیا۔ اور صلیبی فتنوں کا زمانہ مسیح موعود کے ظہور سے خالی رہا گویا نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تینوں پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں یہ بھی تھا کہ مسیح موعود کے وقتیں اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ یہ ریل کی طرف اشارہ تھا۔ سو ریل کے جاری ہونے پر بھی پچاس سال گذر گئے مگر ہمارے مخالفوں کا فرضی مسیح ابتک نہیں آیا۔ اللہ اکبر۔ یہ لوگ کیسے دل کے سخت ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے یوں انکار کیا اور میری پیشگوئیوں میں سے وہ پیشگوئیاں جو نظری طور پر پوری ہوئیں اُنکی نسبت کہتے ہیں کہ جھوٹی نکلیں۔ اور جو بدیہی طور پر پوری ہوئیں اُن کی نسبت یہہ خیال ہے کہ نجوم یا رمل سے کام لیا گیا۔ اور یا کسی مجرمانہ سازش سے پوری کی گئیں*۔ غرض ہمارے اندرونی مخالفوں نے کسی پہلو سے فائدہ نہ اٹھایا اور وہ سب کام کر دکھائے جو یہودیوں نے کئے تھے۔ وہ اعتراض جو بار بار ہمپر کیا گیا وہ یہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُن کا ذہنی مہدی یا مسیح خونریز ہونیکے طور پر آئے گا مگر یہ شخص لڑائیوں اور خونریزیوں سے منع کرتا ہے۔ اس کا بار بار جواب دیا گیا کہ یہہ خیال سراسر غلط ہے بلکہ **یضع الحرب** کی حدیث سے بکمال وضوح ثابت ہے

* یہ دونوں طریق پیشگوئیوں کے پوری ہونیکے قدیم سے سنت الٰہی ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں کبھی تو نظری طور پر یعنے استعارات کے پیرایہ میں یا کسی اور دقیق التزام سے پوری ہوئیں اور یا بدیہی طور پر پوری ہوئیں۔ منہ

کہ مسیح موعود خونریزی کے رنگ میں ہرگز نہیں آئے گا اور صرف معارف اور حقائق اور نشانوں سے اتمام حجت کریگا اور امن کے ساتھ حق کو پھیلائیگا۔* یہ باتیں ایسی صاف تھیں کہ قرآن اور حدیث پر غور کرنیسے کمال آسانی سے سمجھ آسکتی تھیں۔ مگر پرانے خیالات جو عادات راسخہ ہو گئے تھے غافل دلوں سے نکل نہ سکے۔ یہ تو سچ ہے کہ ہمارا مقصد صرف اسی قدر رہے کہ نرمی اور ملائمت سے لوگوں کے دھوکے دور کریں اور نوع انسان سے خواہ وہ عیسائی ہوں یا ہندو یا یہودی ہمدردی سے پیش آویں اور دلائل عقلیہ اور آیات سماویہ کی روشنی سے اُنکو دکھلاویں کہ وہ اپنے اعتقادات میں غلطی پر ہیں۔ اگر ہمارے اس طریق اور طرز سے ہمارے مخالف مسلمان ناراض ہیں اور کسی سخت گیر خونریز کا انتظار کرتے ہیں تو یہ اُنکی غلطی ہے اور ایسے خیال سے وہ قرآن اور حدیث سے دور جا پڑے ہیں۔ اب یہہ زمانہ ہے کہ ہم ہر ایک قوم کو اپنی **اخلاقی حالت** دکھلاویں اور اُنکے ظلم برداشت کریں اور آپ ظالمانہ حملہ اُنپر نہ کریں۔ اخلاقی حالت بھی ایک ایک معجزہ ہے اور بُردباری سے زندگی بسر کرنا ایک آسمانی نشان ہے۔ اور جب ہم کسی دوسری قوم سے احسان دیکھیں تب تو زیادہ تر فرض ہو جاتا ہے کہ ہم احسان کے عوض میں احسان کریں اور نیکی کی عوض میں نیکی بجالاویں۔ جیسا کہ اب ہم **عیسائی گورنمنٹ** سے بہر طرح امن اور راحت دیکھ رہے ہیں۔ کیا اس کا عوض یہ ہے کہ ہم منافقانہ زندگی اُن سے بسر کریں اور دل میں کچھ **اور زُبان پر کچھ** ہو؟ ہاں جس طرح مادر مہربان یہ چاہتی ہے کہ اُس کا بیٹا کسی ایسی حالت میں گرفتار نہ ہو جس کا خطرناک نتیجہ ہے اسی طرح ہم عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ شفقت اور رحمت سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ دلی آرزو ہے کہ **کوئی محبت اور آرام سے ہماری باتیں سُنے** اور دلائل میں غور کرے اور پھر اپنے نفس کا خیر خواہ ہو کر اپنے عقائد کی اصلاح کرے۔

یہہ تفسیر سورۃ فاتحہ محض اس غرض سے یہاں لکھی گئی ہے کہ یہہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا مغز ہے۔ اور جو شخص قرآن سے اسکے برخلاف کچھ نکالنا چاہتا ہے وہ جھوٹا ہے

* ہمارے علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ مہدی کی ہاشمی یا سید ہونے کے بارہ میں جسقدر حدیثیں ہیں وہ سب مجروح ہیں اور خود جب وقت آجائے اور صاحب وقت نہ آئے تو یہی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ قصہ صحیح نہیں ہے یا اسکے اور معنے ہیں جو منصف کو ماننے پڑتے ہیں جیسا کہ ہم ایک قبر کو کھود کر نہ بہشت کی کھڑکی اسکے پاس دیکھتے ہیں نہ دوزخ کی ناچار ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اس پیشگوئی کے اور معنے ہیں جو عالم ظاہر

اور اس سورہ فاتحہ میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مسلمانوں کو ترغیب دیگئی ہے کہ وہ دعا میں مشغول رہیں۔ بلکہ دعا اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سکھلائی گئی ہے* اور فرض کیا گیا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کریں۔ پھر کس قدر غلطی ہے کہ کوئی شخص دعا کی روحانیت سے انکار کرے۔ قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دعا اپنے اندر ایک روحانیت رکھتی ہے اور دعا سے ایک فیض نازل ہوتا ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں کامیابی کا ثمرہ بخشتا ہے۔

ہماری تقریر مذکورہ بالا سے ہر ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ جسطرح باوجود تسلیم مسئلہ قضا و قدر کے صدہا امور میں یہی سنت اللہ ہے کہ جدّ وجہد سے ثمرہ مترتب ہوتا ہے اسیطرح دعا میں بھی جو جدّ وجہد کیجائے وہ بھی ہرگز ضایع نہیں جاتی۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا سُنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔ پھر جبکہ خدا تعالےٰ نے دعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کسطرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے۔ اور محض ایک رسمی امر ہے جسمیں کچھ بھی روحانیت نہیں؟ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے کہ جسطرح زمین و آسمان کی صفت پر غور کرنیسے سچّا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔ پھر اگر دعا میں کوئی روحانیت نہیں اور حقیقی اور واقعی طور پر دعا پر کوئی نمایاں فیض نازل نہیں ہوتا تو کیونکر دعا خدا تعالیٰ کی شناخت کا ایسا ذریعہ ہو سکتی ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام ذریعہ ہیں؟ بلکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اعلیٰ ذریعہ خدا شناسی کا دعا ہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کاملہ کی معرفت تامہ یقینیہ کاملہ صرف دعا سے ہی حاصل ہوتی ہے اور کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ امر جو ایک بجلی کی چمک کیطرح یکدفعہ انسان کو تاریکی کے گڑھے سے کھینچکر روشنی کی کھلی فضا میں لاتا اور خدا تعالےٰ

* یہ دعا نوع انسان کی عام ہمدردی کے لئے ہے کیونکہ دعا کرنے میں تمام نوع انسان کو شامل کر دیا ہے اور سب کے لئے دعا مانگی ہے کہ خدا دنیا کے دکھوں سے انھیں بچاوے اور آخرت کے ٹوٹے سے محفوظ رکھے اور سب کو سیدھی راہ پر لاوے۔ منہ

کے سامنے پیدا کر دیتا ہے وہ دعا ہی ہے۔ دعا کے ذریعہ سے ہزاروں بدمعاش صلاحیت پر آجاتے ہیں۔ ہزاروں بگڑے ہوئے درست ہو جاتے ہیں۔ ہاں دعا کی راہ میں دو بڑے مشکل امر ہیں جنکی وجہ سے اکثر دلوں سے عظمت دعا کی پوشیدہ رہتی ہے (۱) اول تو شرط تقویٰ اور راستبازی اور خدا ترسی ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے **اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ** یعنے اللہ تعالیٰ پرہیزگار لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے **وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ**۔ یعنے جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنے کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں۔ میرا وجود نہایت اقرب طریق سے سمجھ آسکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنیوالا مجھے پکارے تو میں اسکی سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اسکی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ میرا قادر ہونا بھی بپایہ یقین پہونچتا ہے۔ لیکن چاہیے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خدا ترسی کی پیدا کریں کہ میں انکی آواز سنوں۔ اور نیز چاہیے کہ وہ مجھپر ایمان لاویں اور قبل اسکے جو انکو معرفت تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسکو عرفان دیا جاتا ہے۔

ایمان کی تعریف

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا کہ جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہونچا اور شکوک و شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنے باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اسبات کو **اغلب احتمال** کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اسکو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اسکو پلایا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک مرد متقی رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سنکر ہر ایک پہلو پر ابتداء امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ وہ حصہ جو کسی مامور من اللہ کے منجانب اللہ

ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آجاتا ہے اُسکو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرا لیتا ہے۔ اور وہ حصہ جو سمجھ نہیں آتا اُس میں سنت صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح تناقض کو درمیان سے اُٹھا کر صفائی اور اخلاص کیساتھ ایمان لے آتا ہے۔ تب خدا تعالےٰ اُسکی حالت پر رحم کر کے اور اُسکے ایمان پر راضی ہو کر اور اُسکی دُعاؤں کو سُنکر معرفت تامہ کا دروازہ اُسپر کھولتا ہے اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقین کامل تک اُسکو پہونچاتا ہے۔ لیکن متعصب آدمی جو عناد سے پُر ہوتا ہے ایسا نہیں کرتا۔ اور وہ اُن امور کو جو حق کے پہچاننے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتا ہے اور ٹھٹھے اور ہنسی میں اُنکو اُڑا دیتا ہے اور وہ امور جو ہنوز اُسپر مشتبہ ہیں اُنکو اعتراض کرنیکی دستاویز بناتا ہے اور ظالم طبع لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر ایک نبی کی نسبت جو پہلے نبیوں نے پیشگوئیاں کیں اُنکے ہمیشہ دو حصے ہوتے رہے ہیں ایک **بینات** اور **محکمات** جنمیں کوئی استعارہ نہ تھا اور کسی تاویل کی محتاج نہ تھیں۔ اور ایک **متشابہات** جو محتاج تاویل تھیں اور بعض استعارات اور مجازات کے پردہ میں محجوب تھیں۔ پھر اُن نبیوں کے ظہور اور بعثت کیوقت جو اُن پیشگوئیوں کے مصداق تھے دو فریق ہوتے رہے ہیں ایک فریق سعیدوں کا جنھوں نے بینات کو دیکھ کر ایمان لانے عہ میں تاخیر نہ کی اور جو حصہ متشابہات کا تھا اُسکو استعارات اور مجازات کے رنگ میں سمجھ لیا یا آیندہ کے منتظر رہے اور اسطرح حق کو پا لیا اور ٹھوکر نہ کھائی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقتمیں بھی ایسا ہی ہوا۔ پہلی کتابوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت دو طور کی پیشگوئیاں تھیں ایک یہ کہ وہ مسکینوں اور عاجزوں کے پیرایہ میں ظاہر ہوگا اور غیر سلطنت کے زمانہ میں آئیگا اور داؤد کی نسل سے ہوگا اور حلم اور نرمی سے کام لیگا اور نشان دکھلائیگا۔ اور دوسری قسم کی یہ پیشگوئیاں تھیں کہ وہ بادشاہ ہوگا اور بادشاہوں کی طرح لڑیگا اور یہودیوں کو غیر سلطنت کی ما تحتی سے چھوڑا دیگا۔ اور اُس سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیگا۔ اور جب تک ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں نہ آوے

عہ پیشگوئیوں میں یہ ضروری نہیں تھا کہ تمام باتیں اُنکی ایک ہی وقت میں پوری ہو جائیں بلکہ تدریجاً پوری ہوتی رہتی ہیں اور ممکن ہے کہ بعض باتیں ایسی بھی ہوں کہ اُس مامور کی زندگی میں پوری نہ ہوں اور کسی دوسرے کے ہاتھ سے جو اُسکے تبعین میں سے ہو پوری ہو جائیں۔ منہ

وہ نہیں آئے گا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ظہور فرمایا تو یہود دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق جو بہت ہی کم اور قلیل التعداد تھا اُسنے حضرت مسیح کو داؤد کی نسل سے پاکر اور پھر اُنکی مسکینی اور عاجزی اور راستبازی دیکھکر اور پھر آسمانی نشانوں کو ملاحظہ کر کے اور نیز زمانہ کی حالت موجودہ کو دیکھکر کہ وہ ایک نبی مصلح کو چاہتی ہے اور پہلی پیشگوئیوں کے قرار داد وقتوں کا مقابلہ کر کے یقین کر لیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کا اسرائیل کی قوم کو وعدہ دیا گیا تھا۔ سو وہ حضرت مسیح پر ایمان لائے اور اُنکے ساتھ ہو کر طرح طرح کے دُکھ اُٹھائے اور خدا تعالےٰ کے نزدیک اپنا صدق ظاہر کیا۔ لیکن جو بدبختوں کا گروہ تھا اُسنے کھلی کھلی علامتوں اور نشانوں کی طرف ذرہ التفات نہ کیا یہانتک کہ زمانہ کی حالت پر بھی ایک نظر نہ ڈالی اور شریرانہ حجت بازی کے ارادے سے دوسرے حصے کو جو متشابہات کا حصہ تھا اپنے ہاتھ میں لیلیا اور نہایت گستاخی سے اُس مقدس کو گالیاں دینی شروع کیں اور اُس کا نام ملحد اور بیدین اور کافر رکھا اور یہ کہا کہ یہ شخص پاک نوشتوں کے اُلٹے معنے کرتا ہے اور اُسنے ناحق ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی تاویل کی ہے اور نص صریح کو اُسکے ظاہر سے پھیرا ہے اور ہمارے علماء کو مکّار اور ریاکار کہتا ہے اور کتب مقدسہ کے اُلٹے معنے کرتا ہے۔ اور نہایت شرارت سے اس بات پر زور دیا کہ نبیونکی پیشگوئیوں کا ایک حرف بھی اُسپر صادق نہیں آتا وہ نہ بادشاہ ہو کر آیا اور نہ غیر قوموں سے لڑا اور نہ ہمکو اُنکے ہاتھ سے چھڑایا اور نہ اُس سے پہلے ایلیا نبی نازل ہوا پھر وہ مسیح موعود کیونکر ہو گیا۔ غرض ان بدقسمت شریروں نے سچائی کے انوار اور علامات پر نظر ڈالنا نہ چاہا اور جو حصہ متشابہات کا پیشگوئیوں میں تھا اُسکو ظاہر پر حمل کر کے بار بار پیش کیا۔ یہی ابتلا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتمیں اکثر یہودیوں کو پیش آیا۔ انھوں نے بھی اپنے اسلاف کی عادت کیموافق نبیونکی پیشگوئیوں کے اُس حصے سے فائدہ اٹھانا نہ چاہا جو بینات کا حصہ تھا۔ اور متشابہات جو استعارات تھے اپنی آنکھ کے سامنے رکھکر یا تحریف شدہ پیشگوئیوں پر زور دیکر اُس نبی کریم کی دولت اطاعت سے جو سید الکونین ہے محروم رہ گئے اور اکثر عیسائیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انجیل کی کھلی کھلی پیشگوئیاں جسقدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقمیں تھیں انکو تو ہاتھ تک نہ لگایا اور جو سنت اللہ کیموافق پیشگوئیوں کا دوسرا حصہ

یعنے استعارات اور مجازات تھے اُنپر گر پڑے اسلئے حقیقت کی طرف راہ نہ پا سکے لیکن اُنہیں سے وہ لوگ جو حق کے طالب تھے اور جو پیشگوئی کی تحریر میں طرز عادت الٰہی ہے اُس سے واقف تھے اُنھوں نے انجیل کی اُن پیشگوئیوں سے جو آنے والے بزرگ نبی کے بارہ میں تھیں فائدہ اٹھایا اور مشرف باسلام ہوئے - اور جس طرح یہود میں سے اُس گروہ نے جو حضرت عیسےٰ پر ایمان لائے تھے پیشگوئیوں کے بیّنات سے دلیل پکڑی تھی اور متشابہات کو چھوڑ دیا تھا ایسا ہی ان بزرگ عیسائیوں نے بھی کیا اور ہزارہا نیک بخت انسان اُنہیں سے اسلام میں داخل ہوئے - غرض ان دونوں قوموں یہود اور نصاریٰ میں سے جس گروہ نے متشابہات پر جھککر انکار پر زور دیا اور بیّنات پیشگوئیوں سے جو ظہور میں آئیں فائدہ نہ اُٹھایا اُن دونوں گروہ کا قرآن شریف میں جابجا ذکر ہے اور یہ ذکر اس لئے کیا گیا ہے تا اُنکی بدبختی کے ملاحظہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل ہو اور اس بات سے متنبہ رہیں کہ یہود و نصاریٰ کی مانند بیّنات کو چھوڑ کر اور متشابہات میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائیں - اور ایسی پیشگوئیوں کے بارہ میں جو ماموریں من اللہ کیلئے پہلے سے بیان کیجاتی ہیں اُمید نہ رکھیں کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کے رو سے ظاہری طور پر ہی پوری ہوں گی بلکہ اس بات کے ماننے کیلئے طیار رہیں کہ قدیم سنت اللہ کیموافق بعض حصے ایسی پیشگوئیوں کے استعارات اور مجازات کے رنگ میں بھی ہوتے ہیں اور اُسی رنگ میں وہ پوری بھی ہو جاتی ہیں - مگر غافل اور سطحی خیال کے انسان ہنوز انتظار میں لگے رہتے ہیں کہ گویا ابھی وہ باتیں پوری نہیں ہوئیں بلکہ آئندہ ہونگی - جیسا کہ ابھی تک یہود اسی بات کو روتے ہیں کہ ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیگا اور پھر اُن کا مسیح موعود بڑے بادشاہ کیطرح ظاہر ہوگا اور یہودیونکو امارت اور حکومت بخشیگا - حالانکہ یہ سب باتیں پوری ہو چکیں اور اسپر اُنیس سو برس کے قریب گذر گیا اور آنے والا آ بھی گیا - اور اس دنیا سے اٹھایا بھی گیا -

یہ بات نہایت کارآمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ سے مامور ہو کر آتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدث اور مجدد اُنکی نسبت جو پہلی کتابوں میں یا رسولوں کی معرفت پیشگوئیاں کیجاتی ہیں اُنکے دو حصے ہوتے ہیں - ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور بیّنات کا حکم رکھتی ہیں - اور ایک وہ متشابہات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں پس جنکے دلوں میں زیغ اور کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بیّنات اور محکمات

سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہود اور عیسائیوں کو یہ ابتلا پیش آ چکے ہیں۔ پس مسلمانوں کے اولوالابصار کو چاہیئے
کہ اُن سے عبرت پکڑیں اور صرف متشابہات پر نظر رکھکر تکذیب میں جلدی نہ کریں اور جو باتیں خدا
تعالےٰ کی طرف سے کُھل جائیں اُنسے اپنی ہدایت کیلئے فائدہ اٹھاویں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ **شک یقین کو رفع
نہیں کر سکتا**۔ پس پیشگوئیوں کا وہ حصہ جو ظاہری طور پر ابھی پورا نہیں ہوا وہ ایک امر شکی ہے۔ کیونکہ
ممکن ہے کہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی طرح وہ حصہ استعارہ یا مجاز کے رنگ میں پورا ہو گیا ہو مگر انتظار کرنیوالا اس غلطی
میں پڑا ہو کہ وہ ظاہری طور پر کسی دن پورا ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض احادیث کے الفاظ محفوظ نہ رہے
ہوں کیونکہ احادیث کے الفاظ وحی متلو کی طرح نہیں اور اکثر احادیث احاد کا مجموعہ ہیں۔ اعتقادی امر تو الگ بات
ہے جو چاہو اعتقاد کرو مگر واقعی اور حقیقی فیصلہ یہی ہے کہ احاد میں عند العقل امکان تغیر الفاظ ہے۔ چنانچہ ایک ہی
حدیث جو مختلف طریقوں اور مختلف راویوں سے پہونچتی ہے اکثر اُنکے الفاظ اور ترتیب میں بہت سا فرق ہوتا ہے
حالانکہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی موہنہ سے نکلی ہے۔ پس صاف سمجھ آتا ہے کہ چونکہ اکثر راویوں کے الفاظ اور
طرز بیان جدا جدا ہوتے ہیں اسلئے اختلاف پڑ جاتا ہے۔ اور نیز پیشگوئیوں کے متشابہات کے حصہ میں یہ بھی ممکن ہو
کہ بعض واقعات پیشگوئیوں کی جنکا ایک ہی دفعہ ظاہر ہونا امید رکھا گیا ہے وہ تدریجاً ظاہر ہوں یا کسی اور شخص کے واسطہ
سے ظاہر ہوں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے
ہاتھ پر رکھی گئیں ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے
تھے اور آنجناب نے نہ قیصر اور کسرےٰ کے خزانہ کو دیکھا اور نہ کنجیاں دیکھیں۔ مگر چونکہ مقدر تھا کہ وہ کنجیاں
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی تھا
اسلئے عالم وحی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ خلاصہ کلام
یہ ہے کہ دھوکہ کھانے والے اسی مقام پر دھوکہ کھاتے ہیں وہ اپنی بدقسمتی سے پیشگوئی کے ہر ایک حصہ کی نسبت
یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ظاہری طور پر ضرور پورا ہوگا اور پھر جب وقت آتا ہے اور کوئی مامور من اللہ پیدا ہوتا
ہے تو جو جو علامتیں اُسکے صدق کی نسبت ظاہر ہو جائیں اُنکی کچھ پرواہ نہیں رکھتے اور جو علامتیں ظاہری
صورت میں پوری نہ ہوں یا ابھی اُن کا وقت نہ آیا ہو اُنکو بار بار پیش کرتے ہیں۔ ہلاک شدہ اُمتیں جنھوں نے

سچے نبیوں کو نہیں مانا انکی ہلاکت کا اصل موجب یہی تھا اپنے زعم میں تو وہ لوگ اپنے تئیں بڑے ہوشیار جانتے رہے ہیں مگر اُنکے اس طریق نے حق کے قبول سے اُنکو بے نصیب رکھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ پیشگوئیوں کی نافہمی کے بارہ میں جو کچھ پہلے زمانہ میں یہود اور نصاریٰ سے وقوع میں آیا اور انھوں نے سچوں کو قبول نہ کیا۔ ایسا ہی میری قوم مسلمانوں نے میرے ساتھ معاملہ کیا۔ یہ تو ضروری تھا کہ قدیم سنت اللہ کے موافق وہ پیشگوئیاں جو مسیح موعود کے بارے میں کی گئیں وہ بھی دو حصوں پر مشتمل ہوتیں ایک حصہ بینات کا جو اپنی ظاہر صورت پر واقع ہونے والا تھا اور ایک حصہ متشابہات کا جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں تھا۔ لیکن افسوس کہ اس قوم نے بھی پہلے خطا کار لوگوں کے قدم پر قدم مارا اور متشابہات پر اَڑ کر اُن بینات کو رد کر دیا جو نہایت صفائی سے پوری ہو گئی تھیں۔ حالانکہ شرط تقویٰ یہ تھی کہ پہلی قوموں کی ابتلاؤں کو یاد کرتے متشابہات پر زور نہ مارتے اور بینات سے یعنے اُن باتوں اور اُن علامتوں سے جو روز روشن کی طرح کھل گئی تھیں فائدہ اٹھاتے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی وہ پیشگوئیاں پیش کیجاتی ہیں جنکے اکثر حصے نہایت صفائی سے پورے ہو چکے ہیں تو نہایت لاپرواہی سے اُن سے مونہہ پھیر لیتے ہیں اور پیشگوئیوں کی بعض باتیں جو استعارات کے رنگ میں تھیں پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حصہ پیشگوئیوں کا کیوں ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا۔ اور باایں ہمہ جب پہلے مکذبوں کا ذکر آوے جنھوں نے بعینہٖ اُن ہی لوگوں کی طرح واقع شدہ علامتوں پر نظر نہ کی اور متشابہات کا حصہ جو پیشگوئیوں میں تھا اور استعارات کے رنگ میں تھا اُسکو دیکھکر کہ وہ ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا حق کو قبول نہ کیا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم انکے زمانہ میں ہوتے تو ایسا نہ کرتے حالانکہ اب یہ لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں جیسا کہ اُن پہلے مکذبوں نے کیا۔ جن ثابت شدہ علامتوں اور نشانوں سے قبول کرنے کی روشنی پیدا ہو سکتی ہے اُنکو قبول نہیں کرتے اور جو استعارات اور مجازات اور متشابہات ہیں اُنکو ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں پوری نہیں ہوئیں حالانکہ سنت اللہ کی تعلیم طریق کے موافق ضرور تھا کہ وہ باتیں اس طرح پوری نہ ہوتیں جسطرح اُن کا خیال ہے یعنے ظاہری اور جسمانی صورت پر۔ بیشک ایک حصہ ظاہری طور پر اور ایک حصہ مخفی طور پر پورا ہو گیا۔ لیکن اس زمانہ کے متعصب لوگوں کے

دنوں نے نہیں چاہا کہ قبول کریں۔ وہ تو ہر ایک ثبوت کو دیکھکر مونہہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ خدا کے نشانوں کو انسان کی مکاری خیال کرتے ہیں۔ جب خدائے قدوس کے پاک الہاموں کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان کا افترا ہے مگر اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ کیا کبھی خدا پر افترا کرنے والے کو مفتریات کے پھیلانے کیلئے وہ مہلت ملی جو سچے ملہموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی؟ کیا خدا نے نہیں کہا کہ الہام کا افترا کے طور پر دعویٰ کرنے والے ہلاک کئے جائیں گے اور خدا پر جھوٹ باندھنے والے پکڑے جائینگے؟ یہ تو توریت میں بھی ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا۔ اور انجیل میں بھی ہے کہ جھوٹا جلد فنا ہو گا اور اُسکی جماعت متفرق ہو جائیگی۔ کیا کوئی ایک نظیر بھی ہے کہ جھوٹے ملہم نے جو خدا پر افترا کرنیوالا تھا ایام افترا میں وہ عمر پائی جو اس عاجز کو ایام دعوت الہام الہٰی میں ملی؟ بھلا اگر کوئی نظیر ہے تو پیش تو کرو۔ میں نہایت پُر زور دعوے سے کہتا ہوں کہ دنیا کی ابتداء سے آجتک ایک نظیر بھی نہیں ملے گی۔ پس کیا **کوئی ایسا ہے** کہ اس محکم اور قطعی دلیل سے فائدہ اٹھاوے اور خدا تعالیٰ سے ڈرے؟ میں نہیں کہتا کہ بت پرست عمر نہیں پاتے یا دہریہ اور اناالحق کہنے والے جلد پکڑے جاتے ہیں کیونکہ ان غلطیوں اور ان ضلالتوں کی سزا دینے کیلئے دوسرا عالم ہے لیکن میں یہہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا تعالیٰ پر الہام کا افترا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الہام مجھکو ہوا حالانکہ جانتا ہے کہ وہ الہام اُسکو نہیں ہوا وہ جلد پکڑا جاتا ہے اور اُسکی عمر کے دن بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ قرآن اور انجیل اور توریت نے یہی گواہی دی ہے۔ عقل بھی یہی گواہی دیتی ہے اور اس کے مخالف کوئی منکر کسی تاریخ کے حوالہ سے ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا اور نہیں دکھلا سکتا کہ کوئی جھوٹا الہام کا دعویٰ کرنے والا پچیس[۲۵] برس تک یا اٹھارہ[۱۸] برس تک جھوٹے الہام دنیا میں پھیلاتا رہا اور جھوٹے طور پر خدا کا مقرب اور خدا کا مامور اور خدا کا فرستادہ اپنا نام رکھا اور اُسکی تائید میں سالہائے دراز تک اپنی طرف سے الہامات تراش کر مشہور کرتا رہا اور پھر وہ باوجود ان مجرمانہ حرکات کے پکڑا نہ گیا۔ کیا امید کیجاتی ہے کہ کوئی ہمارا مخالف اس سوال کا جواب دیسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُنکے دل جانتے ہیں کہ وہ اِن سوالات کے جواب دینے سے عاجز ہیں مگر پھر بھی انکار سے باز نہیں آتے بلکہ بہت سے دلائل سے اُنپر حجت وارد ہو گئی مگر وہ خواب غفلت میں سو رہے ہیں۔

اہل حق کے نزدیک اس امر میں اتمام حجت اور کامل تسلی کا ذریعہ چار طریق ہیں (۱) اوّل نصوص صریحہ کتاب اللہ یا احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ جو آنے والے شخص کی ٹھیک ٹھیک علامات بتلاتی ہوں اور بیان کرتی ہوں کہ وہ کس وقت ظاہر ہوگا اور اُسکے ظاہر ہونے کے نشان کیا ہیں۔ اور نیز حضرت عیسیٰ کی وفات یا عدم وفات کا جھگڑا فیصلہ کرتی ہوں (۲) دوم وہ دلائل عقلیہ اور شاہدات حسیہ جو علوم قطعیہ پر مبنی ہوں جنسے گریز کی کوئی راہ نہیں (۳) وہ تائیدات سماویہ جو نشانوں اور کرامات کے رنگ میں مدعی صادق کے لئے اُسکی دُعا اور کرامت سے ظہور میں آئی ہوں۔ تا اُسکی سچائی پر نشان آسمانی کی زندہ گواہی کی مُہر ہو۔ (۴) چہارم اُن ابرار اور اخیار کی شہادتیں جنھوں نے خدا سے الہام پاکر ایسے وقت میں گواہی دی ہو کہ جبکہ مدّعی کا نشان نہ تھا کیونکہ وہ گواہی بھی ایک غیب کی خبر ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا نشان ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ یہ چاروں طریق اتمام حجت اور کامل تسلی کے اس جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے اندرونی مخالفوں کو اسکی کچھ بھی پرواہ نہیں۔ ہم ذیل میں ان چاروں اتمام حجت کے طریقوں کو لکھتے ہیں اور حق کے طالبوں کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ان مخالفوں سے پوچھیں کہ ان دلائل بیّنہ سے کیوں روگردانی کرتے ہیں۔ کیا ضرور نہ تھا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھاتے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو امر وقوع میں آجائے وہ یقینی ہے اور جو وقوع میں نہیں آیا وہ ہنوز ظنی ہے اور معلوم نہیں کہ کس پہلو سے وقوع میں آوے آیا ظاہری طور پر یا مجازات کے رنگ میں۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں دونوں احتمال ہوتے ہیں لیکن جو حصہ وقوع میں آکر یقینی مرتبہ تک پہنچ گیا ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ جو امور اُسکے نقیض واقع ہوں وہ استعارات کے رنگ میں ظاہر ہوں۔ تا خدا کی پیشگوئیوں میں تناقض لازم نہ آوے۔ اور وہ دلائل یہ ہیں۔

(۱) حق کے طالبوں کے لئے سب سے پہلے میں یہ امر پیش کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن شریف سے ثابت ہے اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ آیت فلمّا توفیتنی نے صاف اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ عیسائی عقیدہ میں جسقدر بگاڑ اور فساد ہوا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ کو زندہ مان لیں اور کہیں کہ اب تک وہ فوت نہیں ہوئے تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا

پڑتا ہے کہ نصاریٰ نے بھی ابتک اپنے عقائد کو نہیں بگاڑا۔ کیونکہ آیت موصوفہ میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ
نصاریٰ کے عقیدوں کا بگڑنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوگا۔ رہی یہ بات کہ توفّی کے اسجگہ
کیا معنے ہیں؟ اسکا فیصلہ نہایت صفائی سے صحیح بخاری میں ہوگیا ہے کہ توفّی مارنے کو کہتے ہیں۔ یہ قول
ابن عباس ہے جسکو حدیث کما قال العبد الصالح کے ساتھ بخاری میں اور بھی تقویت دیگئی ہے
اور شارح عینی نے اس قول کا اسناد بیان کیا ہے۔ اب ایک تسلی ڈھونڈنے والا سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف
اور اس کتاب میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے صاف گواہی دی گئی ہے کہ حضرت عیسےٰ فوت ہوگئے
اور اس شہادۃ میں صرف امام بخاری رضی اللہ عنہ منفرد نہیں بلکہ امام ابن حزم اور امام مالک رضی اللہ عنہما بھی
موت عیسےٰ علیہ السلام کے قائل ہیں۔ اور ان کا قائل ہونا گویا امت کے تمام اکابر کا قائل ہونا ہے کیونکہ اس
زمانہ کے اکابر علماء سے مخالفت منقول نہیں اور اگر مخالفت کرتے تو البتہ کسی کتاب میں اس کا ذکر ہوتا۔

اس جگہ یاد رہے کہ ہمارے دعویٰ کی بنیاد حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ہے۔ اب دیکھو
یہ بنیاد کسقدر مضبوط اور محکم ہے جسکی صحت پر قرآن شریف[1] گواہی دے رہا ہے۔ حدیث[2] رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم گواہی دے رہی ہے۔ قول[3] ابن عباس رضی اللہ عنہ گواہی دے رہا ہے۔ اور ائمہ[4] اسلام گواہی
دے رہے ہیں۔ اور ان سب کے بعد عقل[5] بھی گواہی دیتی ہے اور ایلیا نبی[6] کے دوبارہ آنے کا قصہ بھی
گواہی دے رہا ہے جسکی تاویل خود حضرت مسیح کے مونہہ سے یہہ ثابت ہوئی کہ ایلیا سے مراد یوحنا یعنے یحییٰ ہے
اور اس تاویل نے یہود کے اس اجماعی عقیدہ کو خاک میں ملا دیا کہ درحقیقت ایلیا نبی جو دنیا سے گذر گیا تھا
پھر دنیا میں آئے گا۔ حق کے طالب اس مقام میں خوب سوچیں کہ نصوص قرآنیہ سے نصوص حدیثیہ سے
پہلی کتابوں کی شہادۃ سے ائمہ کی گواہی سے دلائل عقلیہ سے یہی مذہب سچا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں اور اب انکے دوبارہ آنے کی امید اسی قسم کی امید ہے جس امید کے سہارے
پر یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کیا۔ ہم ثالثوں کے آگے یہ مقدمہ پیش کرتے
ہیں وہ جواب دیں کہ اب اس فیصلہ میں کونسی کسر باقی رہگئی ہے تمام قرآن یہہ گواہی دے رہا ہے کہ
توفّی کے یہہ معنے ہیں کہ خدا تعالےٰ کسی انسان کی روح کو اپنے قبضہ میں لے نہ یہ کہ جسم کو اپنے قبضہ میں

لے لے - ہاں روح کا اپنے قبضہ میں لے لینا دو طور سے ہو سکتا ہے ایک یہہ کہ خواب کی حالت میں روح کو
اپنے قبضہ میں لے اور پھر اُسکو بدن میں واپس بھیجدے - اور یا یہ کہ موت کی حالت میں روح کو اپنے
قبضہ میں لے اور پھر اُسکو بدن میں واپس نہ بھیجے - یہی دو صورتیں ہیں جو قرآن شریف میں بیان فرمائی گئی
ہیں مگر جسم کو قبضہ میں لینا کہیں بیان نہیں فرمایا گیا اور نہ کسی لُغت والے نے لکھا کہ توفی کے یہہ معنے ہیں کہ
خدا تعالے کسی جسم کو اپنے قبضہ میں لے بلکہ بالاتفاق تمام اہل لغت یہی کہتے ہیں کہ جب یہہ مثلاً
کہا جائے کہ تَوَفَّی اللّٰہُ زَیْدًا تو اسکے یہی معنے ہونگے کہ خدا تعالے نے زید کی روح کو قبض کر لیا - ہاں
محاورہ قرآنی میں یہہ دونوں باتیں آگئی ہیں کہ خواہ اللہ تعالیٰ کسی کے جسم کو نیند کی حالت میں اُس کے بستر
پر چھوڑ کر روح کو قبض کرلے اور پھر واپس جسم میں لادے اور خواہ موت کی حالت میں ہمیشہ کے لئے قبض کرے
اور حشر تک واپس نہ لاوے - مگر قبض کا فعل ہمیشہ روح سے تعلق رکھے گا نہ کہ جسم سے - ہمارے مخالف علماء
یہ بھی غلطی کرتے ہیں کہ توفّی کے معنے نیند بھی لیتے ہیں - خدا اُنکی حالت پر رحم کرے - اُنکو سمجھنا چاہیے کہ توفّی
نیند کو ہرگز نہیں کہتے اور کبھی یہ لفظ نیند پر اطلاق نہیں کیا گیا - اور نہ قرآن میں نہ کسی لُغت کی کتاب میں
نہ حدیث کی کتابوں میں نیند کے معنے لئے گئے بلکہ توفّی کے دو ہی معنے ہیں جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا - یعنے اوّل
یہ کہ ہمیشہ کے لئے روح کو قبض کرنا اور یہہ معنے موت سے متعلق ہیں - اور دوسرے یہہ معنے کہ تھوڑی عرصہ
کے لئے روح کو قبض کرنا اور پھر بدن کی طرف واپس بھیجدینا - اور یہ قبض روح کی صورت نیند کی حالت سے
تعلق رکھتی ہے - اور یہ قبض روح کی صورت اسوقت کسی پر صادق آئیگی جب خدا تعالے کسی شخص کی
نیند کی حالت میں اُسکی روح کو قبض کرے جیسا کہ ہر روز رات کو اسی طرح ہماری روح قبض کیجاتی ہے -
ہمارا جسم کسی چارپائی یا چٹائی پر پڑا ہوا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہماری روح کو تمام رات یا جسوقت تک چاہے
اپنے قبضہ میں کرلیتا ہے - تب روح کے افعال میں ہماری خود اختیاری معطل پڑ جاتی ہے - پھر رات گذرنے
کے بعد یا جسوقت خدا تعالے چاہے ہماری روح پھر ہمارے بدن کی طرف پھیری جاتی ہے گویا ہم رات کو
مرتے اور دن کو زندہ کئے جاتے ہیں - پس نیند کی حالت میں جو قبض روح ہوتا ہے اُسکی یہی مثال ہے
جو ہم تمام لوگوں کا چشم دید ماجرا ہے مگر ہم اور ہمارے تمام مخالف جانتے ہیں کہ جب رات کو ہماری روح قبض کیجاتی ہے

تب اگرچہ خدا تعالیٰ جہاں چاہتا ہے ہماری روح کو لیجاتا ہے مگر ہمارا جسم اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی حرکت نہیں کرتا۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیند کی حالت میں ہمارا جسم آسمان پر چلا جاتا ہے یا اپنی قرارگاہ سے کچھہ حرکت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض یہہ فیصلہ نہایت صفائی سے ہوگیا ہے کہ توفی کے معنے روح کا قبض کرنا ہے۔ خواہ نیند کے عالم کی طرح تھوڑی مدت تک ہو یا موت کے عالم کی طرح حشر تک۔ اسجگہ یاد رہے کہ مینے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفی کے معنے ایک جگہ پورا دینے کے کئے ہیں جسکو بعض مولویصاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یہہ امر جائے اعتراض نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے الہامی غلطی نہیں۔ میں بشر ہوں اور بشریت کے عوارض مثلاً جیسا کہ سہو اور نسیان اور غلطی یہہ تمام انسانوں کی طرح مجھہ میں بھی ہیں۔ گو میں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالےٰ قائم نہیں رکھتا۔ مگر یہہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتا۔ خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ سہو و نسیان لازمہ بشریت ہے۔ میں نے براہین احمدیہ میں یہہ بھی اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر واپس آئینگے۔ مگر یہہ بھی میری غلطی تھی جو اُس الہام کے مخالف تھی جو براہین احمدیہ میں ہی لکھا گیا۔ کیونکہ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسےٰ رکھا اور مجھے اُس قرآنی پیشگوئی کا مصداق ٹھہرایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے خاص تھی*۔ اور آنے والے مسیح موعود کے تمام صفات مجھہ میں قائم کئے۔ سو خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت تھی جو میں باوجود اُن الہامی تصریحات کے اُن الہامات کے منشاء پر اطلاع نہ پا سکا اور ایسے عقیدہ کو جو اُن الہامات کے مخالف تھا براہین احمدیہ میں لکھدیا۔ اس تحریر سے میری بریت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ الہامات براہین احمدیہ کے میری بناوٹ ہوتے جنمیں واقعی طور پر مجھے مسیح موعود قرار دیا گیا تھا تو میں اپنے بیان میں اُن الہامات سے اختلاف نکرتا بلکہ اُسیوقت مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کر دیتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میرا اپنا عقیدہ جو مینے براہین احمدیہ میں لکھا اُن الہامات کی منشاء سے جو براہین احمدیہ میں درج ہیں صریح نقیض پڑا ہوا ہے جس سے ایک عقلمند سمجھہ سکتا ہے کہ وہ الہامات میری بناوٹ اور منصوبہ سے مبرا اور منزہ ہیں۔ اسجگہ یہہ بھی یاد رہے کہ یہہ انسان کا کام نہیں کہ بارہ

* وہ یہہ آیت ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ منہ

برس پہلے ایک دعویسے الہامی عبارت لکھکر اُس دعویکی تمہید قائم کرے اور پھر سالہا سال کے بعد ایسا دعوی کرے جسکی بنیاد ایک مدت دراز پہلے قائم کیگئی ہے ایسا باریک مکر نہ انسان کرسکتا ہے نہ خدا اُسکو ایسے افتراؤں میں اس قدر مہلت دیسکتا ہے۔

اس تمام تقریر سے ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات حیات کی بحث میں حق میری طرف ہو۔ پھر اس ثبوت کیساتھ اور بہت سے دلائل ہیں کہ اس مسئلہ موت مسیح کو حق الیقین تک پہونچاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایکسو بیس برس کی عمر پائی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کو اس استدلال کی غرض سے عام صحابہ کے مجمع میں پڑھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام نبی فوت ہوچکے ہیں۔ ✤ اور اللہ جل شانہ کا قرآن شریف میں فرمانا فیہا تحیون وفیہا تموتون جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کرہ زمین کے سوا دوسری جگہ نہ زندگی بسر کرسکتا ہو اور نہ مر سکتا ہے۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نام مسیح یعنے نبی سیاح ہونا بھی انکی موت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ سیاحت زمین تقاضا کرتی ہے کہ وہ صلیب سے نجات پاکر زمین پر ہی رہے ہوں ورنہ بجز اُس زمانہ کے جو صلیب سے نجات پاکر ملکوں کا سیر کیا ہو اور کوئی زمانہ سیاحت ثابت نہیں ہوسکتا۔ صلیب کے زمانہ تک نبوت کا زمانہ صرف ساڑھے تین برس تھے۔ یہ زمانہ تبلیغ کیلئے بھی تھوڑا تھا چہ جائیکہ اسمیں تمام ملک کی سیاحت کرتے۔ ایساہی مرہم عیسےٰ جو قریباً طب کی ہزار کتاب میں لکھی ہے ثابت کرتی ہے کہ صلیب کے واقعہ کیوقت حضرت عیسےٰ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ اپنے زخموں کا اس مرہم کیساتھ علاج کراتے رہے۔ اس کا نتیجہ بھی یہی نکلا کہ زمین پر ہی رہے اور زمین پر ہی فوت ہوئے۔ معراج کی رات میں بھی انکی روح وفات شدہ ارواح میں پائی گئی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہہ بھی فرمایا کہ اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے۔ اب اسقدر دلائل موت کے بعد کوئی خداترس انکے زندہ ہونے کا عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔

✤ اس استدلال کو سُنکر تمام صحابہ خاموش رہے اور کسی نے مخالفت ظاہر نکی اور یہ نکہا کہ تمام انبیاء فوت نہیں ہوئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں لہذا اس سے حضرت عیسیٰ کے فوت پر اجماع صحابہ ثابت ہوا اور اگر اس سے پہلے کسی کا اسکے مخالف خیال بھی تھا جو حدیثوں میں روایت کیا گیا ہو کالعدم ہوگیا۔ منہ

(۲) اب جب وفات حضرت عیسے علیہ السلام کی ثابت ہوگئی تو مسیح موعود کی پیشگوئی کے بجز اس کے اور کوئی معنے نہ ہوئے کہ جناب موصوف کی خو اور طبیعت پر کوئی اور شخص اس امت میں سے پیدا ہو۔ جیسا کہ حضرت ایلیا کے نام پر حضرت یحیٰ علیہ السلام آگئے۔ اس بات کو ماننے سے مسیح موعود کی پیشگوئیوں کچھ بھی دقتیں اور مشکلات پیدا نہیں ہوئیں بلکہ ایک ذخیرہ غیر معقول باتوں کا معقولی رنگ میں آگیا۔ اب کچھ ضرورت نہ رہی کہ نزول کے لفظ سے یہہ سمجھا جائے کہ آسمان سے کوئی نازل ہوگا بلکہ لفظ نزول اپنے عام معنوں میں راہ کہ مسافروں کے لیئے بولا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہر ایک آینوالا عظمت کی نگاہ سے نازل سمجھا جاتا ہے اور نزیل بمسافر کو کہتے ہیں۔ اور اگر فرض کے طور پر حدیث میں آسمان کا لفظ بھی ہو تب بھی حرج نہیں کیونکہ تمام مامور من اللہ آسمانی کہلاتے ہیں اور آسمانی نور ساتھ لاتے ہیں۔ اور چھوٹے آدمی زمینی کہلاتے ہیں یہہ عام محاورہ خدا تعالیٰ کی کتابوں کا ہے۔ لیکن اسجگہ یہہ ضروری بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ قصہ نزول مسیح جو مسلم میں ایک لمبی حدیث میں جو نواس بن سمعان سے ہی لکھا ہے جسکے معنے ہمارے مخالف یہ کرتے ہیں کہ گویا آسمان سے کوئی نازل ہوگا یہہ معنے ثبوت مذکورہ بالا سے جو ہمنے قرآن اور حدیث اور دیگر شواہد سے دیئے ہے بالکل کالعدم ہو کر اُن کا بُطلان ظاہر ہوگیا ہے۔ کیونکہ اگر یہہ معنے کئے جائیں تو اُن معنوں اور بیان قران شریف اور دوسری احادیث میں سخت تناقض لازم آتا ہے۔ اس صورت میں بجز اس بات کے ماننے کے چارہ نہیں ہے کہ یہ حدیث اور اسکے مثل استعارات کے رنگ میں ہیں۔ کیونکہ اگر اس مضمون کو ظاہر پر حمل کیا جائے تو بوجہ تناقض یہ تمام حدیث رد کرنیکے لائق ٹھہریگی مگر الحمدللہ یہ بات فیصلہ پاچکی ہے کہ پیشگوئیوں میں یہی اصول ہے کہ ایک حصہ ان کا ظاہر پر حمل کیا جاتا ہے اور ایک حصہ استعارات کا ہوتا ہے اسلئے حدیث کو رد کرنیکی حاجت نہیں بلکہ گنجائش تاویل وسیع ہے۔ چونکہ وہ عقیدہ باطلہ جسکے ابطال کیلئے مسیح موعود نے آنا تھا دمشق سے ہی پیدا ہوا ہے یعنے عقائد تثلیث و نجات صلیبی اسلئے اللہ تعالےٰ کے علم میں دمشق کو مسیح سے ایک تعلق تھا اور مسیح کی روحانیت کا ازل سے دمشق کی طرف رخ تھا پس جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف میں دجال کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور وہ طواف چور کی طرح اس نیت سے تھا کہ تا موقعہ پاکر خانہ کعبہ کو منہدم کرے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کشف میں مسیح موعود کو دمشق کے منارہ شرقی پر نازل ہوتے ✤

✤ اسی وجہ سے دوسری حدیث میں جو ابن عساکر میں ہے رایت کا لفظ ہے یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مینے عالم کشف میں دیکھا کہ مسیح ابن مریم منارہ شرقی دمشق کے قریب نازل ہوا ہے۔ منہ

دیکھا سو یہہ ایسا ہی ایک کشفی امر تھا جیسا کہ دجال کا طواف کرنا ایک کشفی امر تھا - کون کہہ سکتا ہے کہ دجال فی الحقیقۃ مسلمان ہو جائیگا اور خانہ کعبہ کا طواف کریگا بلکہ ہر ایک دانا اس وحی کے یہی معنے لیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم کشف میں دجال کی روحانیت منکشف ہوئی اور یہہ تمثیل کشفی نظر میں آنکھوں کے سامنے آئی کہ گویا دجال ایک شخص کی صورت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور اسکی تاویل یہہ تھی کہ دجال دین اسلام کا سخت دشمن ہوگا اور اسکی نظر بدنیتی سے خانہ کعبہ کے گرد پھرتی رہے گی جیسا کہ کوئی اس کا طواف کرتا ہے - ظاہر ہے کہ جیسا کہ رات کے وقت چوکیدار گھروں کا طواف کرتا ہے ویسا ہی چور بھی کرتا ہے لیکن چوکیدار کی نیت گھر کی حفاظت اور چوروں کا گرفتار کرنا ہوتا ہے ایسا ہی چور کی نیت نقب زنی اور نقصان رسانی ہوتی ہے - سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف میں دجال کی روحانیت جو طواف کعبہ میں پائی گئی اس سے یہی مطلب تھا کہ دجال اس فکر میں لگا رہیگا کہ خانہ کعبہ کی عزت کو دور کرے - اور مسیح موعود جو خانہ کعبہ کا طواف کرتا دیکھا گیا اس سے یہہ مطلب ہے کہ مسیح موعود کی روحانیت بیت اللہ کی حفاظت اور دجال کی گرفتاری میں مصروف پائی گئی - یہی تشریح اس مقام کی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو دمشق کے منارہ شرقی میں نازل ہوتے دیکھا - چونکہ مبدء تثلیث اور مخلوق پرستی اور صلیبی نجات کا دمشق ہی ہے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک میں یہ ظاہر کیا گیا کہ مسیح موعود منارہ شرقی دمشق کے پاس نازل ہوا - اور نیز جبکہ مسیح موعود کی روحانیت اس طرف متوجہ تھی کہ تثلیث کی بنیاد کو درہم برہم کرے اور ظاہری مثال میں تثلیث کی بنیاد دمشق سے شروع ہوئی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کشف میں یہہ دکھایا گیا کہ گویا مسیح موعود دمشق کے منارہ مشرقی کے قریب نازل ہوا ✠ - یہہ بعینہ ایسا ہی تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کا طواف کرنا کشفی عالم میں دکھایا گیا - اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہہ ظاہر کیا گیا کہ آپکی وفات کے بعد آپ کی ازواج میں سے وہ بیوی پہلے فوت ہوگی جسکے لمبے ہاتھ ہونگے - اور در اصل لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت تھی - در اصل بات یہہ ہے کہ بسا اوقات انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ملہمین پر ایسے امور ظاہر کئے جاتے ہیں کہ وہ سراسر استعارات کے رنگ میں ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام انکو اسیطرح

✠ یعنے چونکہ مسیح موعود کی توجہ خاص اسی طرف تھی کہ وہ تثلیث کو براہین قطعیہ سے معدوم کرے اسلئے عالم کشف میں دمشق کے قریب اس کا اترنا مشہود ہوا کیونکہ اس کا اترنا دمشقی بنیاد کی قلع قمع کے لئے تھا - منہ

تو گویا ظاہر کر دیتے ہیں جسطرح وہ سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں۔ اور ایسا بیان کرنا غلطی میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ اُسی رنگ اور طرز سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور یہہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ الہامی اور کشفی پیشگوئیوں کے تمام استعارات کا نبی کو علم دیا جائے کیونکہ بعض ابتلاء جو پیشگوئیوں کے ذریعہ سے کسی زمانہ کے لئے مقدر ہوتے ہیں وہ علم کی اشاعت کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتے اور یہہ بھی ممکن ہے کہ پیشگوئیوں کے بعض اسرار سے نبیوں کو اطلاع تو دیجائے مگر انکو اُن اسرار کے افشا سے منع کیا جائے۔ بہرحال یہہ امور نبوت کی شان سے ہرگز منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ کامل اور غیر محدود علم خدا تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے اور نزول مسیح موعود میں یہہ احتمال بھی ہے کہ ایسی جگہ اُس موعود کا ظہور ہوگا جو دمشق سے شرق کی طرف واقع ہوگی اور بموجب تحقیق جغرافیہ کے وہ **قادیاں** ہے کیونکہ دمشق سے اگر ایک خط مستقیم شرق کی طرف کھینچا جائے تو ٹھیک شرقی طرف اسکی وہ نقطہ ہے جہاں لاہور ہے جو صدر مقام پنجاب کا ہے اور قادیاں لاہور کے مضافات میں سے ہے۔ کیونکہ دائرہ پنجاب کا مرکز حکومت قدیم سے لاہور ہی ہے اور قادیاں لاہور سے قریباً ستر میل کے فاصلہ پر ہے۔

اب خلاصہ کلام یہہ ہے کہ نصوص صریحہ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہو چکی ہے اور حق کھل گیا ہے اور اسکے مقابل پر یہہ دوسرا حصہ احادیث کا جمیں نزول مسیح کی خبر دیگئی ہے یہہ سب استعارات لطیفہ ہیں جو از قبیل وحی وراء الحجاب ہیں جن کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور وحی وراء الحجاب کی خدا تعالیٰ کی کلام میں ہزاروں مثالیں ہیں اس سے انکار کرنا منصف کا کام نہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دو جھوٹے نبیوں کو دو کڑوں کی شکل میں دیکھنا اسی قسم کی وحی تھی۔ گائیں ذبح ہوتے دیکھنا بھی اسی قسم کی وحی تھی۔ لمبے ہاتھوں والی بیوی کا سب بیویوں سے پہلے فوت ہونا دیکھنا بھی اسی قسم کی وحی تھی اور ملاکی نبی کی وحی میں یہہ ظاہر کیا جانا کہ ایلیا نبی دوبارہ آئے گا اور یہود کی بستیوں میں سے فلاں مقام میں نازل ہوگا۔ یہہ بھی اسی قسم کی وحی تھی اور مدینہ کی وبا کا عورت پراگندہ شکل کیطور پر نظر آنا یہہ بھی اسی قسم کی وحی تھی۔ اسی طرح دجّال بھی جو ایک دجل کرنیوالا گروہ ہے ایک شخص مقرر کی طرح نظر آیا یہہ بھی اسی قسم کی وحی ہے۔ نبیوں کی وحیوں میں ہزاروں ایسے نمونے

ہیں جنہیں روحانی امور جسمانی رنگ میں نظر آئے یا ایک جماعت ایک شخص کی صورت میں نظر آئی تمام نوع انسان کے لئے جس میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں خدا تعالیٰ کی یہہ سنت ہے کہ الہام اور وحی اور رویا اور کشف پر اکثر استعارات غالب ہوتے ہیں۔ مثلاً دو چار سو آدمی جمع کرکے انکی خوابیں سنو تو اکثر انمیں استعارات ہونگے۔ کسی نے سانپ دیکھا ہوگا اور کسی نے بھیڑیا اور کسی نے سیلاب اور کسی نے باغ اور کسی نے پھل اور کسی نے آگ اور تمام یہہ امور قابل تاویل ہونگے۔ حدیثوں میں ہے کہ قبر میں عمل صالح اور غیر صالح انسان کی صورت پر دکھائی دیتے ہیں سو یہہ ایک ایسا نکتہ ہے جس سے تمام تناقض دور ہوتے ہیں اور حقیقت کھلتی ہے مبارک وہ جو اسمیں غور کریں۔

اور جبکہ کامل تحقیقات سے یہہ فیصلہ ہو چکا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہو گئے ہیں اور ہر ایک پہلو سے انکی وفات بپایۂ ثبوت پہونچگئی بلکہ حدیث صحیح سے یہہ بھی ثابت ہو گیا کہ انھوں نے ایکسو بیس [۱۲۰] برس عمر پائی اور واقعہ صلیب کے بعد ستاسی [۸۷] برس اور زندہ رہے تو یہہ سوال باقی رہا کہ پھر اُن حدیثوں کے کیا معنے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم آخری زمانہ میں نازل ہوگا؟ اسکا جواب ہم ابھی دیچکے ہیں کہ یہہ حدیثیں ظاہری معنوں پر ہرگز محمول نہیں ہوسکتیں کیونکہ قرآن شریف میں یعنے آیت قل سبحان ربّی ھل کُنتُ الا بشراً رسولا میں صاف فرمایا گیا ہے کہ عادۃ اللہ میں یہہ امر داخل نہیں کہ کوئی انسان اسی جسم عنصری کیساتھ آسمانپر چلا جائے اور پھر آسمان سے نازل ہو اور نہ ابتک کسی زمانہ میں یہہ عادۃ اللہ ثابت ہوئی کہ کوئی شخص دنیا سے جا کر پھر واپس آیا ہو۔ اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی آجتک ایک بھی نظیر اس قسم کی واپسی کی پائی نہیں گئی۔ مگر اس بات کی نظیر پہلی کتابوں میں موجود ہے کہ جس شخص کے پھر دوبارہ دنیا میں آنے کا وعدہ دیا گیا وہ وعدہ اس طرح پر پورا ہوا کہ کوئی اور شخص اسکی خو اور طبیعت پر آگیا جیسا کہ ایلیا نبی کا دوبارہ دنیا میں آنا یہود کو وعدہ دیا گیا تھا بلکہ لکھا گیا تھا کہ ضرور ہے کہ مسیح سے پہلے ایلیا دوبارہ دنیا میں آجائے مگر وہ وعدہ اپنی ظاہری صورت میں آجتک پورا نہیں ہوا حالانکہ مسیح یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام جنکے آنیکا وعدہ تھا وہ دنیا میں آکر دنیا سے اٹھایا بھی گیا پس کچھ شک نہیں کہ وہ وعدہ جیسا کہ حضرت مسیح نے اس پیشگوئیکے

معنے کئے باطنی طور پر پورا ہوگیا یعنے حضرت یوحنا جس کا نام یحییٰ بھی ہے ایلیا کی خو اور طبیعت پر دنیا میں آیا گویا ایلیا آگیا۔ اب نظیر مذکورہ بالا کے لحاظ سے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا وعدہ بھی اسی رنگ اور طرز سے ظہور پذیر ہو جیسا کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کا وعدہ ظہور پذیر ہوا ورنہ یہودیوں کی طرز پر مسیح کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کو ظاہری معنوں پر محمول کرنا گویا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ اگر کسی کا دوبارہ دنیا میں آنا سنت اللہ میں داخل تھا تو اس صورت میں یہودیوں کا یہہ اعتراض نہایت درست اور سچا ہوگا کہ ایلیا نبی حسب وعدہ ملاکی نبی کے کیوں مسیح سے پہلے دوبارہ دنیا میں نہ آیا اور جس صورت میں سنت الٰہی میں یہہ داخل تھا کہ کوئی شخص دنیا سے گیا ہوا پھر دنیا میں آوے تو گویا نعوذ باللہ اللہ جل شانہ نے دانستہ یہودیوں کے سامنے حضرت مسیح کو خفیف اور نادم کیا کہ ان سے پہلے ایلیا نبی کو دوبارہ دنیا میں نہ بھیجا اور تاویلوں کی حاجت پڑی۔ اور ظاہر الفاظ کے رو سے یہودیوں کا یہہ عذر بہت معقول تھا کہ جس حالت میں سچے مسیح کے آنے کے لئے یہہ شرط تھی کہ پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آجائے تو پھر بغیر ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کے کیونکر مسیح ابن مریم دنیا میں آگیا۔ اب جبکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف سے یہودیوں کو یہہ جواب ملا ہے کہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے سے یوحنا نبی یعنے یحییٰ کا آنا مراد تھا تو ایک دیندار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ عیسےٰ ابن مریم کا دوبارہ آنا بھی اسی طرز سے ہوگا کیونکہ یہہ وہی سنت اللہ ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

علاوہ ان باتوں کے مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہہ آیت بھی روکتی ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اور ایسا ہی یہہ حدیث بھی کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ یہہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آجائے اور وحی نبوت شروع ہو جائے؟ کیا یہہ سب امور حکم نہیں کرتے کہ اس حدیث کے معنے کرنے کے وقت ضرور ہے کہ الفاظ کو ظاہر سے پھیرا جائے۔ ماسوا اس کے ایک بڑا قرینہ اس بات پر کہ آنیوالا مسیح موعود غیر اس مسیح کا ہے جو گذر چکا اختلاف حلیوں کا ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ

ہے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا حلیہ سرخ رنگ لکھا ہے جیسا کہ بلاد شام کے لوگوں کا رنگ ہوتا ہے اور جیسا کہ تصویروں میں دکھایا گیا ہے اور گھونگریالے بال لکھے ہیں لیکن مسیح موعود جسکی اس امت میں آنے کی خبر دیگئی ہے اُس کا حلیہ گندم گون اور سیدھے بالوں والا بیان کیا ہے - اور علاوہ اسکے یہہ بھی لکھا ہے کہ وہ اسی امت میں سے ہوگا۔ بخاری کے یہہ لفظ ہیں کہ **امامکم منکم** اور مسلم کے یہہ لفظ ہیں **فامکم منکم** دونوں سے یہہ سمجھا جاتا ہے کہ آنے والا مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہے - اور اگر یہہ کہو کہ کیوں جائز نہیں کہ یہہ تمام حدیثیں موضوع ہوں - اور آنے والا کوئی بھی نہ ہو" - تو میں کہتا ہوں کہ ایسا خیال بھی سراسر ظلم ہے - کیونکہ یہہ حدیثیں ایسے تواتر کی حد تک پہونچ گئی ہیں کہ عند العقل اُن کا کذب محال ہے اور ایسے متواترات بدیہیات کے رنگ میں ہو جاتے ہیں - ماسوا اسکے ان حدیثوں میں جو بڑی بڑی پیشگوئیاں تھیں جو امور غیبیہ پر مشتمل تھیں وہ ہمارے اس زمانہ میں پوری ہوگئی ہیں - پس اگر یہہ حدیثیں جھوٹی اور انسان کا افترا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اُنکی وہ غیب کی باتیں پوری ہوسکتیں جو انسانی طاقت سے باہر ہیں - دیکھو یہہ پیشگوئی جو یعلا اور حاکم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے قریب یعنے مسیح موعود کے وقتمیں لوگ حج سے روکے جائیں گے کیسی صفائی سے ان دنوں میں پوری ہورہی ہے جو بباعث طاعون ہر ایک سلطنت نے حج کے ارادہ کرنیوالوں کو سفر مکہ معظمہ سے روکدیا - کیا ایسا واقعہ پہلے بھی کبھی وقوع میں آیا ؟ * پھر دیکھو کہ یہہ دوسری پیشگوئی جس کا یہہ مضمون ہے کہ اس مہدی موعود کے زمانہ میں رمضان میں خسوف کسوف ہوگا اور چاند اپنے گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج اپنے خسوف کے دنوں میں سے بیچ کے دنوں میں منخسف ہوگا - یہ کسقدر عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ دارقطنی میں آجسے گیارہ سو برس پہلے مندرج ہوکر تمام دنیا میں شایع ہوگئی تھی اور اب نہایت وضاحت سے پوری ہوگئی - ایسا ہی حاکم وغیرہ میں یہہ بھی لکھا گیا تھا کہ اُن دنوں میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جو رات دن میں صدہا کوس چلی جائیگی اور لوگ اُسپر رات اور دنمیں سفر کرینگے اور اُن دنوں میں اونٹ بیکار ہو جائیں گے - دیکھو یہہ کیسی اعلی درجہ کی پیشگوئی ہے جو مسیح موعود کے زمانہ کے بارہ میں کیگئی - کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ صدہا برس پہلے افترا کیطور پر ان پیشگوئیوں کو لکھدے ؟

نوٹ * سلطان روم نے اسکے سال حج کرنے سے روکدیا - گورنمنٹ پنجاب نے اعلان کیا کہ اسکے موسم میں کوئی جہاز مکہ کو نجاوے گا کوئی عزم حج نکرے - روسی گورنمنٹ نے سفر حج کے جانے سے ممانعت کردی دیکھو اخبار عام ۱ مارچ و اخبار عام ۴ اپریل ۱۸۹۹ء

ایسا ہی حدیثوں میں یہہ بھی مندرج تھا کہ اُن دنوں میں طاعون بھی پھوٹے گی - اب آنکھہ کھول کر دیکھو کہ یہہ وہی دن ہیں، اور طاعون روز بروز زور مار رہی ہے اور حدیثوں میں یہہ پیشگوئی بھی لکھی گئی تھی کہ اُن دنوں میں سورج میں بھی ایک نشان ظاہر ہوگا - اور سب کو معلوم ہے کہ ان ایام میں کیسے کامل اور عجیب طور پر سورج گرہن ہوا - یہانتک کہ اُسکے عجیب نظارہ کے دیکھنے کیلئے یورپ اور امریکہ سے لوگ آئے - کیا یہہ امور غیبیہ انسان کی طاقت میں ہیں ؟ - ایک یہہ بھی پیشگوئی تھی کہ اُن دنوں میں ذوالسنین ستارہ بھی نکلے گا جو مسیح کے وقت اور اُس سے پہلے نوح کے وقت میں نکلا تھا - اب سبکو معلوم ہے کہ وہ ستارہ نکل آیا - اور انگریزی اور اردو اخباروں میں اُس کا نکلنا شایع کیا گیا - اور حدیثوں میں جاوا کی آگ کی نسبت بھی خبر دی گئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں نکلے گی - اب سبکو معلوم ہے کہ وہ آگ بھی نکل آئی اور کسی واقف کار کو اس سے انکار نہیں - اور حدیثوں میں عدن میں طاعون پیدا ہونے کا بھی اشارہ کیا گیا ہے - چنانچہ یہ سب باتیں اب پوری ہو گئیں - پھر ایسی حدیثیں جنمیں اسقدر امور غیبیہ بھرے پڑے ہیں جو اپنے وقت پر پورے ہو گئے کیونکر جھوٹی ٹھہر سکتی ہیں ؟ یہہ ہم قبول کرتے ہیں کہ ان حدیثوں کے درمیانی زمانہ کے بعض علماء نے غلط معنے کئے ہیں - اور انکی غلط فہمیوں کا عوام پر بہت ہی برا اثر ہوا - اور جو لوگ معقول پسند تھے مثلاً معتزلہ وہ ایسے غیر معقول معنے سنکر سرے سے حدیثوں کی صحت سے ہی انکاری ہو گئے - لیکن اس انکار سے جو کسی تاریخی جرح پر مبنی نہ تھا بلکہ محض اس خیال پر مبنی تھا کہ مضمون غیر معقول ہے حدیثوں کی صحت میں فرق نہیں آسکتا بلکہ باوجود انکار کے پھر بھی اس قسم کی حدیثیں اس درجۂ تواتر پر تھیں کہ وہ لوگ بھی تواتر کو رد نکر سکے اور سراسیمہ رہ گئے - اگر اُسی زمانہ میں ان حدیثوں کے وہ معنے کئے جاتے جو اب کئے جاتے ہیں تو اسلام کا ایک بھی فرقہ انسے منکر نہ ہوتا - لیکن افسوس کہ ہر ایک استعارہ کو حقیقت پر حمل کرکے اور ہر ایک مجاز کو واقعیت کا پیرایہ پہنا کر ان حدیثوں کو ایسے دشوار گذار راہ کی طرح بنایا گیا جس پر کسی محقق معقول پسند کا قدم ٹھہر نہ سکے - سو حدیثوں پر کوئی الزام نہیں بلکہ یہہ اُن لوگوں کا قصور فہم ہے جنھوں نے ایسے معنے کئے اور عوام کو افسوسناک غلطیوں میں مبتلا کیا اور بعض حال کے زمانہ کے معقول پسند بھی جو ان حدیثوں کی صحت سے انکار کرتے ہیں اُنکے ہاتھہ میں بجز اسکے کوئی وجہ انکار نہیں کہ وہ اُن معنوں کو جو اس زمانہ کے علماء کرتے ہیں معقولیت اور

سنت اللہ اور قانون قدرت سے خارج پاتے ہیں لیکن ایسے منکر اُسی وقت تک معذور تھے جبتک کہ صحیح معنے جو سراسر سنت اللہ میں داخل ہیں انپر ظاہر نہیں کئے گئے تھے۔ اور اب تو یہہ بہت شرمناک اور ناانصافی کا طریق ہے کہ باوجود معقول اور قریب قیاس معنوں کے اور باوجود اعلیٰ درجہ کے تواتر احادیث اور باوجود اتفاق اسلام اور نصرانیت کے ان حدیثوں کو رد کیا جائے۔ جو لوگ ان حدیثوں سے جو مسیح موعود کے ظہور کی خبر دے رہی ہیں انکار کرتے ہیں انکا فرض ہے کہ پہلے وہ اُس تواتر اور ہر ایک پہلو کے ثبوت سے واقفیت حاصل کریں جو ان حدیثوں کو حاصل ہے۔ اور اس بات کو سوچیں کہ یہہ خبر صرف حدیث کی کتابوں میں نہیں بلکہ اول یہودیوں کی کتب مقدسہ میں پھر انجیل میں پھر قرآن میں اسکی خبر دیگئی ہے اور پھر سب کے بعد حدیثوں میں اسکی تفصیل آئی ہے اور تین قومیں اس خبر کو قطعی اور یقینی مانتی آئی ہیں۔ اور خدا کا قانون قدرت جس کا منشا یہہ ہے کہ ہر ایک فساد کے وقت اس فساد کے مناسب حال کوئی مصلح آنا چاہیئے اس خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ اور وہ دین کی رہزن بلائیں اور آفتیں جو جو قدم قدم پر پیش آرہی ہیں جنکے مقابلہ میں تیرہ سو برس کی تمام بدعات اور آفات اور فتن کا مجموعہ ہیچ محض ہے وہ بھی اس بات کو چاہتی ہیں کہ خداتعالیٰ آسمانی اسباب سے حمایت دین کرے۔ پھر بجز تعصب اور ناحق کی نفسانیت کے کونسی مشکلات ہیں جو اس پیشگوئی کے قبول کرنیسے روکتی ہیں؟ کیا اس بات کا باور کرنا مشکل ہے کہ اگر خدا برحق ہے اور دین کچھ چیز ہے تو ان دنوں میں غیرت الٰہی ضرور اس بات کے لئے جوش زن ہونی چاہیئے کہ جسقدر کفر اور شرک کے پھیلانے اور توحید کے ذلیل کرنیکے لئے زور لگایا گیا ہے اسیقدر یا اس سے بڑھکر اُس زندہ خدا کی طرفسے بھی زور آور حملے ہوں؟ تا لوگ یقین کریں کہ وہ موجود ہے اور اُس کا دین سچا ہے۔ کیا ابتک اس بات کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا کہ درحقیقت دین اسلام نہایت غربت کی حالت میں ہے؟ اندرونی طور پر عملی حالت کی یہہ صورت ہے کہ گویا قرآن آسمان پر اُٹھ گیا ہے۔ اور بیرونی طور پر مخالفوں نے غلط فہمیوں سے ہزارہا اعتراض اسلام پر کئے ہیں اور لاکھوں دلوں کو سیہ کر دیا ہے۔ پس اب اس باتسے کس طرح انکار ہو سکتا ہے کہ ایک مصلح عظیم الشان کی ضرورت ہے جس سے اسلام کی روحانیت بحال ہو اور بیرونی حملے کرنیوالے پسپا ہوں۔ ہاں اسقدر ہم ضرور کہینگے کہ یہہ دن دین کی حمایت کے لئے

لڑائی کے دن نہیں ہیں کیونکہ ہمارے مخالفوں نے بھی کوئی حملہ اپنے دین کی اشاعت میں تلوار اور بندوق سے نہیں کیا بلکہ تقریر اور قلم اور کاغذ سے کیا ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہمارے حملے بھی تحریر اور تقریر تک ہی محدود ہوں جیساکہ اسلام نے اپنے ابتدائی زمانہ میں ہی کسی قوم پر تلوار سے حملہ نہیں کیا جبتک پہلے اس قوم نے تلوار نہ اٹھائی۔ سو اسوقت دین کی حمایت میں تلوار اٹھانا نہ صرف بے انصافی ہے بلکہ اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ ہم تقریر اور تحریر کیساتھ اور دلائل شافیہ کیساتھ دشمن کو ملزم کرنہیں کمزور ہیں۔ کیونکہ یہہ جھوٹوں اور کمزوروں کا کام ہے کہ جب جواب دینے سے عاجز آجائیں توڑنا شروع کردیں۔ پس اسوقت ایسی لڑائی سے خدا تعالے کے سچے اور روشن دین کو بدنام کرنا ہے۔ دیکھو کسطرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ برس تک کفار کے ہاتھ سے دکھ اٹھاتے رہے اور دلائل شافیہ سے انکو لاجواب کرتے رہے اور ہرگز تلوار نہ اٹھائی جبتک دشمنوں نے تلوار اٹھاکر بہت سے پاک لوگوں کو شہید نہ کیا۔ سو جنگ لسانی کے مقابل پر جنگ سنانی شروع کردینا اسلام کا کام نہیں ہے کمزوروں اور کم حوصلہ لوگوں کا کام ہے۔ اور جیساکہ ابھی مینے بیان کیا ہے مسیح موعود کی پیشگوئی صرف حدیثوں میں نہیں ہے بلکہ قرآن شریف نے نہایت لطیف اشارات میں آنے والے مسیح کی خوشخبری دی ہے جیساکہ اُسنے وعدہ فرمایا ہے کہ جس طرز اور طریق سے اسرائیلی نبوتوں میں سلسلہ خلافت قائم کیا گیا ہے وہی طرز اسلام میں ہوگی[+] یہہ وعدہ مسیح موعود کے آنے کی خوشخبری اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ جب سلسلہ خلافت انبیاء بنی اسرائیل میں غور کیجائے تو معلوم ہوگا کہ وہ سلسلہ حضرت موسیٰ سے شروع ہوا اور پھر چودہ سو برس بعد حضرت عیسے علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔ اور اس نظام خلافت پر نظر ڈالکر معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا مسیح موعود جسکے آنے کی یہود کو خوشخبری دیگئی تھی چودہ سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آیا اور غریبوں اور مسکینوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور اس مماثلت کے پورا کرنے کے لئے جو قرآن شریف میں دونوں سلسلہ خلافت اسرائیلی اور خلافت محمدی میں قائم کی گئی ہے ضروری ہے کہ ہر ایک منصف اس بات کو مان لے کہ سلسلہ خلافت محمدیہ کے آخر میں بھی ایک مسیح موعود کا وعدہ ہو جیساکہ سلسلہ خلافت موسویہ کے آخر میں ایک مسیح موعود کا وعدہ تھا اور نیز تکمیل مشابہت دونوں سلسلوں کے لئے یہ بھی

[+] دیکھو آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْكُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الآیہ۔

لازم آتا ہے کہ جیساکہ خلافت موسویہ کے چودہ سو برس کی مدت پر مسیح موعود بنی اسرائیل کے لئے ظاہر ہوا تھا ایسا ہی اور اسی مدت کے مشابہ زمانہ میں خلافت محمدیہ کا مسیح موعود ظاہر ہو۔ اور نیز تکمیل مشابہت کے لئے یہہ بھی ضروری ہے کہ جیساکہ یہودیوں کے علماء نے خلافت موسویہ کے مسیح موعود کو نعوذ باللہ کافر اور ملحد اور دجال قرار دیا تھا ایسا ہی خلافت محمدیہ کے مسیح موعود کو اسلامی قوم کے علماء کافر اور ملحد اور دجال قرار دیں۔ اور نیز تکمیل مشابہت کیلئے یہہ بھی ضروری ہے کہ جیساکہ خلافت موسویہ کا مسیح موعود ایسے وقت میں آیا تھا کہ جبکہ یہودیوں کی اخلاقی حالت نہایت ہی خراب ہوگئی تھی اور دیانت اور امانت اور تقویٰ اور طہارت اور باہمی محبت اور صلحکاری میں بہت فتور پڑ گیا تھا اور اُنکی اُس ملک کی بھی سلطنت جاتی رہی تھی جس ملک میں مسیح موعود انکی دعوت کیلئے ظاہر ہوا تھا ایسا ہی خلافت محمدیہ کا مسیح موعود قوم کی ایسی حالت اور ایسے ادبار کے وقت ظاہر ہو۔

اور ایک وجہ تکمیل مشابہت کی یہہ بھی ہے کہ سلسلہ موسویہ کی آخری خلافت کے بارہ میں توریت میں لکھا تھا کہ وہ سلسلہ مسیح موعود پر ختم ہوگا۔ یعنے اُس مسیح پر جس کا یہودیوں کو وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ اس سلسلہ کے آخر میں چودہ سو برس کی مدت کے سر پر آئے گا۔ اور اُسکے آنے کا یہہ نشان لکھا تھا کہ اس وقت یہودیوں کی سلطنت جاتی رہے گی۔ جیساکہ توریت پیدائش باب ۴۹ آیت دس میں لکھا تھا کہ یہودا سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حکم اُسکے پانوٗں کے درمیان سے جاتا رہے گا جبتک سیلا نہ آوے یعنے عیسےٰ علیہ السلام۔ اور قومیں اُسکے پاس اکٹھی ہونگی۔ اس آیت کا یہی مطلب تھا کہ یہودیوں کی سلطنت جو خدا تعالیٰ کی بہت نافرمانی کرینگے مسیح موعود تک بہرحال قائم رہے گی اور اُن کا عصائے حکومت نہیں ٹوٹے گا جبتک اُن کا مسیح موعود یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نہ آوے اور جب وہ آجائیگا تو وہ عصا ٹوٹے گا اور دُنیا میں اُنکی سلطنت باقی نہیں رہے گی۔ اسیطرح سلسلہ خلافت محمدیہ کے مسیح موعود کو صحیح بخاری میں عیسائی مذہب کی انتہا اور شروع انحطاط کا نشان قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری کے لفظ یکسر الصلیب کا یہہ مطلب ہے کہ عیسائی مذہب کی ترقی کم نہ ہوگی٭ اور نہ اس کا قدم آگے بڑھنے سے ضعیف ہوگا اور نہ وہ گھٹے گا جبتک خلافت محمدیہ کا مسیح موعود نہ آوے۔ اور وہی ہے

٭ نوٹ۔ دونوں پیشگوئیوں میں صرف فرق یہہ ہے کہ پہلی پیشگوئی میں مسیح موعود کے ظہور کا نشان یہودیوں کا زوال سلطنت تھا اور دوسری پیشگوئی میں مسیح موعود کے ظہور کا نشان تثلیثی مذہب کی انحطاط کے آثار ہیں غرض دوسری پیشگوئی کو سلطنت سے کچھ تعلق نہیں جیساکہ پہلی پیشگوئی کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا۔ منہ

جو صلیب کو توڑیگا اور خنزیر کو ہلاک کریگا - جب وہ آئے گا تو وہی زمانہ صلیبی مذہب کے تنزل کا ہوگا
اور وہ اگرچہ اُس دجال کو یعنے دجالی خیالات کو اپنے حربہ براہین سے معدوم بھی نکرے تب بھی وہ
زمانہ ایسا ہوگا کہ خودبخود وہ خیالات دور ہوتے چلے جائینگے - اور اُسکے ظہور کیوقت تثلیثی مذہب کے
زوال کا وقت پہونچ جائیگا اور اُس کا آنا اس مذہب کے گم ہونیکا نشان ہوگا - یعنے اُسکے ظہور کیساتھہ
وہ ہوا چلے گی جو دلوں اور دماغوں کو تثلیثی مذہب کیمخالف کھینچے گی [1] - اور ہزاروں دلائل اس مذہب کے بطلان
کیلئے پیدا ہوجائیں گے - اور بجز عقلی اور آسمانی نشانوں کے مذہب کیلئے اور کوئی لڑائی نہیں ہوگی - خود زمانہ ہی
اس تبدیلی کو چاہے گا - اگر وہ مسیح موعود آیا بھی نہ ہوتا تب بھی زمانہ کی نئی ہوا ہی اُس دجالی ترقی کو گھلا گھلا
کر نابود کر دیتی - مگر یہہ عزت اسکو دیجائے گی - کام سب خداتعالی کا ہوگا - قومیں ہلاک نہیں ہونگی بلکہ
ایک نئی تبدیلی سے جو دلونمیں پیدا ہوگی باطل ہلاک ہوگا - یہی تفسیر لفظ یکسر الصلیب اور یضع
الحرب کی ہے - یہہ غلط اور جھوٹا خیال ہے کہ جہاد ہوگا بلکہ حدیث کے معنے یہہ ہیں کہ آسمانی
حربہ جو مسیح موعود کیساتھہ نازل ہوگا یعنے آسمانی [1] نشان اور نئی ہوا [2] یہہ دونوں باتیں دجالیت کو ہلاک
کرینگی اور سلامتی اور امن کیساتھہ حق اور توحید اور صدق اور ایمان کی ترقی ہوگی اور عداوتیں اٹھہ جائینگی
اور صلح کے ایام آئینگے - تب دُنیا کا اخیر ہوگا - اسیوجہ سے ہمنے اس کتاب کا نام بھی **ایام الصُلح** رکھا -

غرض فقرہ حدیث **یکسر الصلیب** کا اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مسیح موعود
کے ظہور تک عیسائی مذہب خوب ترقی کرتا جائے گا اور ہر طرف پھیلے گا - اور بڑی قوت اور شوکت
اسمیں پیدا ہوجائے گی - یہانتک کہ مذاہب کے حصوں میں سے ایک بڑا حصہ ٹھہر جائیگا - لیکن جب
مسیح موعود کا ظہور ہوگا تب وہ دن عیسائی مذہب کیلئے تنزل کے ہونگے اور خداتعالی ایک ایسی
ہوا چلائے گا اور ایسا فہم و فراست دلونمیں پیدا کریگا جس سے تمام سلیم دل سمجھ جائینگے کہ انسان کو
خدا بنانا غلطی اور کسی کی پھانسی سے حقیقی نجات ڈھونڈنا خلل ہے - اور ان دنوں میں یہہ امر ثابت بھی
ہوگیا کیونکہ بڑے بڑے پادری صاحبوں نے یہہ اشتہار شایع کردیئے ہیں کہ اس زمانہ میں یکدفعہ عیسائی
مذہب تنزل کی صورۃ میں آگیا ہے - اور اسلام کے مقابل پر اگر دیکھا جائے تو باوجود کروڑ ہا روپیہ خرچ کرکر

[2] نوٹ - یہہ ہوا اب ہمارے زمانہ میں کئی پہلو سے چل رہی ہے یورپ میں لاکھوں اعلی تعلیم یافتہ صرف نام کے عیسائی اور دراصل منکر تثلیث ہیں پہلے زمانوں میں طبایع کا یہ انقلاب کہاں تھا - منہ

اسلام دن بدن ترقی میں بڑھا ہوا ہے اور یورپ کے روشن دماغ لوگ تثلیثی مذہب سے نفرت کرتے جاتے ہیں اسی وجہ اس ملک میں چوہڑوں چماروں کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اور حدیثوں میں جو ہے کہ مسیح موعود صلیب کو توڑیگا۔ اس سے یہہ مطلب نہیں کہ وہ درحقیقت صلیب کی صورۃ کو توڑ دیگا بلکہ یہہ مطلب ہے کہ وہ ایسے دلائل اور براہین ظاہر کریگا جنسے صلیبی اصول کی غلطیاں ظاہر ہوجائیں گی۔ اور دانشمند لوگ اس مذہب کا کذب یقین کرجائینگے۔ اور اس حدیث میں یہہ صاف اشارہ ہے کہ اس مسیح موعود کا زمانہ ہی ایسا زمانہ ہوگا کہ صلیبی مذہب کا بطلان دن بدن کھلتا جائے گا۔ اور خودبخود لوگوں کے خیال اس طرف منتقل ہوتے جائینگے کہ مذہب تثلیث باطل ہے۔ ایسا اعتقاد سچائی کا خون کرنا ہے کہ اس وقت عیسائیوں کے ساتھ لڑائیاں ہونگی۔ اسلام اور قرآن نے کبھی اور کہیں اجازت نہیں دی کہ جو لوگ صرف زبان سے اور مال سے اپنے دین کو ترقی دیتے ہیں اور مذہب کے لئے لڑائی نہیں کرتے اُنسے لڑائی کیجائے۔ یہہ خیالات قرآنی تعلیم کے سخت مخالف ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمارے علماء کے حال پر رحم کرے وہ کیسی غلطی پر ہیں۔ بلکہ مطلب یہہ ہے کہ مسیح کے وقت اسلام محض اپنی روحانی طاقت سے ترقی کریگا۔ اور اپنی تریاقی قوۃ سے زہریلے مواد کو دور کردیگا۔ اور مسیح موعود کے ظہور کیساتھ آسمان سے ایسے فرشتے دلوں میں سچائی کا القا کرنیوالے نازل ہونگے کہ جو خیالات کو تبدیل کرینگے۔ اسلیئے لکھا ہے کہ مسیح موعود دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوگا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اسکے ظہور کیساتھ ملائک کے تصرفات شروع ہوجائیں گے۔ اور لوگ رفتہ رفتہ خواب غفلت سے جاگتے جائیں گے۔ اور چونکہ یہہ سب کچھ مسیح کے ظہور کیساتھ شروع ہوجائیگا اسلیئے یہہ تمام کارروائی کسر صلیب کی مسیح موعود کی طرف منسوب ہوگی اور کفر کے مقابلہ پر مثلاً زید یا بکر یا خالد یا کوئی اور شخص جو کچھ عمدہ معارف بیان کرے گا وہ سب معارف مسیح موعود کے طفیل ہونگے اور اسکی طرف منسوب کئے جائیں گے کیونکہ وہی ہے جسکے ساتھ فرشتے آئے اور وہی ہے جو روحانی انوار کے لحاظ سے آسمان سے نازل ہوا۔ اور وہی ہے جو باز کی طرح دشتی تثلیث کے شکار کے لئے اترا+۔ لیکن نہ سختی سے بلکہ امن اور صلحکاری سے خدا تعالیٰ جو ارحم الراحمین اور ماں باپ سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ اپنے

+ **نوٹ**۔ یہہ سنت اللہ ہے کہ جب ایک مامور آتا ہے تو آسمان سے اُسکے ساتھ فرشتے یا یوں کہو کہ نور اترتا ہے اور وہ نور مستعد دلوں پر پڑتا اور اُنکو روشن کرتا اور انکو قوت دیتا ہے۔ اور ہر ایک شخص قوت پاکر روحانی امور کو سمجھنے لگتا ہے۔ چونکہ اس نزول نور کا اصل سبب وہ مامور ہی ہوتا ہے اسلیئے اس زمانہ کے تمام دینی معارف اُسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ منہ

غافل اور کمزور بندوں کے لئے یہہ پہلو اختیار نکرے، کہ انکو تیرہ سو برس سے غافل پاکر دلائل اور براہین سے سمجھاوے اور آسمانی نشانوں سے تسکین بخشے اور یہہ پہلو اختیار کرے کہ کسیکو بھیجکر غافل بندوں کو قائل کرنے کیلئے طیار ہوجائے۔ یہہ عادت اسکی اُن صفات کے مخالف ہے جنکی قرآن شریف میں تعلیم دیگئی ہیں۔ اور قرآن شریف میں یہ وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ فتنوں اور خطرات کیوقت میں دین اسلام کی حفاظت کریگا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون**۔ سو خدا تعالیٰ نے بموجب اس وعدہ کے چار قسم کی حفاظت اپنی کلام کی کی۔ **اوّل** حافظوں کے ذریعہ سے اُسکے الفاظ اور ترتیب کو محفوظ رکھا۔ اور ہر ایک صدی میں لاکھوں ایسے انسان پیدا کئے جو اُسکی پاک کلام کو اپنے سینوں میں حفظ رکھتے ہیں۔ ایسا حفظ کہ اگر ایک لفظ پوچھا جائے تو اس کا اگلا پچھلا سب بتا سکتے ہیں۔ اور اس طرح پر قرآن کو تحریف لفظی سے ہر ایک زمانہ میں بچایا۔ **دوسرے** ایسے ائمہ اور اکابر کے ذریعہ سے جنکو ہر ایک صدی میں فہم قرآن عطا ہوا ہے۔ جنھوں نے قرآن شریف کے اجمالی مقامات کی احادیث نبویہ کی مدد سے تفسیر کر کے خدا کی پاک کلام اور پاک تعلیم کو ہر ایک زمانہ میں تحریف معنوی سے محفوظ رکھا۔ **تیسرے** متکلمین کے ذریعہ سے جنھوں نے قرآنی تعلیمات کو عقل کیساتھ تطبیق دیکر خدا کی پاک کلام کو کوتہ اندیش فلسفیوں کے استخفاف سے بچایا ہے۔ **چوتھے** روحانی انعام پانے والوں کے ذریعہ سے جنھوں نے خدا کی پاک کلام کو ہر ایک زمانہ میں معجزات اور معارف کے منکروں کے حملہ سے بچایا ہے۔

سو یہہ پیشگوئی کسی نہ کسی پہلو کی وجہ سے ہر ایک زمانہ میں پوری ہوتی رہی ہے۔ اور جس زمانہ میں کسی پہلو پر مخالفوں کی طرف سے زیادہ زور دیا گیا تھا اسی کے مطابق خدا تعالیٰ کی غیرت اور حمایت نے مدافعت کرنے والا پیدا کیا ہے۔ لیکن یہہ زمانہ جسمیں ہم ہیں یہ ایک ایسا زمانہ تھا جسمیں مخالفوں نے ہر چہار پہلو کے رو سے حملہ کیا تھا۔ اور یہہ ایک سخت طوفان کے دن تھے کہ جب سے قرآن شریف کی دنیا میں اشاعت ہوئی ایسے خطرناک دن اسلام نے کبھی نہیں دیکھے۔ بدبخت اندھوں نے قرآن شریف کی لفظی صحت پر بھی حملہ کیا اور غلط ترجمے اور تفسیریں شایع کیں۔ بہتیرے عیسائیوں اور بعض نیچریوں اور کم فہم مسلمانوں نے تفسیروں اور ترجموں کے بہانہ سے تحریف معنوی کا ارادہ کیا† اور بہتوں

† نوٹ۔ بہتوں نے اپنی تفسیروں میں اسرائیلی بے اصل روائتیں لکھہ کر ایک دنیا کو دہوکہ دیا ہے منہ

نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن اکثر جگہ میں علوم عقلیہ اور مسائل مسلمہ مثبتہ طبعی اور ہیئت کے مخالف ہے اور نیز یہ کہ بہت سے دعاوی اُسکے عقلی تحقیقاتوں کے برعکس ہیں اور نیز یہ کہ اسکی تعلیم جبر اور ظلم اور بے اعتدالی اور ناانصافی کے طریقوں کو سکھاتی ہے۔ اور نیز یہ کہ بہت سی باتیں اُسکی صفات الٰہیہ کے مخالف اور قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت کے منافی ہیں۔ اور بہتوں نے پادریوں اور آریوں میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور قرآن کریم کے نشانوں اور پیشگوئیوں سے نہایت درجہ کی اصرار سے انکار کیا۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک کلام اور دین اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی صورت کھینچکر دکھلائی اور اسقدر افترا سے کام لیا جس سے ہر ایک حق کا طالب خواہ نخواہ نفرت کرے۔ لہذا اب یہہ زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ جو طبعاً چاہتا تھا کہ جیسا کہ مخالفوں کے فتنہ کا سیلاب بڑے زور سے چاروں پہلوؤں سے حملہ کرنے کیلئے اٹھا ہے ایسا ہی مدافعت بھی چاروں پہلوؤں کے لحاظ سے ہو۔ اور اس عرصہ میں چودہویں صدی کا آغاز بھی ہو گیا۔ اسلئے خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے وعدہ کیموافق جو انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ہے اس فتنہ کی اصلاح کے لئے ایک مجدد بھیجا۔ مگر چونکہ ہر ایک مجدد کا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص نام ہے اور جیسا کہ ایک شخص جب ایک کتاب تالیف کرتا ہے تو اُسکے مضامین کے مناسب حال اس کتاب کا نام رکھ دیتا ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ نے اُس مجدد کا نام خدمات مفوضہ کے مناسب حال مسیح رکھا کیونکہ یہہ بات مقرر ہو چکی تھی کہ آخر الزمان کے صلیبی فتنوں کی مسیح اصلاح کریگا۔ پس جس شخص کو یہ اصلاح سپرد ہوئی ضرور تھا کہ اس کا نام مسیح موعود رکھا جائے۔ پس سوچو کہ یکسر الصلیب کی خدمت کیسکو سپرد ہے؟ اور کیا اب یہہ وہی زمانہ ہے یا کوئی اور ہے؟ سوچو خدا تمہیں تھام لے۔

اس تمام تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسیح موعود کا ذکر نہیں ہے وہ نہایت غلطی پر ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ مسیح موعود کا ذکر نہایت اکمل اور اتم طور پر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ دیکھو اول قرآن شریف نے آیت کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا میں صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ ہمنے اس نبی کو اُس نبی کی مانند بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ یہ بیان

اللہ جل شانہ کا بالکل سچا ہے۔ وجہ یہہ کہ جسطرح خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجکر آخر فرعون کو بنی اسرائیل کی نظر کے سامنے ہلاک کیا اور نہ خیالی اور وہمی طور پر بلکہ واقعی اور مشہود اور محسوس طور پر فرعون کے ظلم سے بنی اسرائیل کو نجات بخشی۔ اسیطرح یعنے بنی اسرائیل کی مانند خدا تعالیٰ کے راستباز بندے مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک کفار کے ہاتھ سے سخت تکلیف میں رہے۔ اور یہہ تکلیف اُس تکلیف سے بہت زیادہ تھی جو فرعون سے بنی اسرائیل کو پہونچی۔ آخر یہہ راستباز بندے اُس برگزیدہ راستبازوں کے ساتھ اور اُس کی ایما سے مکہ سے بھاگ نکلے اُسی بھاگنے کی مانند جو بنی اسرائیل مصر سے بھاگے تھے۔ پھر مکہ والوں نے قتل کرنیکے لیئے تعاقب کیا۔ اُسی تعاقب کی مانند جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کے قتل کے لئے کیا گیا تھا۔ آخر وہ اُسی تعاقب کی شامت سے بدر میں اسطرح پر ہلاک ہوئے جسطرح فرعون اور اُس کا لشکر دریائے نیل میں ہلاک ہوا تھا اسی رمز کے کھولنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی لاش بدر کے مُردوں میں دیکھکر فرمایا تھا کہ یہہ شخص اس امت کا فرعون تھا۔ غرض جسطرح فرعون اور اُس کا لشکر دریائے نیل میں ہلاک ہونا امور مشہودہ محسوسہ میں تھا جسکے وقوع میں کسیکو کلام نہیں ہو سکتا اسیطرح ابوجہل اور اُسکے لشکر کا تعاقب کیوقت بدر کی لڑائی میں ہلاک ہونا امور مشہودہ محسوسہ میں سے تھا جس سے انکار کرنا حماقت اور دیوانگی میں داخل ہے۔

سو یہہ دونوں واقعات اپنے تمام سوانح کے لحاظ سے باہم ایسی مشابہت رکھتے ہیں کہ گویا دو توام بھائیوں کی طرح ہیں۔ اور عیسائیوں کا یہہ قول کہ یہ مثیل موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں بالکل مردود اور قابل شرم ہے کیونکہ مماثلت امور مشہودہ محسوسہ یقینیہ قطعیہ میں ہونی چاہیئے نہ ایسے دعاوی اور وہمی دعویکے ساتھ جو خود جائے بحث اور سخت انکار کی جگہ ہو۔ یہہ دعویٰ کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے منجی تھے اور ایسا ہی یسوع بھی عیسائیوں کا منجی تھا کسقدر بیہودہ اور بے ثبوت خیال ہے۔ کیونکہ یہہ محض اپنے دلکے بے اصل تصورات ہیں جنکے ساتھ کوئی بدیہی اور روشن علامت نہیں ہے۔ اور اگر نجات دہی کی کوئی علامت ہوتی تو یہود بکمال

شکرگذاری اسی طرح حضرت عیسیٰ کو قبول کرتے اور اُنکے منجی ہونے کا اسیقدر شکر کیساتھ اقرار کرتی جیسا کہ دریائے نیل کے واقعہ کے بعد انھوں نے شکرگذاری کے گیت گائے تھے - لیکن اُنکے دلوں نے تو کچھ بھی محسوس نکیا کہ یہہ کیسی نجات ہے کہ یہہ شخص ہمیں دیتا ہے - مگر وہ اسرائیلی یعنے خدا کے بندے جنکو ہمارے سید و مولیٰ نے مکہ والوں کے ظلم سے چھوڑایا انھوں نے بدر کے واقعہ کے بعد اسی طرح گیت گائے جیسے کہ بنی اسرائیل نے دریائے مصر کے سر پر گائے تھے - اور وہ عربی گیت ابتک کتابوں میں محفوظ چلے آتے ہیں جو بدر کے میدان میں گائے گئے -

ایک دانا سمجھہ سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کی روح تو یہی مماثلت ہے پھر اگر یہہ مماثلت امور مشہودہ محسوسہ میں سے نہ ہو اور مخالف کی نظر میں ایک امر ثابت شدہ اور بدیہیات اور مسلّمات کے رنگ میں نہ ہو تو کیونکر ایسا بیہودہ دعویٰ ایک طالب حق کے ہدایت پانے کے لئے رہبر ہو سکتا ہے - اسمیں کیا شک ہے کہ یسوع کا منجی ہونا عیسائیوں کا صرف ایک دعویٰ ہے جسکو وہ دلائل عقلیہ کے رو سے ثابت نہیں کر سکے اور نہ بدیہیات کے رنگ میں دکھلا سکے اور پوچھکر دیکھہ لو کہ وہ لوگ عیسائیت اور دوسری قوموں میں کوئی مابہ الامتیاز دکھلا نہیں سکتے جس سے معلوم ہو کہ صرف یہ قوم نجات یافتہ اور دوسرے سب لوگ نجات سے محروم ہیں - بلکہ ثابت تو یہہ ہے کہ یہ قوم روحانیت اور فیوض سماوی اور نجات کی روحانی علامات اور برکات سے بالکل بے بہرہ ہے - پھر مماثلت کیونکر اور کس صورت سے ثابت ہو مماثلت تو امور بدیہیہ اور محسوسہ اور مشہودہ میں ہونی چاہیے تا لوگ اُسکو یقینی طور پر شناخت کر کے اس سے اُس شخص مثیل کو شناخت کریں - کیا اگر آج ایک شخص مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کرے اور مماثلت یہ پیش کرے کہ میں روحانی طور پر قوم کا منجی ہوں اور نجات دینے کی کوئی محسوس اور مشہود علامت نہ دکھلاوے تو کیا عیسائی صاحبان اُسکو قبول کر لینگے کہ درحقیقت یہی مثیل موسیٰ ہے ؟ پس سچا فیصلہ اور ایمان کا فیصلہ اور انصاف کا فیصلہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثیل موسیٰ ہرگز نہیں ہیں اور خارجی واقعات کا نمونہ کوئی انھوں نے ایسا نہیں دکھلایا جس سے مومنوں کی نجات دہی اور کفار کی سزا دہی میں حضرت موسیٰ سے انکی مشابہت ثابت ہو بلکہ برعکس اسکے اُنکے وقتمیں مومنوں کو سخت تکالیف پہونچیں جن ✤

✤ نوٹ - اگر عیسائیوں کا یہ خیال ہو کہ یسوع نے روحانی طور پر لوگوں کو گناہوں سے نفرت دلائی تو اسبات میں یسوع کی کچھ خصوصیت نہیں تمام نبی اسی غرض سے آیا کرتے ہیں کہ حتی الوسع لوگوں کی اخلاقی اور علمی اور اعتقادی حالت کی اصلاح کریں - اور انکے کوششوں کے اثر بھی ضرور ہوتے ہیں - اور اگر یہ دعویٰ ہے کہ گناہوں کی سزا صرف یسوع کے ذریعہ سے ٹلی تو اسپر کوئی دلیل نہیں - منہ -

تکالیف سے خود حضرت عیسیٰ بھی باہر نہ رہے - پس ہم ایمان کو ضایع کرینگے اور خُدا تعالیٰ کے نزدیک خائن ٹھہرینگے اگر ہم یہہ اقرار نکریں کہ وہ مثیل جس کا توریت کتاب استثنا میں ذکر ہے وہ وہی نبی موید الٰہی ہے جو معہ اپنی جماعت کے تیرہ برس برابر دُکھ اٹھا کر اور ہر ایک قسم کی تکلیف دیکھکر آخر معہ اپنی جماعت کے بھاگا - اور اس کا تعاقب کیا گیا آخر بدر کی لڑائی میں چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو کر ابو جہل اور اُس کا لشکر تلوار کی دھار سے ایسے ہی مارے گئے جیسا کہ دریائے نیل کی دھار سے فرعون اور اُسکے لشکر کا کام تمام کیا گیا - دیکھو کیسی صفائی اور کیسے مشہود اور محسوس طور پر یہ دونوں واقعات مصر اور مکہ اور دریای نیل اور بدر کے آپسمیں مماثلت رکھتے ہیں -

غرض جبکہ یہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت مثیل موسیٰ ہیں تو تکمیل مماثلت کا یہہ تقاضا تھا کہ اُنکے پیرووں اور خلفاء میں بھی مماثلت ہو - اور یہ بات ضروری تھی کہ جیسا کہ موسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک اشد اور اکمل مشابہت مومنوں کے نجات دینے اور کافروں کو عذاب دینے کے بارہ میں پائی گئی اُن دونوں بزرگ نبیوں کے آخری خلیفوں میں بھی کوئی مشابہت باہم پائی جائے - سو جب ہم سوچتے ہیں تو جیسا کہ ابھی مینے بیان کیا ہے نہ صرف ایک مشابہت بلکہ کئی مشابہتیں ثابت ہوتی ہیں جو مجھ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں -

اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان جس کا یہودیوں کو توریت میں وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ اُنکے زوال سلطنت کیوقت میں ظاہر ہوگا اور وہ سلسلہ خلافت موسویہ کا آخری خلیفہ ہوگا ایسا ہی وہ انسان جس کا قرآن شریف اور حدیثوں میں وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ آخری زمانہ میں غلبۂ صلیب کیوقت ظاہر ہوگا ان دونوں انسانوں کا مسیح کیوں نام رکھا گیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل مسیح اُس صدیق کو کہتے ہیں جسکو مسح یعنے چھونے میں خُدا نے برکت رکھی ہو اور اسکے انفاس اور وعظ اور کلام زندگی بخش ہوں - اور پھر یہ لفظ خصوصیت کیساتھ اُس نبی پر اطلاق پا گیا جس نے جنگ نہ کیا اور محض روحانی برکت سے اصلاح خلائق کی - اور اسکے مقابل پر مسیح اُس بیہود دجّال کو بھی کہتے ہیں جسکی خبیث طاقت اور تاثیر سے آفات اور دہریت اور بے ایمانی پیدا ہو اور

نوٹ - اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں اُس زمانہ میں سلطنت کی طرف سے کوئی مذہبی سختی نہیں تھی بعینہ انگریزی سلطنت کی طرح ہر ایک کو آزادی دیگئی تھی سلطنت رومیہ ہرگز تلوار کیساتھ اپنے مذہب کو نہیں پھیلاتے تھے جیسا کہ آجکل سلطنت برطانیہ ہے ہاں رومی گورنمنٹ میں باعث عام آزادی اور یونانی فلسفہ کے پھیلنے کے مذہبی تقویٰ اور طہارت بہت کم ہو گئی تھی یونانی فلسفہ کی تعلیم نے لوگوں

بغیر اسکے کہ وہ سچائی کے نابود کرنے کے لئے کوئی اور جابرانہ وسائل استعمال کرے صرف اسکی توجہ باطنی یا تقریر یا تحریر یا مخالطت سے محض شیطانی روح کی تاثیر سے نیکی اور محبت الٰہی ٹھنڈی ہوتی چلی جائے اور بدکاری - شرابخوری - دروغگوئی - اباحت - دنیا پرستی - مکر - ظلم - تعدی - قحط اور وبا پھیلے - یہی معنے ہیں جو لسان العرب وغیرہ اعلیٰ درجہ کی لغت کی کتابوں سے انکے بیان کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں - اور یہی معنے ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے دل میں القا کئے ہیں - اور اگرچہ دوسرے انبیاء بھی مسیحیت کی صفت اپنے اندر رکھتے ہیں مگر جس نبی نے ایسا زمانہ پایا اور جہاد وغیرہ وسائل کو اُسنے استعمال نکیا اور صرف دعا اور روحانی طاقت سے کام لیا اُس کا بالخصوصیت یہ نام ہے سو ایسا مسیح اعلیٰ درجہ کا بنی اسرائیل میں صرف ایک ہی گذرا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو برس بعد تشریف لائے اور سلسلہ خلافت موسویہ کے آخری خلیفہ ٹھہرے اور بموجب توریت کی پیشگوئی اور قرآن شریف کی پیشگوئی کے خدا تعالیٰ کو منظور ہوا جو اُسی کی مانند سلسلہ خلافت محمدیہ کے اخیر پر ایک مسیح پیدا کرے سو اُسنے اسی مدت کی مانند اس مسیح کو بھی چودھویں صدی کے سر پر پیدا کیا - اور پہلے مسیح کی طرح دوسرے مسیح کی نسبت بھی احادیث صحیحہ میں حضرت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دیگئی کہ وہ ایسے وقت میں آئے گا کہ جب قرآن آسمان پر اٹھ جائے گا یعنے لوگ طرح طرح کے شکوک اور شبہات میں مبتلا ہونگے اور اکثر روز جزا کی نسبت نہایت ضعیف الاعتقاد اور دہریہ کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اپنی کلام اور معجزات اور نشانوں اور روحانی طاقت سے دوبارہ انمیں ایمان قائم کریگا اور شبہات سے نجات دیگا - اور اپنے آسمانی حربہ سے بغیر کسی ظاہری جہاد کے مسیح الدجال کی رونق کو مٹا دیگا اور روح القدس کی پاک تاثیریں بغیر وسیلہ ہاتھوں کے دنیا میں پھیلینگی - اور حق بینی کی ٹھنڈی ہوا دلوں پر چلیگی - اور صلحکاری اور امن اور بنی نوع کی محبت کیساتھ ایک بھاری تبدیلی ظہور میں آئے گی - اور شیطان شکست کھائیگا اور روح القدس غالب ہوگا - اس آخری زمانہ کے لئے بہت سے نبیوں نے پیشگوئی کی ہے - مگر افسوس کہ ہمارے نادان مولویوں نے جہاد کا مسئلہ خواہ نخواہ اسمیں گھسیڑ دیا - خدا تعالےٰ کے پاک نبی کا ہرگز

یہہ منشا نہ تھا- یاد رہے کہ اگر کوئی جہاد کرے تو وہ مسیح موعود ہی نہیں بلکہ تریاقی ہوا کا زہریلی ہوا سے ایک روحانی جنگ ہوگا- آخر تریاقی ہوا فتح پائے گی اور مسیح موعود صرف اس جنگ روحانی کی تحریک کیلئے آیا- ضرور نہیں کہ اسکے روبرو ہی اسکی تکمیل بھی ہو- بلکہ یہہ تخم جو زمین میں بویا گیا آہستہ آہستہ نشو ونما پائیگا یہانتک کہ خدا کے پاک وعدوں کے موافق ایکدن یہ ایک بڑا درخت ہوجائیگا اور تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے اُسکے سایہ کے نیچے آرام کرینگے - دلوں سے باطل کی محبت اٹھ جائے گی- گویا باطل مرجائے گا اور ہر ایک سینہ میں سچائی کی روح پیدا ہوگی اُس روز وہ سب نوشتے پورے ہوجائیں گے جنمیں لکھا ہے کہ زمین سمندر کی طرح سچائی سے بھر جائے گی* مگر یہہ سب کچھ جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریجاً ہوگا- اس تدریجی ترقی کے لئے مسیح موعود کا زندہ ہونا ضروری نہیں بلکہ خدا کا زندہ ہونا کافی ہوگا- یہی خدا تعالیٰ کی قدیم سنت ہے اور الٰہی سنتوں میں تبدیلی نہیں ہوسکتی- پس ایسا آدمی سخت جاہل ہوگا کہ جو مسیح موعود کی وفات کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا- کیونکہ اگرچہ یکدفعہ نہیں مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعود نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع کریگا اور دلونکو اپنی طرف کھینچے گا- یہانتک کہ ایک دائرہ کی طرح دنیا میں پھیل جائیگا- وہ وقت اور گھڑی خدا تعالیٰ کے علم میں ہے جب یہ اکمل اور اتم تبدیلی ظہور میں آئیگی- جسطرح تم دیکھتے ہو کہ دجالیت بھی یکدفعہ زمین میں نہیں پھیلی بلکہ اس کا بیج آہستہ آہستہ بڑھتا اور پھولتا گیا ایسا ہی آہستہ آہستہ سچائی کی طرف دنیا اپنی کروٹ بدلیگی- تماشا بینوں کی طرح یہ خیال نہیں رکھنا چاہیے کہ یکدفعہ دُنیا اُلٹ پلٹ ہوجائیگی بلکہ جسطرح کھیت اور درخت بڑھتے ہیں ایسا ہی ہوگا - !!!

یاد رہے کہ جس مسیح یعنے روحانی برکات والے کی مسلمانوں کو آخری زمانہ میں بشارت دی گئی ہے اُسی کی نسبت یہہ بھی لکھا ہے کہ وہ دجال معہود کو قتل کریگا- لیکن یہ قتل تلوار یا بندوق سے نہیں ہو بلکہ مطلب یہہ ہو کہ دجالی بدعات اسکے زمانہ میں نابود ہوجائیں گی-

حدیثوں پر غور کرنیسے معلوم ہوتاہے کہ در اصل دجال شیطان کا نام ہے - پھر جس گروہ سے شیطان اپنا کام لیگا اُس گروہ کا نام بھی استعارہ کے طور پر دجال رکھا گیا کیونکہ وہ اسکے اعضا کی طرح ہو قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے ان خلق السموات والارض اکبر من خلق الناس یعنے انسانونکی

* شاید وہ ست جگ جسکی ہندو انتظار کرتے ہیں وہ بھی اسی زمانہ کی طرف اشارہ ہے - منہ

صنعتوں سے خدا کی صنعتیں بہت بڑی ہیں - یہ اشارہ اُن انسانوں کی طرف ہو جنکی نسبت لکھا گیا تھا کہ وہ آخری زمانہ میں بڑی بڑی صنعتیں ایجاد کرینگے اور خدائی کاموں میں ہاتھ ڈالیں گے - اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اسجگہ انسانوں سے مراد دجال ہے اور یہہ قول دلیل اسبات پر ہے کہ دجال معہود ایک شخص نہیں ہے ورنہ ناس کا نام اسپر اطلاق نہ پاتا - اور اس میں کیا شک ہو کہ ناس کا لفظ صرف گروہ پر بولا جاتا ہے سو جو گروہ شیطان کے وساوس کے نیچے چلتا ہے وہ دجال کے نام سے موسوم ہوتا ہے - اسی کی طرف قرآن شریف کی اس ترتیب کا اشارہ ہے کہ وہ الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا گیا اور اس آیت پر ختم کیا گیا ہے الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس - پس لفظ ناس سے مراد اسجگہ بھی دجال ہے - ماحصل اس سورۃ کا یہ ہے کہ تم دجال کے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑو - اس سورۃ سے پہلے سورہ اخلاص ہے جو عیسائیت کے اصول کے رد میں ہے - بعد اسکے سورہ فلق ہے جو ایک تاریک زمانہ اور عورتوں کی مکاری کی خبر دے رہی ہے - اور پھر آخر ایسے گروہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو شیطان کے زیر سایہ چلتا ہے - اس ترتیب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی گروہ ہے جسکو دوسرے لفظوں میں شیطان کہا ہے - اور اخیر میں اس گروہ کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں اس گروہ کا غلبہ ہوگا جسکے ساتھ نفاثات فی العقد ہونگی یعنے ایسی عیسائی عورتیں جو گھر دنیں پھر کر کوشش کرینگی کہ عورتوں کو خاوندوں سے علیحدہ کریں اور عقد نکاح کو توڑیں - خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تینوں سورتیں قرآن شریف کی دجالی زمانہ کی خبر دے رہی ہیں اور حکم ہے کہ اس زمانہ سے خدا کی پناہ مانگو تا اُس شر سے محفوظ رہو - یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ شرور صرف آسمانی انوار اور برکات سے دور ہونگے جسکو آسمانی مسیح اپنے ساتھ لائیگا -

غرض یہ نہایت عجیب بات ہو کہ جیسے ایک مسیح یعنے محض روحانی طاقت سے دین کو قائم کرنیوالا اور محض روح القدس سے یقین اور ایمان کو پھیلانیوالا موسوی سلسلہ کے آخر میں آیا ایسا ہی اور اسی مدت کی مانند مثیل موسیٰ کے سلسلہ خلافت کے آخر میں آیا - اور یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں - کیونکہ حضرت موسیٰ نے یہودیوں کو فرعون کے

ہاتھ سے نجات دی اور نہ صرف نجات بلکہ ایمان لانے کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی قوم کو سلطنت اور بادشاہی بھی ملگئی اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں آئے کہ جب یہودی لوگ سخت ذلت میں پڑے ہوئے تھے - اور آپ نے جیسا کہ دوسرے ایمان لانے والوں پر آزادی اور نجات کا دروازہ کھولا اور کفار کے ظلم اور تعدی سے چھوڑایا اور آخر خلافت اور بادشاہت اور حکومت تک پہنچایا ✤

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام افغان یوسف زئی داؤد زئی لودی سروانی اور کرک نئی سدو زئی بارک زئی وغیرہ دراصل بنی اسرائیل ہیں - اور ان کا مورث اعلی قیس ہے - اور چونکہ یہ بھی ایک مشہور واقعہ افغانوں میں ہے کہ والدہ کی طرف سے انکے سلسلہ کی ابتدا سارہ بنت خالد ابن ولید سے ہے یعنے قیس انکے مورث نے سارہ سے شادی کی تھی اسلئے اور ان معنوں سے وہ خالد کی آل بھی ٹھہرے لیکن بہر حال یہ متفق علیہ افغانوں میں تاریخی امر ہے کہ قیس مورث اعلی اُن کا بنی اسرائیل میں سے تھا - یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں یعنے تینوں فرقوں نے بالاتفاق تسلیم کی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام سے قریباً سات سو برس پہلے بخت نصر بابلی نے بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے بابل میں پہنچا دیا تھا اور اس حادثہ کے بعد بنی اسرائیل کی بارہ قوموں میں سے صرف دو قومیں یہودا اور بن یامین کی اپنے ملک میں واپس آئیں اور دس قومیں انکے مشرق میں رہیں اور چونکہ ابتک یہود پتہ نہیں بتلا سکے کہ وہ قومیں کہاں ہیں اور نہ انھوں نے اُنسے خط و کتابت اور رشتہ کا تعلق رکھا اسلئے اس واقعہ سے یہہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ انجام کار وہ قومیں مسلمان ہوگئی ہونگی - پھر جب ہم اس قصہ کو اسی جگہ چھوڑ کر افغانونکے سوانح پر نظر کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ دادوں سے قدیم سے یہ سنتے آئے ہیں کہ دراصل وہ اسرائیلی ہیں جیسا کہ کتاب مخزن افغانی میں مفصل لکھا ہے تو اس امر میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں رہتا کہ یہ لوگ اُن ہی دس قوموں میں سے ہیں جو مشرق میں ناپید النشان بتلائی جاتی ہیں اور ان ہی اسرائیلیوں میں سے کشمیری بھی ہیں جو اپنی شکل اور پیرایہ میں افغانوں سے بہت کچھ ملتے ہیں - اور تاریخ برنیر میں کئی اور انگریزونکے حوالہ سے انکی نسبت بھی یہ ثبوت دیا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں - اور ایسے امر کے بحث کیوقت جسکو ایک قوم پشت بہ پشت اپنے خاندان اور نسب کی نسبت تسلیم کرتی چلی آئی ہو یہ بالکل نامناسب ہے کہ ہم چند بیہودہ قیاسونکو ہاتھ میں لیکر اُنکی مسلمات کو رد کر دیں - اگر ایسا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم بھی اپنی صحت قومیت کو ثابت نہیں کر سکتی - ہمیں اسبات کو اول درجہ کی دلیل قرار دینا چاہیے کہ ایک قوم باوجود ہزاروں اور لاکھوں

ایسا ہی یہودیوں پر بھی آپ نے آزادی اور نجات کا دروازہ کھولا اور پھر حکومت اور امارت تک پہنچایا۔ یہانتک کہ چند صدیوں کے بعد ہی وہ روے زمین کے بادشاہ ہوگئے کیونکہ یہ قوم افغان

ہی افراد کے پھر ایک بات پر متفق ہو۔ پھر جبکہ کل افغان ہندوستان اور کابل اور قندہار وغیرہ سرحدی زمینوں کے اپنے تئیں اسرائیلی ظاہر کرتے ہیں تو سخت بیوقوفی ہوگی کہ خواہ نخواہ انکی مسلمات قدیمہ سے انکار کیا جائے۔ قوموں کی جانچ پڑتال میں یہی کافی ثبوت اور اطمینان کے دیٗ وضع استقامت ہے کہ جو کسی قوم میں انکے خاندان اور قومیت کی نسبت مشہور واقعات ہوں انکو مان لیا جائے اور ایسے امور میں اس سے زیادہ ثبوت ممکن ہی نہیں کہ ایک قوم باوجود اپنی کثرت برادری اور کثرت انتشار نطفہ کے ایک قول پر متفق ہو اور اگر یہ ثبوت قابل اعتبار نہ ہو تو پھر اس زمانہ میں مسلمانوں کی جسقدر قومیں ہیں مثلاً سید اور قریشی اور مغل وغیرہ یہ سب بے ثبوت اور صرف زبانی دعوی ٹھہرینگی۔ لیکن یہ ہماری سخت غلطی ہوگی کہ ہم ان اخبار مشہورہ متواترہ کو نظرانداز کریں جو ہر ایک قوم اپنی صحت قومیت کی بارہ میں بطور تاریخی امر کے اپنے پاس رکھتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنے خاندان کے بیان کرنیمیں حد سے زیادہ مبالغات کردے مگر ہمیں نہیں چاہیے کہ مبالغات کو دیکھکر یا کچھ فضول اور بے ربط باتیں پاکر اصل امر کو بھی رد کردیں۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ وہ زوائد جو درحقیقت فضول معلوم ہوں چھوڑ دیئے جائیں اور نفس امر کو جیسر قوم کا اتفاق ہے لیا جائے۔ پس اس طریق سے ہر ایک محقق کو ماننا پڑیگا کہ قوم افغان ضرور بنی اسرائیل ہے۔ ہر ایک کو خود اپنے نفس کو اور اپنی قوم کو زیر بحث رکھکر سوچنا چاہیے کہ اگر وہ قوم جسمیں وہ اپنے تئیں داخل سمجھتا ہے کوئی دوسرا شخص محض چند قیاسی باتیں مدنظر رکھکر اُس قوم سے اُسکو خارج کردے اور تسلیم نہ کرے کہ وہ اُس قوم میں سے ہے اور اسکے ان ثبوتوں کو جو پشت بہ پشت کے بیانات سے معلوم ہوئے ہیں نظرانداز کرے اور مجمع عظیم کے اتفاق کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھے تو ایسا آدمی کیسا فتنہ انگیز معلوم ہوتا ہے۔ پس بقول شخصے کہ "ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگرے نہ پسند" یہ بھی نامناسب ہے کہ دوسروں کی قسم قومیت پر جو ایک بڑی قومی اتفاق سے مانی گئی ہے ناحق کا جرح کیا جائے۔ ہمیں کیا حق پہنچتا ہے اور ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ ہم ایک قوم کے مسلمات اور متفق علیہ امر کو یوں ہی زبان سے رد کردیں۔ جب ایک امر متفق علیہ اتفاق سے صحیح قرار دیا گیا ہے تو اسکے بعد قیاس کی گنجائش نہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سی باتیں فضولی اور شیخی کے طور پر بعض قوموں کے لوگ اپنی قومیت کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں۔ لیکن محقق لوگ فضول باتوں کی وجہ سے اصل واقعات کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر

جنکی ابتک افغانستان میں بادشاہت پائی جاتی ہے - یہ لوگ دراصل یہودی ہی ہیں اور برنیر صاحب اپنی کتاب وقائع عالمگیر میں یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ تمام کشمیری بھی دراصل یہودی ہیں اور انہیں بھی ایک بادشاہ گذرا ہے

عمل کر لیتے ہیں۔ مثلاً گوتم بدھ کے سوانح میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ وہ مونہہ کی راہ سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب ہم گوتم کے سوانح لکھنا چاہیں تو ہمیں نہیں چاہیے کہ مونہہ کی راہ کی پیدائیش پر نظر ڈالکر بدھ کے اصل وجود سے ہی انکار کر دیں۔ تاریخ نویسی کا امر بڑا نازک امر ہے - اسمیں وہ شخص جادۂ استقامت پر رہتا ہے کہ جو افراط اور تفریط دونوں سے پرہیز کرے - یہ اعتراض بھی ٹھیک نہیں کہ اگر افغان لوگ عبرانی الاصل تھے تو انکے ناموں میں کیوں عبرانی الفاظ نہیں اور ان کا شجرہ پیش کردہ توریت کے بعض مقامات سے کیوں اختلاف رکھتا ہے"۔ یہ سب قیاسی باتیں ہیں جو قومی تاریخ اور تواتر کو مٹا نہیں سکتیں - دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے اُس شجرہ کو صحیح نہیں قرار دیا جو وہ لوگ حضرت اسمٰعیل تک پہنچایا کرتے تھے اور بجز چند پشت کے باقی کذب کاذبین قرار دیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ قریش بنی اسمٰعیل نہیں ہیں - پھر جبکہ قریش جو علم انساب میں بڑے حریص تھے تفصیل وار سلسلہ یاد نہ رکھ سکے تو یہ قوم افغان جنہیں اکثر غفلت میں زندگی بسر کرنیوالے گذرے ہیں اگر انھوں نے اپنے سلسلہ کی تفاصیل بیان کرنیمیں غلطی کی یا کچھ جھوٹھ ملایا تو اصل مقصود میں کیا فرق آسکتا ہے - اور اب توریت بھی کونسی ایسی محفوظ ہے جو نص قطعی کا حکم رکھتی ہو- ابھی ہمنے معلوم کیا ہے کہ یہود کے نسخوں اور عیسائیونکے نسخوں میں بہت فرق ہے - غرض یہ نکتہ چینی خوب نہیں ہے اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ افغانوں کے نام عبرانی طرز پر نہیں - بھلا بتاؤ کہ یوسف زئی داؤد زئی اور سلیمان زئی یہ عبرانیوں کے نام ہیں یا کچھ اور ہے - ہاں جب یہ لوگ دوسرے ملکوں میں آئے تو اُن ملکوں کا رنگ بھی انکی بول چال میں آگیا - دیکھو سادات کے نام بھی ہمارے ملک میں چنن شاہ اور گمن شاہ اور نتھو شاہ اور متو شاہ وغیرہ پائے جاتے ہیں تو اب کیا انکو سید نہیں کہو گے؟ کیا یہ عربی نام ہیں؟ غرض یہ بیہودہ نکتہ چینیاں اور نہایت قابل شرم خیالات ہیں - ہم قوم کی متواترات سے کیوں انکار کریں - اس سے عمدہ تر اور صاف تر ذریعہ حقیقت شناسی کا ہمارے ہاتھ میں کونسا ہے کہ خود قوم جسکی اصلیت ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں ایک امر پر اتفاق رکھتی ہے -

ماسوا اسکے دوسرے قرائن بھی صاف بتلا رہے ہیں کہ حقیقت میں یہ لوگ اسرائیلی ہیں - مثلاً کوہ سلیمان جو اول افغانوں کا مسکن تھا خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس پہاڑ کا یہ نام اسرائیلی یادگار کے لحاظ سے رکھا گیا ہے - دوسرے ایک بڑا قرینہ یہ ہے کہ قلعہ خیبر جو افغانوں نے بنایا کچھ شک نہیں کہ یہ خیبر کا نام بھی محض اسرائیلی یادگار کے لئے اُس خیبر کے نام پر جو عرب میں ہے جہاں یہودی رہتے تھے رکھا تھا -

اور افغانوں کی بادشاہت مسلسل کئی صدیوں سے چلی آتی ہے۔ اب جبکہ یہودیوں کی کتب مقدسہ میں نہایت صفائی سے بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ کی مانند ایک نبی انکے لئے بھیجا جائیگا یعنے وہ ایسے وقت میں آئیگا کہ جب قوم یہود

تیسرا قرینہ ایک یہ بھی ہے کہ افغانوں کی شکلیں بھی اسرائیلیوں سے بہت ملتی ہیں۔ اگر ایک جماعت یہودیوں کی ایک افغانوں کی جماعت کیساتھ کھڑی کیجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اُن کا مونہہ اور اُن کا اونچی ناک اور چہرہ بیضاوی ایسا باہم مشابہ معلوم ہوگا کہ خود دل بول اُٹھے گا کہ یہ لوگ ایک ہی خاندان میں سے ہیں۔

چوتھا قرینہ افغانوں کی پوشاک بھی ہے افغانوں کے لمبے کُرتے اور جُبّے وہی وضع اور پیرایہ اسرائیلیوں کا ہے جسکا انجیل میں بھی ذکر ہے۔ پانچواں قرینہ اُنکے وہ رسوم ہیں جو یہودیوں سے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً اُنکے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلا تکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کیساتھ قبل نکاح کے پھرنا اس اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے۔ مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے جسکو بُرا نہیں مانتے بلکہ ہنسی ٹھٹھے میں بات کو ٹال دیتے ہیں کیونکہ یہود کیطرح یہ لوگ ناطہ کو ایک قسم کا نکاح ہی جانتے ہیں جس میں پہلے مہر بھی مقرر ہو جاتا ہے

چھٹا قرینہ افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے پر یہ ہے کہ افغانوں کا یہ بیان کہ قیس ہمارا مورث اعلیٰ ہے انکے بنی اسرائیل ہونیکی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ یہودیوں کی کتب مقدسہ میں سے جو کتاب پہلی تاریخ کے نام سے موسوم ہے اُسکے باب ۹ آیت ۳۹ میں قیس کا ذکر ہے اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ یا تو اسی قیس کی اولاد میں سے کوئی دوسرا قیس ہوگا جو مسلمان ہو گیا ہوگا اور یا یہ کہ مسلمان ہونے والے کا کوئی اور نام ہوگا اور وہ اس قیس کی اولاد میں سے ہوگا اور پھر بباعث خطار حافظہ اس کا نام بھی قیس سمجھا گیا۔ بہر حال ایک ایسی قوم کے مونہہ سے قیس کا لفظ نکلنا جو کتب یہود سے بالکل بیخبر تھی اور محض ناخواندہ تھی یقینی طور پر یہ سمجھاتا ہے کہ یہ قیس کا لفظ انھوں نے اپنے باپوں سے سنا تھا کہ اُن کا مورث اعلیٰ ہے۔ پہلی تاریخ آیت ۳۹ کی یہ عبارت ہے ”اور نیر سے قیس پیدا ہوا اور قیس سے ساؤل پیدا ہوا اور ساؤل سے یہونتن۔ ساتواں قرینہ اخلاقی حالتیں ہیں جیسا کہ سرحدی افغانوں کی زود رنجی اور تلوّن مزاجی اور خود غرضی اور گردن کشی اور کج مزاجی اور کج روی اور دوسرے جذبات نفسانی اور خونی خیالات اور جاہل اور بے شعور ہونا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ تمام صفات وہی ہیں جو توریت اور دوسرے صحیفوں میں اسرائیلی قوم کی لکھی گئی ہیں۔ اور اگر قرآن شریف کھولکر سورہ بقر سے بنی اسرائیل کی صفات اور عادات اور اخلاق اور افعال پڑھنا شروع کرو تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا سرحدی افغانوں کی اخلاقی حالتیں بیان ہو رہی ہیں۔ اور یہ

فرعون کے زمانہ کی طرح سخت ذلت اور دُکھ میں ہوگی اور پھر اُس نبی پر ایمان لانے سے وہ تمام دکھوں اور ذلتوں سے رہائی پائینگے تو کچھ شک نہیں کہ یہ پیشگوئی جسکی طرف یہود کی ہر زمانہ میں آنکھیں لگ رہی ہیں وہ ہمارے

رائے یہانتک صاف ہے کہ اکثر انگریزوں نے بھی یہی خیال کیا ہے - برنیر نے جہاں یہ لکھا ہے کہ کشمیر کے مسلمان کشمیری بھی دراصل بنی اسرائیل ہیں وہاں بعض انگریزوں کا بھی حوالہ دیا ہے اور ان تمام لوگوں کو اُن دس فرقوں میں سے ٹھہرایا ہے جو مشرق میں گم ہیں جن کا اب اس زمانہ میں پتہ ملا ہے کہ وہ درحقیقت سب کے سب مسلمان ہوگئے ہیں - پھر جبکہ افغانوں کی قوم کے اسرائیلی ہونے میں اتنے قرائن موجود ہیں اور خود وہ تعامل کے طور پر اپنے باپ دادوں سے سنتے آئے ہیں کہ وہ قوم اسرائیلی ہیں اور یہ باتیں انکی قوم میں واقعات شہرت یافتہ ہیں تو سخت ناانصافی ہوگی کہ ہم محض تحکم کے طور سے اُنکی ان بیانات سے انکار کریں - ذرہ یہ تو سوچنا چاہیے کہ انکے دلائل کے مقابلہ پر ہمارے ہاتھ میں انکار کی کیا دلیل ہے - یہ ایک قانونی مسئلہ ہے کہ ہر ایک پورانی دستاویز جو چالیس برس سے زیادہ کی ہو وہ اپنی صحت کا آپ ثبوت ہوتی ہے پھر جبکہ صدہا سال سے دوسری قوموں کی طرح جو اپنی اپنی اصلیت بیان کرتی ہیں افغان لوگ اپنی اصلیت قوم اسرائیل قرار دیتے ہیں تو ہم کیوں جھگڑا کریں اور کیا وجہ کہ ہم قبول نہ کریں؟ یاد رہے کہ یہ ایک دو کا بیان نہیں یہ ایک قوم کا بیان ہے جو لاکھوں انسانوں کا مجموعہ ہے - اور پشت بعد پشت کے گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔

اب جبکہ یہ بات فیصلہ پاچکی کہ تمام افغان درحقیقت بنی اسرائیل ہیں تو اب یہ دوسرا امر ظاہر کرنا باقی رہا کہ پیشگوئی توریت استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ سے ۱۹ تک کی افغانی سلطنت سے بکمال وضاحت پوری ہوگئی - یہ پیشگوئی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے یہ مقدر کیا ہے کہ موسیٰ کی طرح دنیا میں ایک اور نبی آئیگا یعنے ایسے وقت میں جبکہ پھر بنی اسرائیل فرعون کے زمانہ کی مانند طرح طرح کی ذلتوں اور دکھوں میں ہونگے اور وہ نبی انکو جو اُسپر ایمان لائینگے اُن دکھوں اور بلاؤں سے نجات دیگا - اور جس طرح موسیٰ پر ایمان لانیسے بنی اسرائیل نے نہ صرف دکھوں سے نجات پائی بلکہ ایمیں سے بادشاہ بھی ہوگئے ایسا ہی ان اسرائیلیوں کا انجام ہوگا جو اُس نبی پر ایمان لائینگے - یعنے آخر انکو بھی بادشاہی ملیگی اور ملکوں کے حکمران ہو جائینگے - اسی پیشگوئی کو عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر لگانا چاہا تھا جسمیں وہ ناکام رہے کیونکہ وہ لوگ اس مماثلت کا کچھ ثبوت نہ دے سکے - اور یہ تو انکے دل کا ایک خیالی پلاؤ ہے کہ یسوع نے گناہوں سے نجات دی[*] کیا یورپ کے لوگ جو عیسائی ہوگئے ہر ایک قسم کی بدکاری اور زناکاری اور شراب خواری سے سخت متنفر اور موحدانہ زندگی بسر کرتے ہیں؟ ہم نے تو یورپ دیکھا نہیں جنھوں نے دیکھا ہے انسے پوچھنا چاہیے کہ یورپ کی کیا حالت ہے؟ ہم نے تو بہ

[*] ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ ؑ نے دوسرے نبیوں کی طرح حتی الوسع قوم کے بعض لوگوں کی اصلاح کی مگر اصلاح کرنا اُنسے کچھ خاص نہیں تمام نبی اصلاح کے لئے ہی آتے ہیں نہ فساد پھیلانے کے لئے - ہاں مغفرت کا چشمہ اُن ہی کی ذات کا ہونا اور انسان کی حق تلفیاں ہوں یا خطائیں سب انکے طفیل بخشے جانا یہ صرف ایک بیہودہ دعویٰ ہے جو علاوہ عدم ثبوت قانون قدرت کے بھی برخلاف ہے - منہ

سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکے ذریعہ سے توریت کی پیشگوئی کمال وضاحت سے پوری ہوگئی
کیونکہ جب یہودی ایمان لائے تو انمیں سے بڑے بڑے بادشاہ ہوئے یہ اس باتپر دلیل واضح ہے کہ خدا

سنا ہے کہ علاوہ اور باتوں کے ایک لندن میں ہی شراب خواری کی یہ کثرت ہے کہ اگر شراب کی دوکانیں سیدھے خط میں لگائی جائیں تو تخمیناً ستر میل تک اُن کا طول ہوسکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اول تو گناہوں سے نجات پانا ایک ایسا امر ہے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے کون کسی کے اندرونی حالات اور خطرات سے بجز خدا تعالےٰ کے واقف ہوسکتا ہے۔ پھر یورپ جو عیسائیوں کے لیئے عیسائیت کی زندگی کا ایک کھلا کھلا نمونہ ہے جو کچھ ظاہر کر رہا ہے اسکے بیان کی حاجت نہیں۔ ہم محض اُس قوم کی معصومانہ زندگی قبول کرسکتے ہیں جسکے بعض افراد معصومانہ زندگی کے نشان اپنے ساتھ رکھتے ہوں اور راستبازوں کے برکات انمیں پائے جاتے ہوں۔ سو یہ قوم تو **اسلام** ہے جسکی راستبازی کے انوار کسی زمانہ میں کم نہیں ہوئے ورنہ صرف دعویٰ دلیل کا کام نہیں دیسکتا۔ ماسوا اسکے یہ دعویٰ کہ گناہوں کا منجی کسی دوسرے زمانہ میں آنیوالا تھا اسوجہ سے بھی نامعقول ہے کہ اگر ایسا منجی بھیجنا منظور تھا تو موسیٰ کے وقت میں ہی اسکی ضرورت تھی کیونکہ بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں غرق تھے یہانتک کہ بت پرستی کر کے گناہونکی معافی کے محتاج تھے۔ پس یہہ کسقدر غیر معقول بات ہے کہ گناہ تو اُسی وقت بکثرت ہوں یہانتک کہ گوسالہ پرستی تک نوبت پہونچی اور گناہوں سے نجات دینے والا چودہ سو[۱۴۰۰] برس بعد آوے جبکہ کروڑہا انسان اُن ہی گناہونکی وجہ سے داخل جہنم ہوچکے ہوں۔ ایسے ضعیف اور بودے خیال کو کون قبول کرسکتا ہے اور اسکے مقابل پر یہ کسقدر صاف بات ہے کہ اس منجی سے مراد بلاؤں سے نجات دینے والا تھا اور وہ درحقیقت ایسے وقت میں آیا کہ جبکہ یہودیوں پر چاروں طرف سے بلائیں محیط ہوگئی تھیں۔ کئی دفعہ غیر قوموں کے بادشاہ انکو گرفتار کر کے لیگئے۔ کئی دفعہ غلام بنائے گئے اور دو دفعہ انکی ہیکل مسمار کی گئی۔ ہمارے معنوں کے رو سے زمانہ ثبوت دیتا ہے کہ درحقیقت بلاؤں سے نجات دینے والا ایسے وقت آنا چاہیے تھا جسوقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یسوع جو ہیرودوس کے زمانہ میں پیدا ہوا وہی زمانہ گناہونکے منجی کے بھیجنے کا زمانہ تھا۔ تا گناہوں سے نجات بخشے۔ غرض روحانی منجی ہونا ایسی بات ہے کہ محض تکلف اور بناوٹ سے بنائی گئی ہے۔ یہودی جس حالت کے لیئے ابتک روتے ہیں وہ یہی ہے کہ کوئی ایسا منجی پیدا ہو جو انکو دوسری حکومتوں سے آزادی بخشے۔ کبھی کسی یہودی کے خواب میں بھی نہیں آیا کہ روحانی منجی آئے گا اور نہ توریت کا یہہ منشا ہے۔ توریت تو صاف کہہ رہی ہے کہ آخری دنوں میں پھر بنی اسرائیل پر مصیبتیں پڑینگی اور انکی حکومت اور آزادی جاتی رہے گی پھر ایک نبی کی معرفت خدا اُس حکومت اور آزادی

تعالی نے اسلام لانیسے اُن کا گناہ بخشا اور اُنپر رحم کیا جیسا کہ توریت میں وعدہ تھا۔

پھر ہم اپنی پہلی کلام کی طرف عود کرکے کہتے ہیں کہ مسیح موعود کے لئے قرآن شریف میں صرف وہی پیشگوئی نہیں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں بلکہ ایک اور پیشگوئی ہے جو بڑی وضاحت سے آنیوالے مسیح کی خبر دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اس آیت کا ماحصل یہہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جسنے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علوم حکمیہ دینیہ جن سے تکمیل

کو دوبارہ بحال کریگا۔ سو یہ پیشگوئی بڑے زور و شور اور وضاحت کیساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے پوری ہوگئی کیونکہ جب یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو اُسی زمانہ میں حکومت اور امارت اور آزادی انکو ملگئی اور پھر کچھ دنوں کے بعد وہ لوگ ببرکت قبول اسلام روئے زمین کے بادشاہ ہوگئے اور وہ شوکت اور حکومت اور امارت اور بادشاہت انکو حاصل ہوئی جو حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ افغانوں کا عروج جو بنی اسرائیل ہیں شہاب الدین غوری کے وقت سے شروع ہوا اور جب بہلول لودی افغان تخت نشین ہوا تب ہندوستان میں عام طور پر افغانوں کی امارت اور حکومت کی بنیاد پڑی۔ اور یہ افغان بادشاہ یعنے بہلول بہت حریص تھا کہ ہندوستانمیں افغانونکی حکومت اور امارت پھیلاوے اور انکو صاحب املاک اور جاگیر کرے اسلئے اُسنے اپنی سلطنت میں جوق جوق افغان طلب کرکے انکو عہدے اور حکومت اور بڑے بڑے املاک عطا کئے اور جبتک ہندوستان کی سلطنت بہلول اور شیرشاہ افغان سوری کے خاندان میں رہی تب تک افغانونکی آبادی اور اُنکی دولت اور طاقت بڑی ترقی میں رہی یہانتک کہ یہ لوگ امارت اور حکومت میں اعلیٰ درجہ تک پہونچگئے۔ افغانونکی سلطنت اور اقبال اور دولت کے تصور کیوقت احمد شاہ ابدالی سدوزئی کے اقبال پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے جو افغانوں میں سے ایک زبردست بادشاہ ہوا ہے اور پھر تیمور شاہ سدوزئی اور شاہ زمان اور شجاع الملک۔ اور شاہ محمود اور امیر دوست محمد خان اور امیر شیر علی خان ہوئے اور اب بھی والی ملک کابل افغان ہے جو اُس ملک کا بادشاہ کہلاتا ہے یعنے امیر عبد الرحمن۔

ان تمام واقعات سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کو جو دوبارہ آزادی اور شوکت اور سلطنت کا وعدہ دیا گیا تھا وہ اُنکے مسلمان ہونے کے بعد آخر پورا ہو گیا۔ اس سے توریت کی سچائی پر ایک قوی دلیل پیدا

نفس ہو اور نفوس انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہونچیں بالکل گم ہو گئی تھی اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے یعنے خدا اور اسکی صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑے تھے۔ تب ایسے وقتمیں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول امّی بھیجا اور اُس رسول نے اُنکے نفسونکو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے اُنکو مملو کیا یعنے نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقین کامل تک پہنچایا اور خداشناسی کے نور سے اُنکے دلونکو روشن کیا اور پھر فرمایا کہ ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا وہ بھی اول تاریکی اور گمراہی میں ہونگے اور علم اور حکمت اور یقین سے دور ہونگے تب خدا انکو بھی صحابہ کے رنگ میں لائیگا یعنے جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ انکو بھی دکھایا جائیگا یہانتک کہ انکا صدق اور یقین بھی صحابہ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائیگا۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کیوقت سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا **لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل من فارس** یعنے اگر ایمان ثریا پر یعنے آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اسکو واپس لائیگا۔ یہ اسبات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہوگا اُس زمانہ میں جسکی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمانپر اٹھایا جائیگا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے کیونکہ صلیبی حملہ جسکے توڑنے کے لئے مسیح موعود کو آنا چاہیئے وہ حملہ ایمان پر ہی ہے۔ اور یہ تمام آثار صلیبی حملہ کے زمانہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ اُس حملہ کا لوگوں کے ایمان پر بہت بُرا اثر ہوگا۔ وہی حملہ ہے جسکو دوسرے لفظوں میں دجالی حملہ کہتے ہیں۔ آثار میں ہے کہ اُس دجال کے حملہ کیوقت بہت سے نادان خدائے واحد لاشریک کو چھوڑ دینگے اور بہت سے لوگونکی ایمانی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی اور مسیح موعود کا بڑا بھاری کام تجدید

ہوتی ہے کیونکہ توریت کے وہ تمام وعدے بڑی قوت اور شان کیساتھ انجام کار پورے ہو گئے اور اسجگہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ نبی جو بنی اسرائیل کی دوبارہ مصیبتوں کیوقت منجی ٹھہرایا گیا تھا وہ سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاں جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف راہ میں بنی اسرائیل کو چھوڑ کر وفات پائی اور قوم اسرائیل کو انکے بعد سلطنت ملی اسیطرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جیسے جیسے بنی اسرائیل اسلام میں داخل ہوتے گئے حکومت اور امارت انکو ملتی گئی یہانتک کہ آخرکار دنیا کے بڑے بڑے حصوں کے بادشاہ ہو گئے۔ منہ

ایمان ہوگا کیونکہ مدار ایمان پر ہے اور حدیث لوکان الایمان سے جو شخص فارسی الاصل کی نسبت ہی یہ ثابت ہے کہ وہ فارسی الاصل ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے آئے گا۔ پس جس حالت میں مسیح موعود اور فارسی الاصل کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور کام بھی ایک ہی ہے یعنے ایمان کو دوبارہ قائم کرنا اسلئے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ مسیح موعود ہی فارسی الاصل ہے۔ اور اسی کی جماعت کے حق میں یہ آیت ہے وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ کمال ضلالت کے بعد ہدایت اور حکمت پانے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور برکات کو مشاہدہ کرنے والے صرف دو ہی گروہ ہیں اول صحابۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے سخت تاریکی میں مبتلا تھے اور پھر بعد اسکے خداتعالیٰ کے فضل سے انھوں نے زمانہ نبوی پایا اور معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پیشگوئیوں کا مشاہدہ کیا اور یقین نے انہیں ایک ایسی تبدیلی پیدا کی کہ گویا صرف ایک روح رہ گئے۔ دوسرا گروہ جو بموجب آیت موصوفہ بالا صحابہ کی مانند ہیں مسیح موعود کا گروہ ہے۔ کیونکہ یہ گروہ بھی صحابہ کی مانند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھنے والا ہے اور تاریکی اور ضلالت کے بعد ہدایت پانیوالا اور آیت آخرین منہم میں جو اس گروہ کو مِنْهُمْ کی دولت سے یعنے صحابہ سے مشابہ ہونے کی نعمت سے حصہ دیا گیا ہے یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے اور پیشگوئیاں مشاہدہ کیں ایسا ہی وہ بھی مشاہدہ کرینگے اور درمیانی زمانہ کو اس نعمت سے کامل طور پر حصہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ آجکل ایسا ہی ہوا کہ تیرہ سو برس بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا دروازہ کھل گیا۔ اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ خسوف کسوف رمضان میں موافق حدیث دارقطنی اور فتاویٰ ابن حجر کے ظہور میں آگیا یعنے چاند گرہن اور سورج گرہن رمضان میں ہوا۔ اور جیسا کہ مضمون حدیث تھا اسی طرح پر چاند گرہن اپنے گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں وقوع میں آیا ایسے وقت میں کہ جب مہدی ہونے کا مدعی موجود تھا۔ اور یہ صورت جبسے کہ زمین اور آسمان پیدا ہوا کبھی وقوع میں نہیں آئی۔ کیونکہ ابتک کوئی شخص نظیر اسکی صفحۂ تاریخ میں ثابت نہیں کر سکا۔ سو

یہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا جو لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر ذوالسنین ستارہ بھی جس کا نکلنا مہدی اور مسیح موعود کے وقت میں بیان کیا گیا تھا ہزاروں انسانوں نے نکلتا ہوا دیکھ لیا۔ ایسا ہی جاوا کی آگ بھی لاکھوں انسانوں نے مشاہدہ کی۔ ایسا ہی طاعون کا پھیلنا اور حج سے روکے جانا بھی سب نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا۔ ملک میں ریل کا طیار ہونا اونٹوں کا بیکار ہونا یہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے جو اس زمانہ میں اسی طرح دیکھے گئے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے معجزات کو دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے اس آخری گروہ کو مِنْہُمْ کے لفظ سے پکارا تا یہ اشارہ کرے کہ معاینہ معجزات میں وہ بھی صحابہ کے رنگ میں ہی ہیں۔ سوچکر دیکھو کہ تیرہ سو برس میں ایسا زمانہ منہاج نبوت کا اور کس نے پایا۔ اس زمانہ میں جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اس جماعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالے کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دلآزاری اور بدزبانی اور قطع رحم وغیرہ کا صدمہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہ نے اٹھایا وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے جاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے حاصل کی بہتیرے انمیں سے ہیں کہ نماز میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روتے تھے۔ بہتیرے انمیں ایسے ہیں جنکو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الہی سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔ بہتیرے انمیں ایسے ہیں کہ اپنے محنت سے کمائے ہوئے مالونکو محض خدا تعالی کی مرضات کے لئے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خرچ کرتے تھے۔ انمیں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقوی پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جنکو خدا آپ سنبھال رہا ہے۔ اور دن بدن اُنکے دلوں کو پاک کر رہا ہے۔ اور انکے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے۔ اور آسمانی نشانوں سے انکو اپنی طرف کھینچ رہا ہے جیسا کہ صحابہ کو کھینچتا تھا۔ غرض اس جماعت میں وہ ساری علامتیں پائی جاتی ہیں جو آخرین منہم کے لفظ سے مفہوم ہو رہی ہیں۔ اور ضرور تھا کہ خدا تعالی کا فرمودہ ایک دن پورا ہوتا۔ !!!

اور آیت آخرین منہم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جیساکہ یہ جماعت مسیح موعود کی صحابہ رضی اللہ
عنہم کی جماعت سے مشابہ ہے ایسا ہی جو شخص اس جماعت کا امام ہے وہ بھی ظلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے مشابہت رکھتا ہے جیساکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی موعود کی صفت فرمائی کہ وہ آپ
سے مشابہ ہوگا اور دو مشابہت اُسکے وجود میں ہونگی ایک مشابہت حضرت مسیح علیہ السلام سے جسکی وجہ سے
وہ مسیح کہلائے گا۔ اور دوسری مشابہت آنحضرت صلی اللہ علیہ سے جسکی وجہ سے وہ مہدی کہلائیگا۔ اسی راز
کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لکھا ہے کہ ایک حصہ اُسکے بدن کا اسرائیلی وضع اور رنگ پر ہوگا اور دوسرا حصہ
عربی وضع اور رنگ پر۔ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے وقتیں آئے تھے جبکہ ملت موسوی یونانی حکماء کے حملوں
سے خطرناک حالتمیں تھی اور تعلیم توریت اور اُسکی پیشگوئیوں اور معجزات پر سخت حملہ کیا جاتا تھا اور یونانی خیالات کے
موافق خداتعالےٰ کے وجود کو بھی ایک ایسا وجود سمجھا گیا تھاکہ جو صرف مخلوق ہیں مخلوط ہے اور مدبر بالارادہ نہیں
اور سلسلۂ نبوت سے ٹھٹھا کیا جاتا تھا۔ لہذا حضرت عیسیٰ کے مبعوث کرنیسے جو حضرت موسیٰ سے چودہ سو
برس بعد آئے خداتعالیٰ کا یہ ارادہ تھاکہ موسوی نبوت کی صحت اور اُس سلسلہ کی حقانیت پر تازہ شہادت
قائم کرے اور نئی تائیدات اور آسمانی گواہوں سے موسوی عمارت کی دوبارہ مرمت کردیوے۔ اسی طرح
جو اس امت کے لئے مسیح موعود بھی چودھویں صدی کے سر پر بھیجا گیا اسکی بعثت سے بھی یہی مطلب تھا
کہ جو یورپ کے فلسفہ اور یورپ کی دجالیت نے اسلام پر طرح طرح کے حملے کئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی نبوت اور پیشگوئیوں اور معجزات سے انکار اور تعلیم قرآنی پر اعتراض اور برکات اور انوار اسلام کو
سخت استہزا کی نظر سے دیکھا ہے ان تمام حملوں کو نیست و نابود کرے اور نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف
سلام کو تازہ تصدیق اور تائید سے حق کے طالبوں پر چمکاوے اور یہی سر ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۲
میں آج سے سترہ برس پہلے ایک الہام اسی بارہ میں ہوا وہ الہام خداتعالیٰ کا لاکھوں انسانوں میں شایع ہوچکا
ہے اور وہ یہ ہے "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔ پاک محمد
مصطفیٰ نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ رب
الافواج اسطرف توجہ کریگا اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے مونہہ کی باتیں ہیں" دیکھو

براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۲ - اور خوب غور کرو کہ میرے نشانوں سے کیا مدعا ٹھہرایا گیا - ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ اسی مطلب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے تا تکذیب کی حالت میں نئے نشانوں کیساتھ توریت کی تصدیق کریں - اور اسی مطلب کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا نئے نشانوں کے ساتھ قرآن شریف کی سچائی غافل لوگوں پر ظاہر کیجائے - اسی کی طرف الہام الٰہی میں اشارہ ہے کہ پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد - اور یہی اشارہ اس دوسرے الہام براہین احمدیہ میں ہے الرّحمٰن علّم القرآن لتنذر قوماً ما انذر آباءھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت وانا اوّل المومنین - اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسےٰ نبی اللہ ہو کر توریت کی تصدیق کے لئے آئے پس انکے مقابل پر تمہاری گواہی کیا قدر رکھتی ہے اسجگہ بھی تصدیق جدید کے لئے کوئی نبی ہی چاہیئے تھا" سو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں اُس نبوت کا دروازہ تو بند ہے جو اپنا سکہ جاتی ہو - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث میں ہے لانبی بعدی - اور بااینہمہ حضرت مسیح کی وفات نصوص قطعیہ سے ثابت ہو چکی لہٰذا دنیا میں اُنکے دوبارہ آنے کی امید طمع خام - اور اگر کوئی اور نبی نیا یا پرانا آوے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء رہیں ہاں وحی ولایت اور مکالمات الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے جسکا اہم مطلب صرف یہ ہے کہ نئے نشانوں کے ساتھ دین حق کی تصدیق کیجائے اور سچے دین کی شہادت دیجائے تو جو نشان خدا تعالیٰ کے نشان ہیں خواہ وہ نبی کے ذریعہ سے ظاہر ہوں اور خواہ ولی کے ذریعہ سے وہ سب ایک درجہ کے ہیں کیونکہ بھیجنے والا ایک ہی ہے - ایسا خیال کرنا سراسر جہالت اور حمق ہے کہ اگر خدا تعالےٰ نبی کے ہاتھ سے اور نبی کے ذریعہ سے کوئی تائید سماوی کرے تو وہ قوت اور شوکت میں زیادہ ہے اور اگر ولی کی معرفت وہ تائید ہو تو وہ قوت اور شوکت میں کم ہے - بلکہ بعض نشان تو تائید اسلام کے ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ اُسوقت نہ کوئی نبی ہوتا ہے اور نہ ولی جیسا کہ اصحاب الفیل کے ہلاک کرنے کا نشان ظاہر ہوا - یہ تو مسلم ہے کہ ولی کی کرامت نبی متبوع کا معجزہ ہے - پھر جبکہ کرامت بھی معجزہ ہوئی تو معجزات میں تفریق کرنا ایمانداروں کا کام نہیں ماسوا اسکے حدیث صحیح سے ثابت ہو کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے

بخاری میں وما ارسلنا من رسول ولا نبي ولا محدث کی قرات غور سے پڑھو اور نیز ایک دوسری حدیث میں ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ صوفیہ نے اپنے مکاشفات سے بھی اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تصحیح کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے یعنے بطور مجاز اور استعارہ کے۔ اسیوجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خداتعالےٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں۔ دیکھو صفحہ ۴۹۸ میں یہ الہام ہے ھو الذی ارسل رسوله بالھدی۔ اسجگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو صفحہ ۵۰۴ براہین احمدیہ میں یہ الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء۔ جسکا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔ اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا اور نبی بھی۔ پس جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں اُسکو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوخی ہے۔ اور خدا کے نشانوں کی شہادتیں کسی طرح کمزور نہیں ہو سکتیں خواہ نبی کے ذریعہ سے ہوں یا محدث کے ذریعہ سے اصل تو یہ ہے کہ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کا فیض ایک مظہر پیدا کر کے اپنی گواہی آپ دلاتا ہے اور ولی کو مفت کا نام حاصل ہوتا ہے سو درحقیقت ولی جو مصدق ہے وہ آپ سے زینت پاتا ہے آپ اوس سے زینت نہیں پاتے ولنعم ما قال القائل

ہمہ خوبان عالم را بہ زیور ہا بیارایند   تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسیح موعود کے ظہور کی علامات جو پوری ہونے والی تھیں وہ پوری ہو چکیں۔ صحیح بخاری میں ایک بڑی علامت یہی لکھی گئی تھی کہ وہ غلبۂ صلیب کے وقت میں ظاہر ہوگا چنانچہ حدیث یکسر الصلیب صریح اسی امر پر دلالت کر رہی ہے۔ اب کس عقلمند کو اس بات میں کلام ہو سکتا ہے کہ صلیبی عقائد کی اشاعت کمال کو پہونچ گئی ✝۔ فقرہ یکسر الصلیب کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جنپر کمال وثوق سے یقین کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مونہہ سے نکلے تھے۔ اور جسقدر ہم ان لفظوں میں غور کریں اسیقدر ایک روشنی بخش ثبوت اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ اس امر میں کچھ بھی شک نہیں کہ یہ پیشگوئی بتمامتر صراحت یہی بتلا رہی ہے کہ مسیح آنے والا عیسائی مذہب کے غلبہ میں آئے گا۔ پس طالب حق کو یہ امر ایک فیصلہ شدہ مان لینا چاہیے کہ مسیح موعود کا ظہور عیسائیت کے غلبہ کے وقت سے وابستہ ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ علامت ظہور

✝ دیکھو کیسے لوگ پادریوں کے ہاتھ سے رو رہے ہیں۔ کتاب امہات المومنین نے کیا کیا مسلمانوں کے دلوں کو زخم پہنچایا جس سے انجمن حمایت اسلام لاہور کے لوگوں کو بھی غیرت آئی اور انھوں نے گورنمنٹ میں میموریل بھیجا جو دافعت کے لئے حقیقی علاج نہیں ہے۔ کیا ابتک آسمانی مدد کا وقت نہ آیا؟ افسوس۔ منہ

ہم آچکی ہے۔ اور پادریوں کے حملوں سے اور اُنکی کروڑہا کتابوں کی اشاعت سے جسقدر نادانوں اور غافلوں اور بے خبروں کو دھوکے لگے ہیں اور جسقدر ارتداد کے بازار گرم ہوئے ہیں اور جسقدر سیدنا امام الطیبین خیر المرسلین کی توہین کیگئی ہے اور جسقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور تعلیم اسلام یہانتک کہ اُمہات المومنین ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں کیا کوئی مومن یہ رائے ظاہر کرسکتا ہے کہ ابھی یہ ظالمانہ حملے کمال کو نہیں پہونچے اور ابھی توہین اور جھوٹے الزامات کے لگانے اور **مخلوق کو دھوکہ دینے** اور ارتداد کا بازار گرم کرنے میں کچھ کسر باقی رہگئی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ایسا خیال بجز کسی سیہ دل نادان کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ اور سچا محب اللہ رسول کا جسوقت وہ کتابیں دیکھے گا جو صلیب کی تائید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں لکھی گئی ہیں تو بیشک اُس کا جگر پاش پاش ہوگا اور وہ ضرور سمجھ لیگا کہ یہ وہ غلو ہے جو توہین اسلام اور تائید باطل میں انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ اور جب یہ قبول کرلیا گیا کہ غلو انتہا تک پہونچ گیا ہے تو ساتھ ہی ماننا پڑا کہ کسر صلیب کا وقت آگیا اور جب وقت آگیا تو ساتھ اسکے یہ بھی ماننا پڑا کہ اب وہ دن ہیں کہ جنمیں ضرور ہے کہ مسیح موعود ظاہر ہوچکا ہو کیونکہ خدا کے وعدوں کا ٹلنا محال ہے۔ ہاں ہم باربار یاد دلاتے ہیں کہ کسر صلیب کا وقت تو آگیا لیکن یہ کسر محض روحانی طریق سے ہوگا خدا تعالیٰ نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ جس طرز پر مخالف کے حملے ہوں اُسی طرز پر اُن حملوں کا ذب اور دفع کیا جائے۔ پس جبکہ محض قلم اور تحریر اور تقریر کے رو سے حملے ہیں اسلئے مناسب ہے کہ اسلام کی طرف سے بھی تحریر اور تقریر تک حملے محدود ہوں اور کوئی اشتغال اور غضب جہادی لڑائیوں کے رنگ میں ظاہر نہ ہو بلکہ نرمی اور بُردباری سے دشمن کی غلطیوں کو دور کردیا جائے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ عیسائیوں کی سخت گوئی سُنکر حکام کے آگے استغاثہ کریں کیونکہ یہ بھی ضعف کی نشانی ہے مذہبی آزادی سے جیسا کہ عیسائی فائدہ اُٹھاتے ہیں ایسا ہی مسلمان بھی اٹھا سکتے ہیں مگر تہذیب اور نرمی کے ساتھ۔ یاد رکھو کہ عیسائیوں اور آریوں کی طرف سے ہزار سختی کیجائے گو وہ کیسی ہی بدگوئی کریں گالیاں نکالیں لیکن اگر نرمی سے کام لوگے اور بردباری سے سختی کا جواب دوگے تو ایکدن ضرور ایسا آئے گا کہ نادان معترض سمجھ جائیں گے کہ یہ تمام اعتراضات اُنکی اپنی ہی غلط کاریاں تھیں تب ندامت کیساتھ اپنی شوخیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرینگے۔

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کرکے کہتے ہیں کہ حدیثوں سے مسیح موعود کے ظہور کی یہ علامت ہے کہ اُسوقت صلیبی مذہب کی تائید میں بڑی بڑی کوششیں کیجائیں گی اور نادان لوگ اسقدر بدگوئی اور گالیوں اور فحش بولنے کی نجاست کھائینگے کہ خنزیر بنجائیں گے تب مسیح ظہور کریگا اور روحانی حربہ یعنے اتمام حجۃ سے ان خنزیروں کا کام تمام کردیگا - اور اُسکے ساتھ فرشتے نازل ہونگے یعنے سچائی کی تائید میں کچھ ایسی ہوا چلے گی کہ دلوں کو اسلامی توحید کی طرف پھیریگی اور لوگ باطل عقیدوں سے بالطبع متنفر ہوتے جائینگے اور اسطرح ملل باطلہ پر موت آجائیگی - ان حدیثوں کے یہی معنے واقعی طور پر صحیح ہیں نہ یہ کہ تلوار چلیگی اور تمام دنیا خون میں غرق کیجائے گی -!!

اب جبکہ صلیبی زور اور صلیبی حمایت اور بدگوئی میں قلم زنی انتہا تک پہونچگئی تو وہ علامت جو ہمارے سید ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور مسیح موعود کے لئے مقرر فرمائی تھی ظاہر ہوگئی اور احادیث صحیحہ میں لکھا ہے کہ جب علامات کا ظہور شروع ہوگا تو تسبیح کے دانوں کی طرح جب کہ اُن کا دھاگہ توڑ دیا جائے وہ ایکدوسرے کے بعد ظاہر ہوتی جائیں گی - اس صورت میں ظاہر ہے کہ غلبہ صلیب کی علامت کیساتھہ اور تمام علامتیں بلا توقف ظاہر ہونی چاہییں - اور جو علامتیں اب بھی ظاہر نہ ہوں اُنکی نسبت قطعی طور پر سمجھنا چاہیے کہ وہ علامتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائیں یا بیان فرمائیں مگر اُن سے اُنکے ظاہری معنے مراد نہ تھے کیونکہ جب علامات کا تسبیح کے دانوں کی طرح ایک کے بعد دوسرے کا ظاہر ہونا ضروری ہے تو جو علامت اس نظام سے باہر رہ جائے اور ظاہر نہ ہو اُس کا باطل ہونا ثابت ہوگا - دیکھو یہ علامتیں کیسی ایکدوسرے کے بعد ظہور میں آئیں - (۱) چودھویں صدی میں سے چودہ برس گذر گئے جسکے سر پر ایک مجدد کا پیدا ہونا ضروری تھا - (۲) صلیبی حملے مع فحش گوئی اسلام پر نہایت زور سے ہوئے جو کسر صلیب کرنیوالے مسیح موعود کو چاہتے تھے ✽ - (۳) ان حملوں کے کمال جوش کے وقت میں ایک شخص ظاہر ہوا جسنے کہا کہ میں مسیح موعود ہوں - (۴) آسمان پر حدیث کے موافق ماہ رمضان میں سورج اور چاند کا کسوف خسوف ہوا - (۵) ستارہ ذوالسنین نے طلوع کیا - وہی ستارہ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا جس کی نسبت حدیثوں میں پیشگوئی کیگئی تھی کہ وہ آخر زمان یعنے مسیح موعود کے وقت میں نکلے گا - (۶) ملک میں طاعون پیدا ہوا ابھی معلوم نہیں کہانتک انجام ہو - یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ آخر زمان یعنے مسیح موعود کے زمانہ میں طاعون پھوٹے گی -

✽ نوٹ - قرآن شریف میں بھی آخری زمانہ میں پادریوں اور مشرکوں کا اسلام پر اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگوئی اور فحش گوئی کے ساتھ زبان کھولنا بیان فرمایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا - یعنے تم اہل کتاب اور مشرکوں سے دلآزار اور دکھ دینے والی باتیں بہت سنوگے سو جسقدر اس زمانہ میں دلآزار باتیں کی گئیں جنکی نظیر تیرہ سو برس میں نہیں پائی گئی اسلئے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا یہی زمانہ ہے منہ

(۷) حج بند کیا گیا۔ یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ آخر زمان یعنے مسیح کے زمانہ میں لوگ حج نہیں کر سکینگے۔ کوئی روک واقع ہوگی۔ (۸) ریل کی سواری پیدا ہوگئی۔ یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جو صبح اور شام اور کبھی وقت چلیگی اور تمام مدار اسکا آگ پر ہوگا اور صدہا لوگ اسمیں سوار ہونگے۔ (۹) بباعث ریل اکثر اونٹ بیکار ہوگئے۔ یہ بھی حدیثوں اور قرآن شریف میں تھا کہ آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہوگا اونٹ بیکار ہو جائینگے۔ (۱۰) جاوا میں آگ نکلی۔ اور ایک مدت تک کنارہ آسمان سرخ رہا۔ یہ بھی حدیثوں میں تھا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایسی آگ نکلے گی۔ (۱۱) دریاؤں میں سے بہت سی نہریں نکالی گئیں۔ یہ قرآن شریف میں تھا کہ آخری زمانہ میں کئی نہریں نکالی جائیں گی۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی علامتیں ظہور میں آئیں جو آخری زمانہ کے متعلق تھیں۔ اب چونکہ ضرور ہے کہ تمام علامتیں یکے بعد از دیگرے واقع ہوں اسلئے یہ ماننا پڑا کہ جو علامت ذکر کردہ عنقریب وقوع میں نہیں آئیگی وہ یا تو جھوٹھ سے جو ملایا گیا۔ اور یا یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اور معنوں سے یعنے بطور استعارہ یا مجاز وقوع میں آگئی ہے۔ اور طریق عقلی بھی یہی چاہتا ہے کہ مسیح موعود کا اسی طرح ظہور ہو کیونکہ عقل کے سامنے ایسی کوئی سنت اللہ نہیں جس سے عقل اس امر کو شناخت کر سکے کہ آسمان سے بھی لوگ صدہا برس کے بعد نازل ہوا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نئے نشان بھی یہی گواہی دے رہے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا تو بموجب وعدہ قرآن شریف چاہیے تھا کہ جلد تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اسکو ترقی دے رہا ہے۔ بہت سے نشان ایسے ظاہر ہو چکے ہیں کہ اگر ایک منصف سوچے تو بدیہی طور پر ان نشانوں کی عظمت اسپر ظاہر ہو سکتی ہے۔ لیکھرام کی موت کی پیشگوئی کس معرکہ کی پیشگوئی تھی اور کس زور شور سے پوری ہوئی۔ کسقدر پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہو چکیں۔ کہاں ہے آتھم؟ اور کہاں ہے لیکھرام؟ اور کہاں ہے احمد بیگ؟ اگر ذرہ عقل سے کوئی شخص کام لے تو اُسے معلوم ہوگا کہ یہ تینوں شخص پیشگوئیوں کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ براہین احمدیہ کی پیشگوئیاں جو اس زمانہ سے سترہ سال پہلے لکھی گئیں کسقدر عظمت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ انمیں ان تمام امور کا نقشہ کھینچکر دکھلایا گیا ہے جو آجتک بعد میں ظہور میں آتے رہے۔ براہین احمدیہ میں قبل از وقت بذریعہ الہام یہ بتلایا گیا ہے کہ دور دور سے

لوگ آئیں گے اور اس جماعت میں داخل ہونگے اور خدا بہت سے ممدّ و معاون پیدا کرے گا جو اپنے مالوں کیساتھ مدد دینگے۔ اور یہ بھی براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ تین فتنے تین قوموں مسلمانوں اور پادریوں اور آریوں کی طرف سے برپا ہونگے۔ اب دیکھو کہ یہ سب باتیں کس صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں۔ اور ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ کی نسبت اور اسکے انجام کے بارہ میں دو ماہ پیشتر اپنی جماعت میں قریباً دو سو آدمی کو بتلایا گیا۔ دیکھو وہ جیسا کہ بتلایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ مہوتسو کے جلسہ کی نسبت الہامی اشتہار دیا گیا تھا کہ ہمارا مضمون بالا رہے گا اور وہ اشتہار قبل از وقت ہندوؤں اور مسلمانوں سب کو پہنچایا گیا تھا۔ دیکھو وہ الہام کیسا سچ نکلا۔ اب خود سوچو کہ کیا اسقدر الہام جو بعض انمیں سے سترہ سال پہلے بتلائے گئے کیا یہ انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں بلکہ یہ خدا تعالےٰ کا کام ہے تا وہ اپنے بندے کی سچائی پر گواہی دے۔ یہ وہی گواہی ہے جسکی نسبت براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۰ میں یہ الہام ہے قل عندی شہادة من اللّٰہ فھل انتم مومنون۔ قل عندی شہادة من اللّٰہ فھل انتم مسلمون۔ ترجمہ۔ انکو کہہ کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے پس کیا تم مانتے ہو کیا تم اطاعت کرتے ہو؟۔ دیکھو کسقدر گواہیاں میرے اس دعویٰ پر ہیں۔ (۱) وہ نشان جو میرے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں الگ گواہیاں ہیں۔ (۲) ہمارے سید و مولیٰ کی علامات مقرر کردہ کا اسوقت پورا ہونا یہ الگ شہادتیں ہیں (۳) اہل کشف کی پیشگوئیوں کا اس زمانہ میں میرے حق میں پورا ہونا جیسے شاہ ولی اللہ کی پیشگوئی اور نعمت اللہ کی پیشگوئی اور گلاب شاہ کی پیشگوئی یہ تمام الگ شہادتیں ہیں۔ (۴) اور صدی کے سر کا ایک ایسے مجدد کو چاہنا جو کسر صلیب کے لئے مامور ہو یہ الگ شہادة ہے۔ (۵) زمانہ کی حالت موجودہ کا ایسے امام کو چاہنا جو آفات حملہ صلیبیہ کے مناسب حال ہو یہ الگ شہادة ہے۔ غرض ہر ایک طریق سے حجت پوری ہو گئی ہے۔ اب جو شخص انکار کرتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے ارادہ کا مقابلہ کر رہا ہے۔

اگر کوئی شخص تعصب سے الگ ہو کر اور پاک طبیعت لیکر ہمارے ان دلائل کو بامعان نظر دیکھے گا وہ نہ صرف یہی دلائل بلکہ دلائل پر دلائل معلوم کریگا اور ثبوت پر ثبوت اُسے نظر آئے گا۔ جو لوگ اس بات کو نہیں مانتے کہ یہی وقت مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے انکو بڑی دقتیں پیش آئی ہیں اور اُن کا دل ہر وقت انھیں جتلا رہا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے الزام کے نیچے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ زمانہ آگیا اور بہت سا حصہ

اسمیں سے گذر بھی گیا- پھر اسوقت مسیح موعود کے ظہور سے انکار گویا خدا اور اسکے رسول کے فرمودہ سے انکار ہے- کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آفتیں برپا ہیں جنکا برپا ہونا مسیح موعود کے ظہور کے لئے ایک پختہ اور قطعی علامت ٹھہرایا گیا تھا- کیا انھیں معلوم نہیں ہوا کہ کسوف خسوف رمضان پر بھی کئی سال گذر گئے جو دار قطنی میں امام باقر سے مہدی موعود کا نشان قرار دیا گیا تھا اور اُس کا معجزہ سمجھا جاتا تھا- اور یہ نشان مہدی موعود یعنے خسوف کسوف ماہ رمضان میں فتاوٰی ابن حجر میں بھی لکھا گیا تھا جو حنفیوں کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے- پھر کیا وجہ کہ زمین کے نشان بھی ظاہر ہو گئے اور آسمان کے بھی مگر مسیح موعود ظاہر نہ ہوا؟ کیا ارتداد کی وبا پھوٹ نہیں پڑی؟ کیا ابتک کئی لاکھ آدمی طعمۂ نہنگ مخلوق پرستی نہیں ہو چکا؟ کیا عیسائیت آگ کے طوفان کی طرح بہت سے گھروں کو کھا نہیں گئی- پس کیا ابتک وہ وقت نہیں پہنچا کہ خدا کی نظر گم گشتہ انسانوں کو رحم کی نظر سے دیکھے اور صلیبی حملوں کی کسر میں مشغول ہو؟ کیا اسی غرض سے چودھویں صدی کے سر کی انتظار نہیں تھی؟- سچ کہو عام مسلمانوں کا کانشنس بموجب قول مشہور **زبانِ خلق نقارۂ خُدا** چودھویں صدی کی نسبت کیا بول رہا تھا-! سو بھائیو آؤ **خدا سے صلح کرو**- یہی پرہیزگاری کا کام ہے- آسمان اپنی غیر معمولی سماوی حوادث سے ڈرا رہا ہے- زمین بیماریوں سے انذار کر رہی ہے- مُبارک وہ جو سمجھے-

اور یہ عذر جسکو ہمارے کوتہ اندیش علماء بار بار پیش کیا کرتے ہیں کہ مسیح کا آسمان سے نازل ہونا اور منارۂ دمشقی کے قریب اترنا ضروری ہے یہ اُن دلائل اور نشانوں اور ثابت شدہ واقعات کے مقابل پر جو اس کتاب میں لکھے گئے ہیں ایسی فضول بات اور کچا خیال ہے جس پر ایک عقلمند نہایت افسوس کیسا تھ تعجب کرے گا- افسوس ان لوگوں کو ابتک یہ خیال نہیں آتا کہ ایسی عبارتیں کہ جو محکمات اور بیّنات کے مقابل میں پڑیں وہ واجب التاویل ہیں کیا خدا کا کلام نعوذ باللہ اختلافات اور تناقضات کا مجموعہ ہے؟ بلکہ اگر خدا تعالےٰ کا خوف ہو تو ایسی عبارتوں کے جس طور سے چاہو معنے کر سکتے ہو پھر کیا ضرور کہ ان حدیثوں کے ایسی معنے کئے جائیں جو ثابت شدہ نشانوں اور بیّنات کے مقابل پر پڑیں- قرآن شریف میں آیت انزل ذکراً رسولاً میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نازل ہی لکھا گیا ہے مگر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت آسمان سے نازل ہوئے تھے؟ سو اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور تناقض کو درمیان سے اٹھاؤ- ایسی عبارتوں

کی بہت سادہ طور پر توجیہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ مسیح موعود دمشق کے مشرقی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوگا۔ اور اسمیں کیا شک ہے کہ قادیاں دمشق کی مشرقی طرف ہے۔ اور ایسا ہی کئی اور توجیہیں ہو سکتی ہیں جو واقعات ثابت شدہ کے منافی نہیں ہیں۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ بعض اقوال صحابہ میں نزول کیساتھ اٰتی کا لفظ آیا ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف کیلئے مستعمل ہے"۔ مگر وہ نہیں سمجھتے کہ جس حالت میں استعارہ کے طور پر خدا تعالیٰ کے ماموروں کی نسبت توریت اور انجیل اور قرآن میں یہ محاورہ آگیا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں تو اس صورت میں استعارہ کیطور پر مسیح موعود کے نزول کیساتھ آتی کا لفظ ملانا کونسی غیر محل بات ہے۔ کیا قرآن میں نہیں ہے انزل ذکراً رسولا ؟ اور جس حالت میں قرآن شریف سے قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے اور صحیح بخاری میں اُن آیات کے معنے بھی وفات دینا ہی بیان کیا ہے اور بڑے بڑے اماموں جیسے امام مالک اور ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے تو پھر کیوں اسلام کے عقائد میں ناحق تفرقہ اور تناقض پیدا کیا جاتا ہے ؟ ہمارے مخالف اس کا جواب بجز دھوکہ اور خیانت کی باتوں کے کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ غایت کار کہتے ہیں کہ بخاری میں جو یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پانے میں اپنے تئیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے مشابہت دی اور فرمایا کما قال العبد الصالح اس سے سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فوت نہیں ہوئے کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں فرق چاہیئے"۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر مکر اور دجل ہے کہ یہ لوگ استعمال میں لا رہے ہیں۔ عقلمند سوچیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں کسقدر فرق تو ضرور ہوتا ہے مگر کیا یہ فرق کہ ایک زندہ ہو اور دوسرا مُردہ۔ مُردہ کو زندہ سے کیا مشابہت ہے اور زندہ کو مردہ سے کیا مناسبت۔ بلکہ علم معانی میں اس امر کی تصریح کیگئی ہے کہ اصل امر میں مشبہ اور مشبہ بہ اشتراک رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ زید شیر کی مانند ہے تو زید اور شیر دونوں مشبہ اور مشبہ بہ ٹھہرینگے۔ لیکن اس تشبیہ سے یہ مراد ہرگز نہیں ہوگی کہ زید بزدل ہے اور شیر شجاع ہے بلکہ اصل امر جو شجاعت ہے دونو کا اسمیں اشتراک ہوگا اور صرف یہ فرق ہوگا کہ وہ ایک درندہ کی شجاعت ہے اور یہ ایک انسان کی شجاعت۔ مگر نفس امر شجاعت دونوں میں پایا جائے گا۔ یا مثلاً یہ جو کہا جاتا ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی

ابراھیم تو اس سے ہرگز نہیں سمجھا جاتا کہ مفہوم صلوٰۃ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ غیر اُس مفہوم کا ہے جو حضرت ابراھیم کی نسبت استعمال کیا گیا ہے - ایسا خیال کرنا تو سراسر حماقت ہے - پس اسی طرح یہ بھی حماقت ہو کہ آیت فلمّا توفّیتنی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے آنجناب کی وفات مراد لیجائے اور بہر حسب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اسی آیت کو منسوب کریں تو انکی حیات مراد لیجائے تو یہ تشبیہ کیونکر ٹھہری یہ دونوں امر تو ایکدوسرے کے ضد واقع ہیں - اس سے زیادہ اور کوئی حماقت نہیں ہوگی کہ تشبیہ میں مخالفت اور منافات تلاش کیجائے - ہاں جس فرق کا مشبہ مشبہ بہ میں باوجود اشتراک امر مشابہت کے ہونا ضروری ہے اسجگہ وہ فرق اسطرح پر ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا جواب دینا تھا کہ انکے مرنے کے بعد اُنکی پرستش ہوئی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا جواب دینا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد بعض لوگ اسلام کی سنتوں اور راہوں پر قائم نہ رہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی - اس اختلاف سے جو دونوں کی ضلالت میں پایا جاتا ہی مشبہ اور مشبہ بہ کا فرق ظاہر ہو گیا اور یہی ہونا چاہیے تھا نہ یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ ایکدوسرے کے نقیض ہوں جیسے مردہ اور زندہ اور بزدل اور شجاع -

میں نہیں کہہ سکتا کہ مولوی لوگ باوجود عقل رکھنے کے محض غلطی کی وجہ سے ایسی ایسی بیہودہ باتیں مونہہ پر لاتے ہیں بلکہ عمداً اُن کا یہ ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو دھوکہ دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے قبول کرنے سے محروم رکھیں یہانتک کہ انہیں سے بعض لوگوں نے عوام میں یہ باتیں مشہور کر رکھی ہیں کہ مہدی موعود کی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اُسکے بدن میں بجائے خون کے دودھ ہوگا اس افترا کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مہدی موعود کو قتل نہ کرو اور اُس کی رگوں میں سے دودھ نہ نکلے اُس کا سچا ہونا ثابت ہی نہیں ہو سکتا - اسی نے عوام میں مشہور ہے کہ انگریز جو چیچک کا ٹیکہ لگاتے ہیں وہ ٹیکا نہیں بلکہ مہدی کی تلاش کر رہے ہیں اور آزماتے ہیں کہ جس کے بدن میں سے بجائے خون دودھ نکلے گا پس وہی مہدی ہے اُسکو پکڑ لو حالانکہ اس گورنمنٹ دانشمند کو ان واہیات باتوں سے کچھ بھی تعلق نہیں کوئی مہدی ہو یا مسیح ہو اس سے انکو کچھ غرض واسطہ نہیں جب تک کہ وہ بغاوت کے خیالات

پھیلانے سے امور سلطنت میں خلل انداز نہ ہو اور مفسدہ پردازی نکرے۔ غرض ان لوگوں نے ایسی ہی اباطیل اور اکاذیب شایع کرکے بجائے علم اور حکمت کی حمق اور جہالت کو اسلام میں پھیلایا ہے۔ کوئی ان لوگوں کو نہیں پوچھتا کہ اے نیک بختو! اب تو حضرت مسیح کے دنیا سے جانے پر دو ہزار برس بھی ہونے لگے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو تیرہ سو برس گذر کر چودھویں صدی میں سے بھی چودہ برس گذر گئے کیا ابتک مسیح موعود اور مہدی معہود کی پیشگوئیاں آگے ہی آگے چلی جاتی ہیں؟۔ مولویوں کی اس حاسدانہ تکذیب اور تکفیر نے جو ہماری نسبت کی گئی اس امر کو پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ درحقیقت تقویٰ اور خدا ترسی سے خالی تھے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ متقی کو ہرگز ضایع نہیں کرتا اور گمراہ ہونے نہیں دیتا۔

ایک بڑے افسوس کے لائق ذکر یہ ہے کہ جیسے ایک مسافر وبا کا اثر اپنے ساتھ لیکر اوروں کو بھی اندیشۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے اسیطرح ہمارے علماء کا بھی یہی حال ہے۔ ایک شخص بہت سے اسباب حقد اور کینہ کی وجہ سے تکفیر اور تکذیب اور سب اور شتم پر آمادہ ہوتا ہے اور دوسرا آنکھ بند کرکے اسکی باتیں سنتا اور اسکی اکاذیب سے متاثر ہو کر ایسا ہی ایک زہردار جاندار بنجاتا ہے جیسا کہ پہلا شخص تھا۔ اور اس طرح ایک وبا کی طرح ایک سے دوسرے تک یہ مرض پہنچتا ہے یہانتک کہ لوگ اپنے تمام ایمان اور تقویٰ کو الوداع کہکر شخص مفسد کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اور جیسا کہ آجکل دریافت کیا گیا ہے کہ مادہ وبا طاعون دراصل کیڑے ہیں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر پیروں کے ذریعہ سے انسان کے خون سے ملتے ہیں ایسا ہی سچائی سے اعراض کرنے کی وبا جو آجکل پھیل رہی ہے اس کا موجب بھی کیڑے ہی معلوم ہوتے ہیں جو مختلف ناموں حسد یا حمق یا تعصب یا کبر سے موسوم ہو سکتے ہیں۔ جسقدر اسلام میں عیسائی مذہب کے باطل عقیدوں نے دخل پایا ہے وہ دخل بھی درحقیقت ان ہی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی فساد ترک تقویٰ اور **جہل** اور نادانی کا اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ بوجہ مناسبت صوری طبایع فاسدہ ایسے عقائد اور طریقوں کو قبول کرنے کے لئے پہلے سے ہی طیار تھیں۔ چونکہ ہر ایک شخص کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اسلئے ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے مقابل پر تقویٰ کو ضایع کیا اور راستی سے دشمنی کی وہ نہایت خطرناک حالتیں ہیں۔

اور اگر وہ اس بدسیرتی میں اور بھی ترقی کریں اور رفتہ رفتہ کھلے کھلے طور پر قرآن شریف سے مونہہ پھیر لیں تو اُن سے کیا تعجب ہے۔!!

حالات موجودہ سخت خوف میں ڈالتے ہیں کیونکہ وہ زیرکی جو زمانہ کے مناسب حال ان لوگوں میں پیدا ہونی چاہیے تھی وہ انکو چھو بھی نہیں گئی آجتک یہ لوگ اس قابل بھی نہیں ہوئے کہ اُن موٹے اور خائنانہ اعتراضات کا جواب دے سکیں جو پادریوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ حالانکہ پادریوں کے اعتراض ایسی بیہودہ ہیں کہ گو بظاہر کیسے ہی ملمع کر کے دکھلائے جائیں لیکن اگر پردہ اٹھا کر دیکھو تو بالکل کمزور اور ہنسی کے لائق ہیں۔ یہ لوگ یعنے عیسائی علوم عربیہ اور ہماری کتب دینیہ سے سخت غافل سخت بیخبر اور قابل شرم باتیں پیش کرتے ہیں تاہم اُن مولویوں کی حالت پر افسوس جو ہمیں تو کافر اور کاذب قرار دیں لیکن جو واقعی طور پر انکو خدمت دینی کرنی چاہیے تھی نہ وہ خدمت کرتے ہیں اور نہ اس لائق ہیں کہ کر سکیں۔ افسوس نہیں سوچتے کہ ایسے دعوے پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے رو سے ایکدن ضرور ہی واقع ہونے والا تھا اسقدر تکذیب کا زور دینا پرہیزگاری کی شان سے بہت ہی بعید تھا۔ پھر جبکہ الیتیں وہ دعویٰ مجرد دعویٰ ہی نہ تھا اسکے ساتھ قرآن اور حدیث کی شہادتیں تھیں اسکے ساتھ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ شہادتیں تھیں اسکے ساتھ آسمانی نشان تھے اسکے ساتھ صدی کا سر بھی تھا اسکے ساتھ علامات قرار دادہ کا وقوع تھا تو یہہ شتاب کاریاں کب مناسب تھیں اے زود رنج اور بداخلاقی اور بدظنی میں غرق ہونے والو! وہ پیشگوئی جو بڑے شد و مد سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور خود اُس کا وقت بھی مقرر فرما دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اس شخص کو قبول کرو تو کیا ایسا دعویٰ جو رسول کریم کی پیشگوئی کی بنا پر اور عین وقت پر تھا جسمیں اُس پیشگوئی کی تصدیق تھی ایسی چیز تھی کہ ایک معمولی نظر سے اسکو دیکھا جائے اور اُس سے بے پروائی ظاہر کیجائے یہ بات تو کوئی نئی نہ تھی کہ آنے والا خواہ محدث ہو یا رسول یا نبی خدا تعالیٰ کی کسی کتاب یا احادیث کے وہ معنے کرے جو اُس قوم نے نہیں کئے جن کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقتمیں ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کے یہ معنے کئے کہ درحقیقت وہی یعنے ایلیا ہی دوبارہ

آجائے گا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اُن آیتوں کے یہ معنے نہ کئے بلکہ دوبارہ آنے کو استعارہ اور مجاز قرار دیا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہود نے توریت کے بعض مقام کے یہ معنے کئے کہ آخری نبی جو انکو غیر حکومتوں سے چھڑائے گا وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معنے کئے کہ وہ بنی اسمٰعیل میں سے ہے۔ ایسا ہی اسوقت میں ہوا۔ اور ایک شخص جو ذرہ عقل اور فہم سے کام لے سمجھ سکتا ہے کہ جو بعض مقامات قرآن شریف مثلاً وفات یا حیات حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر امور جو ہمارے اور مخالف علماء میں متنازعٌ فیہ ہیں انمیں ہماری طرف سے کیسے شافی دلائل بیان کئے گئے ہیں اور کیسے کامل طور پر حضرت عیسیٰ کی وفات کا ثبوت دیا گیا ہے۔

اور اگر کوئی شخص اس بحث میں نہ پڑے تو اسکو اس مختصر سوال کا جواب دینا چاہیے کہ کیا مسیح موعود کا فہم زیادہ قابل اعتبار ہے یا اسکے مخالفوں کا فہم؟۔ فرض کرو کہ مخالف علماؤں کی آرزوؤں کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی آسمان سے نازل ہوئے اور کئی مقامات قرآن اور حدیث میں علماء سے اُن کا جھگڑا ہے جیسا کہ **مجدد الف ثانی صاحب** اپنے مکتوبات میں لکھتے بھی ہیں کہ ضرور مسیح موعود کا بعض مسائل میں علماء وقت سے اختلاف ہوگا اور سخت نزاع واقع ہوگی اور قریب ہوگا کہ علماء انپر حملہ کریں تو میں آپ صاحبوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے وقت میں کس کا فہم صحیح سمجھا جائیگا اور تقویٰ کا طریق کیا ہوگا؟۔ کیا اُس مسیحیت کے مدعی کا فہم لائق ترجیح اور تقدیم ہوگا یا علماء مخالف کا فہم۔؟۔ اگر کہو کہ علماء کا فہم تو یہ امر تو بہ بداہت واضح البطلان ہے۔ اور اگر کہو کہ مسیحیت کے مدعی کا فہم تو پھر تمام منقولی بحثیں ختم ہو گئیں۔ اس صورت میں تو تمہیں مان لینا چاہیے کہ مسیح موعود جو کچھ قرآن اور حدیث کے معنے کرے وہی ٹھیک ہیں٭ اور پھر جبکہ آثار میں یہ خبر موجود ہی اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی جیسا بزرگوار بھی شہادت دیتا ہے کہ مسیح موعود سے ضرور علماء کا اختلاف ہوگا حتیٰ کہ آمادہ فساد ہو جائیں گے تو پھر اس جھگڑے کو ذہن میں رکھکر یہ شہادۃ دینی ضروری ہے کہ ایسے اختلاف کیوقت مسیح موعود حق پر ہوگا اور اُس کا فہم سند پکڑنے کے لائق ہوگا اور اُسکے مقابل پر جو دوسروں نے سمجھا ہے وہ رد کرنے کے لائق ہوگا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب پہلی کتابوں

٭ اصل بات یہہ ہے کہ مسیحیت یا نبوت وغیرہ کا دعویٰ کرنیوالا اگر درحقیقت سچا ہے تو یہ امر ضروری ہے کہ اُس کا فہم اور درایت اور لوگوں سے بڑھکر ہو تو اس صورت میں انمیں اور اسکے غیر میں کلام الٰہی کے معنے کرنیمیں بعض جگہ اختلاف واقع ہونا ضروری ہے۔ سو ایسے اختلاف کی بنا پر واویلا مچانا محرومی اور بدنصیبی کی نشانی ہے۔ منہ

میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی نسبت پیشگوئی کی گئی تھی ہمیں بھی یہی لکھا گیا تھا کہ یہود اُس مسیح موعود سے بعض مسائل میں اختلاف اور جھگڑا کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بڑا جھگڑا یہود نے یہ کیا کہ ایلیا دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اور لکھا گیا تھا کہ جب تک ایلیا دوبارہ دنیا میں نہ آوے مسیح موعود نہیں آویگا پھر یہ شخص کیونکر آگیا۔ اسوقت نیک دل انسانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ شخص یعنے عیسیٰ جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ نشان دکھلاتا ہے اسلئے اس کا فہم مقدم اور قبول کے لائق ہے۔ اور دوسرے جاہل لوگ مولویوں سے متفق ہوگئے۔ اور آثار میں تھا کہ اسلام میں جو مسیح موعود آئے گا اُسکے ساتھ بھی علماء بعض مسائل میں جھگڑا کرینگے اور قریب ہوگا کہ اُسپر حملہ کریں۔ سو وہی جھگڑا اور اُسی رنگ میں اب بھی شروع ہوگیا۔ مگر یہ جھگڑا ایسے شخص کیساتھ کرنا کہ جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور نشان دکھلاتا ہو سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ ہر ایک کو اوّل تو یہ مان لینا چاہیے کہ مسیح موعود کیساتھ ضرور جھگڑا ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ اسوقت مسیح موعود کا فہم اعتبار کے لائق ہوگا نہ دوسروں کا فہم کیونکہ وہ خدا کے فرستادہ کا فہم ہے۔ ہاں اگر یہ شک ہو کہ شاید یہ شخص مسیح موعود نہیں ہے تو اسکو اسی طرح پرکھنا چاہیے جیسا کہ سچے نبیوں کو نیک نیتی کے ساتھ پرکھا گیا۔ مگر قرآن اور حدیث کی تفسیر کیوقت بہرحال مسیح موعود کا قول قابل قبول ہوگا۔

بالآخر یاد رہے کہ جسقدر ہمارے مخالف علماء لوگونکو ہم سے نفرت دلا کر ہمیں کافر اور بے ایمان ٹھہراتے اور عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص معہ اپنی تمام جماعت کے عقائد اسلام اور اصول دین سے برگشتہ ہے" یہ ان حاسد مولویوں کے وہ افترا ہیں کہ جب تک کسی دل میں ایک ذرہ بھی تقویٰ ہو ایسے افترا نہیں کرسکتا۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنا رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کی کلام یعنے قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اسکو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کیوقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جنکی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اُسکے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھکر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں اُن سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہمپر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہمپر افترا کرتا ہے۔ اور قیامت میں ہمارا اُسپر یہ دعویٰ ہے کہ کب اُسنے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔!!

یاد رہے کہ ہم میں اور ان لوگوں میں بجز اس ایک مسئلہ کے اور کوئی مخالفت نہیں۔ یعنے یہ کہ یہ لوگ نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں اور ہم بموجب نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ متذکرہ بالا کے اور اجماع ائمہ اہل بصارت کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں اور نزول سے مراد وہی معنے لیتے ہیں جو اس سے پہلے حضرت ایلیا نبی کے دوبارہ آنے اور نازل ہونے کے بارہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

معنے کئے تھے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون - اور ہم بموجب نص صریح قرآن شریف کے جو آیت و یمسك التی قضٰے علیھا الموت سے ظاہر ہوتی ہے اسبات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو لوگ اس دنیا سے گذر جاتے ہیں پھر وہ دنیا میں دوبارہ آباد ہونے کے لئے نہیں بھیجے جاتے اسلئے خدا نے بھی اُنکے لئے قرآن شریف میں مسائل نہیں لکھے کہ دوبارہ آکر مال تقسیم شدہ اُنکا کیونکر اُن کو ملے - افسوس کہ ہمارے مخالف ابتک کہے جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمانوں پر زندہ ہیں اور اُسوقت آئینگے کہ جب عیسائی مذہب تمام روئے زمین سے اسلام کو نابود کر دیگا اور کہتے ہیں کہ اگرچہ ابتک کروڑہا کتابیں اسلام کے رد میں لکھی گئیں اور کئی لاکھ آدمی مرتد ہو گئے اور کئی کروڑ انسان بے قید اور بدخیال اور ناپارسا طبع ہو گیا مگر ابھی تک اسلام بکلی نابود تو نہیں ہوا اسلئے حضرت عیسیٰ ابھی اس صدی کے سر پر نہ آسکے کیونکہ وہ آسمان پہ بیٹھے اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب پورے طور پر اسلام دنیا سے نابود ہوتا ہے“ - لیکن ان خیالات کے حامیوں کو سب سے پہلے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ خدا نے صریح لفظوں میں حضرت عیسیٰ کی وفات کو قرآن کریم میں ظاہر فرما دیا ہے - دیکھو کیسی یہ آیت یعنے فلما توفیتنی حضرت عیسیٰ کی وفات پر نص صریح ہے اور اب اس آیت کے سننے کے بعد اگر کوئی حضرت عیسیٰ کی وفات سے انکار کرتا ہے تو اُسے ماننا پڑتا ہے کہ عیسائی اپنے عقائد میں حق پر ہیں کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہی کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد بگڑینگے - پھر جبکہ اس آیت سی موت ثابت ہوئی تو آسمان سی نازل کیونکر ہونگے - آسمان پر مُردے تو نہیں رہ سکتے -

ماسوا اسکے جبکہ مسیح کا کام کسر صلیب ہی تو ایسے وقت میں کہ بجائے کسر صلیب کے کسر اسلام ہی ہو جائے مسیح کا آنا کیا فائدہ دیگا - ”پس از انکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد“ - اب جبکہ صرف ساٹھ برس سے پنجاب پر عیسائی مذہب کا تسلط ہو کر یہ نوبت ارتداد پہونچگئی ہے اور چودہ برس چودھویں صدی میں سے گذر گئے اور مسیح موعود نہ آیا تو گویا کم سے کم سو برس کی اور پادریونکو مہلت دیگی کیونکہ بموجب آثار صحیحہ کے مسیح موعود کا صدی کے سر پر آنا ضروری ہے - پس اس صورتمیں خیال کر لینا چاہیے کہ کیا اس مدت تک اسلام میں سے کچھ باقی رہے گا ؟ - اس سے تو نعوذ باللہ یہہ سمجھا جاتا ہے کہ

خدا تعالیٰ کا خود ارادہ ہے کہ اسلام کو دُنیا پر سے اٹھا دے - کیونکہ رحم کرنے کا وقت تو یہی تھا جبکہ اسلام پر سخت حملے کئے گئے سخت بے ادبیاں کی گئیں - لاکھوں انسان مرتد ہو چکے جسمانی وباؤں میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جب مثلاً کسی حصۂ ملک میں طاعون پھیلتی ہے تو دانشمند لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اب عنقریب ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے عزیز بھی نشانۂ طاعون بننے کو ہیں - تب اُسی وقت سے تدابیر مناسبہ عمل میں لائی جاتی ہیں - حکام بھی قلع قمع مرض کے لئے پوری توجہ کرتے ہیں - طبیب جاگ اٹھتے ہیں - لہٰذا اب انصافاً بتلاؤ کہ کیا ملک میں یہ طاعون نہیں پھیلی؟ کیا ابتک اسلام کے رد میں دس کروڑ کے قریب کتاب نہیں لکھی گئی؟ کیا اس طاعون کی ابتک کئی لاکھ وارداتیں نہیں ہوئی؟ کیا یہ سچ نہیں کہ کئی لاکھ بیمار نیچریت کے رنگ میں فلسفیت کے رنگ میں اباحت کے رنگ میں مخلوق پرستی کے رنگ میں وساوس اور شبہات کے رنگ میں غفلت اور لاپروائی کے رنگ میں بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہیں؟

پھر کیا سبب کہ اسوقت بھی اللہ تعالیٰ اپنی اُس وحی کو یاد نہ کرے کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون -

ہماری آخری نصیحت یہی ہے کہ تم اپنے ایمان کی خبرداری کرو - نہ ہو کہ تم تکبر اور لاپروائی دکھلا کر خدائے ذو الجلال کی نظر میں سرکش ٹھہرو - دیکھو خدا نے تم پر ایسے وقت میں نظر کی جو نظر کرنے کا وقت تھا سو کوشش کرو کہ تا تمام سعادتوں کے وارث ہو جاؤ - خدا نے آسمان پر سے دیکھا کہ جس کو عزت دیگئی اسکو پیروں کے نیچے کچلا جاتا ہے - اور وہ رسول جو سب سے بہتر تھا اُسکو گالیاں دیجاتی ہیں - اُسکو بدکاروں اور جھوٹوں اور افترا کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے - اور اُسکی کلام کو جو قرآن کریم ہے بُرے کلموں کے ساتھ یاد کر کے انسان کا کلام سمجھا جاتا ہے - سو اُسنے اپنے عہد کو یاد کیا وہی عہد جو اس آیت میں ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون - سو آج اُسی عہد کے پورے ہونے کا دن ہے - اُسنے بڑے زور آور حملوں اور طرح طرح کے نشانوں سے تم پر ثابت کر دیا کہ یہ سلسلہ جو قائم کیا گیا اسکا سلسلہ ہے - کیا کبھی تمہاری آنکھوں نے ایسے قطعی اور یقینی طور پر وہ خدا تعالیٰ کے نشان دیکھے تھے جو اب تم نے دیکھے؟ خدا تمہارے لئے کُشتی کرنے والوں کی طرح ✠ غیر قوموں سے لڑا اور اُنپر فتح پائی - دیکھو آتھم کے معاملہ میں بھی ایک کُشتی تھی - تلاش کرو آج آتھم کہاں ہے؟ سُنو!

✠ آتھم کے متعلق الہام شرطی تھا اگر کوئی شخص صریح بے ایمانی پر ضد نہ کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آتھم نے اپنے اقوال سے اپنے افعال سے اپنے قسم نہ کھانے سے اور باوجود حملوں کے دعوے کے نالش نہ کرنے سے ثابت کر دیا کہ اُس نے اپنے دل میں رجوع کر کے الہامی شرط کو پورا کیا - اور اگر کوئی نادان اب بھی خیال کرے کہ اُس کا رجوع کرنا مشتبہ ہے تو خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے فیصلہ سے ہماری تائید میں دوسرا [illegible]

آج وہ خاک میں ہے۔ وہ اُسی شرط کیموافق جو الہام میں تھی چند روز چھوڑا گیا اور پھر اُسی شرط کیموافق جو الہام میں تھی پکڑا گیا۔ **دوسری کشتی** لیکھرام کا معاملہ تھا۔ پس سوچکر دیکھو کہ اس کشتی میں بھی خدا تعالے کیسے غالب آیا۔ اور تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ جس طرح اُسکی موت کی الہامی پیشگوئیوں میں پہلے سے علامتیں مقرر کیگئی تھیں اسی طرح وہ سب علامتیں ظہور میں آئیں۔ خدا کے قہری نشان نے ایک قوم پر سخت سوگ وارد کیا۔ کیا کبھی تم نے پہلے اس سے دیکھا کہ تم میں اور تمہارے روبرو اس جلال سے خدا کا نشان ظاہر ہوا ہو؟ سوا ے مسلمانو نبی کی ذریت خدا تعالیٰ کے کاموں کی بے حرمتی مت کرو۔ **تیسری کشتی** مہوتسو کے جلسہ کا معاملہ تھا۔ دیکھو اس کشتی میں بھی خدا تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کیا اور تمہیں اپنا نشان دکھلایا اور قبل از وقت اپنے بندے پر ظاہر کیا کہ اُسی کا مضمون بالا رہے گا۔ اور پھر ایسا ہی کر کے دکھلا بھی دیا۔ اور مضمون کے بابرکت اثر سے تمام حاضرین کو حیرت میں ڈالدیا۔ کیا یہہ خدا کا کام تھا یا کسی اور کا؟ پھر **چوتھی کشتی** ڈاکٹر کلارک کا مقدمہ تھا۔ جسمیں تینوں قومیں آریہ اور عیسائی اور مخالف مسلمان متفق ہو گئے تھے تا میرے پر اقدام قتل کا مقدمہ ثابت کریں۔ اسمیں خدا تعالیٰ نے پہلے سے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ اپنے ارادہ میں ناکام رہینگے۔ اور دو سو کے قریب آدمیوں کو قبل از وقت یہہ الہام سنایا گیا اور آخر ہماری فتح ہوئی۔ **پانچویں کشتی** مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کا مقدمہ تھا جسکے عزیز اور لواحق اسلام سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ اور بعض سخت مرتد انہیں سے قرآن شریف کی سخت تکذیب کر کے اور اسلام پر زبان بد کھولکر مجھ سے تصدیق اسلام کا نشان مانگتے تھے اور اشتہار چھپواتے تھے۔ سو خدا نے اُنہیں یہ نشان دیا کہ احمد بیگ عزیز اُن کا چند موتوں اور مصیبتوں کے دیکھنے کے بعد تین برس کے اندر فوت ہو جائے گا سو ایسا ہی ہوا اور وہ میعاد کے اندر فوت ہو گیا۔ تا معلوم کریں کہ ہر ایک شوخی کی سزا ہے۔ ✠

یہہ پانچ کشتیاں ابتک ہوئیں جو ہمارے ذوالجلال خدا کے پرزور بازو نے دکھلائیں۔ اور بعض اور کشتیاں بھی آسمان پر ہیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ بھی عنقریب خدا تعالیٰ تمہیں دکھلائے گا اسی طرح وہ گواہیاں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مونہہ سے نکلی تھیں اور پوشیدہ چلی آتی تھیں

✠ یہ پیشگوئی بھی مشروط بہ شرائط تھی۔ اور ضرور ہے کہ اسوقت تک اُس کا دوسرا حصہ معرض توقف میں رہے جبتک کہ خدا تعالے کی نظر میں اسباب تقضی شرائط کے جمع ہوں۔ منہ

اب بہت سی اُنہیں سے تمہارے دیکھتے دیکھتے پوری ہوگئیں۔ اُسدن اور اُسگھڑی کو یاد کرو جبکہ آسمان پر چاند کو اُس کے خسوف کی پہلی رات میں رمضان میں گرہن لگا تھا۔ اور ایسا ہی سورج کا وہ کسوف یاد کرو جو ٹھیک حدیث کے لفظوں کیموافق اُسکے گرہن کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوا تھا۔ اور پھر دارقطنی کھول کر پڑھو کہ یہ وہ علامت تھی جو مہدی موعود کی سچائی کیلئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا۔ یہہ سب کچھ خُدا تعالٰے کے وعدوں کے موافق ہوگیا۔ مگر کیا تم نے اس سے کُچھ بھی فائدہ اٹھایا؟۔ خدا نے تمہیں کھولکر یہہ پتہ بھی دیا کہ وہ آنے والا صلیب کے غلبہ کے وقت میں ظاہر ہوگا ✽ جب اسلام کے دشمن نبی علیہ السلام کی سخت بے ادبی کرتے ہونگے اور انہیں کی گالیاں نکالنے والے توہین اور تحقیر اور دشنام دہی اور افترا اور جھوٹ کی نجاست کھاتے ہونگے۔ سو تمنے اپنی آنکھوں سے ایسی نجاست کھانے والوں کو دیکھ لیا۔ کیا پادری عماد الدین نے اس نجاست سے ایک بھاری حصہ نہیں لیا؟۔ کیا پادری ٹھاکر داس کے دونوں ہاتھ اس نجاست میں آلودہ نہیں؟۔ کیا صاحب رسالہ امہات المومنین نے اس بدبو کے ذریعہ سے ہزاروں دماغوں کو پریشان نہیں کیا؟ تو کیا اب تک توہین اور تحقیر میں کچھہ کسر باقی ہے؟۔ اور کیا ابتک وہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی کہ جو صحیح بخاری میں ہے کہ مسیح موعود کا زمانہ وہ زمانہ ہوگا کہ جب صلیبی مذہب کا غلبہ ہوگا اور جو سچائی کے دشمن ہیں وہ اسلام اور نبی علیہ السلام کو فحش گالیاں دیکر خنزیر کیطرح جھوٹ کی نجاست کھائینگے۔ دیکھو آسمان نے خسوف کسوف کیساتھہ گواہی دی اور تمنے پرواہ نہیں کی! اور زمین نے غلبہ صلیب اور نجاست خواروں کے نمونہ سے گواہی دی اور تمنے پرواہ نہیں کی!! اور خدا تعالٰے کے پاک اور بزرگ نبی کی عظیم الشان پیشگوئیاں گواہوں کی طرح کھڑی ہوگئیں اور تم نے ذرہ التفات نہیں کی!!!۔ اگر میں خود دعوی کرتا ہوں تو بیشک مجھے جھوٹا سمجھو۔ لیکن اگر خدا کا پاک نبی اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ سے میری گواہی دیتا ہے اور خود خدا میرے لئے نشان دکھلاتا ہے تو اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو۔ یہہ مت کہو کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں کسی مسیح وغیرہ کے قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھے قبول کرتا ہے وہ اُسی قبول کرتا ہے جس نے

✽ ہمنے دھوکہ سے بچانے کے لئے بار بار اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ کوئی شخص مسیح موعود کے لفظ سے عام مسلمانوں کا وہ فرضی مسیح خیال نہ کرے جو انکی نظر میں لڑائیوں کا بانی ہوگا بلکہ یہ خیالات سراسر غلط اور بیہودہ ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ مسیح موعود گذشتہ مسیح کی طرح غربت اور مسکینی کے رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔ زمین کی بادشاہت سے اسکو کچھ غرض نہیں اور اسکے حق میں حدیث صحیح بخاری میں ہے یضع الحرب یعنی وہ لڑائی کو موقوف کر دیگا۔ [illegible]

میرے لئے آجسے تیرہ سو برس پہلے لکھا ہے اور میرے وقت اور زمانہ اور میرے کام کے نشان بتلائے ہیں۔ اور جو مجھے رد کرتا ہے وہ اُسے رد کرتا ہے جسنے حکم دیا ہے کہ اُسے مانو۔ تم کیا بلکہ تمھارے باپ دادا بھی منتظر تھے کہ مسیح موعود جلد آئے۔ اور سچائی کی روح اُنکے اندر یہہ پکارتی تھی کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر آئے گا۔ لیکن جب وہ آیا تو تمنے اُسکو کافر اور دجال ٹھہرایا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ کیونکہ آثار میں یہہ بھی لکھا تھا کہ اُسے کافر اور دجال ٹھہرایا جائے گا۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو تمپر کوئی حجت نہ تھی لیکن میرے آنیسے خدا تعالیٰ کی تمپر حجت پوری ہو گئی۔ یہ مت گمان کرو کہ تمھارے نہ قبول کرنیسے اب وہ سلسلہ جو خدا نے اپنے ہاتھ سے برپا کیا ہے ضایع ہو جائے گا۔ کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا بہت سی جماعتیں پیدا کریگا جو اُسکو قبول کرینگی اور پھر انکو برکت دیگا۔ یہانتک کہ ایکدن **اسلام کا عزیز گروہ وہی گروہ ہو گا۔** مگر جو کچھ تمنے کیا یا جو آیندہ خدا کرے گا وہ سب اُس الہام کے موافق ہے جو پہلے براہین احمدیہ میں ہو چکا ہے اور وہ یہہ ہے۔ **دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نکیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دے گا۔**

اب ہم پھر کسیقدر طاعون کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ اکثر ظہور اس مرض کا کانوں کے آگے یا بغل کے نیچے یا کنج ران میں ہوتا ہے۔ اس طرح پر کہ ان مقامات کی غدودیں سوج جاتی ہیں یا بدن پر بڑے بڑے پھوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو طاعون ملک شام میں پھوٹی تھی اُس کی صورت ظہور یہ تھی کہ صرف چھوٹی سی پھُنسی ہتھیلی کے اندر نکلتی تھی اور اسی سے چند گھنٹوں میں انسان کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ مگر توریت میں جہاں جہاں طاعون کا ذکر کیا گیا ہے صرف پھوڑوں کے نام سے اُسکو پکارا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں میں جو طاعون پھوٹتی رہی تھی وہ پھوڑے تھے ممکن ہے کہ قوم یا ملک یا زمانہ یا مزاج کے لحاظ سے طاعون کی صورتیں جدا جدا ہوں بہرحال

اسکے ساتھ ایک حمّی شدید کا ہونا ایک لازمی امر ہے جو اکثر اوقات پھوڑوں یا غدود و ونکے پھیلنے سے پہلے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اکثر شدت تپ سے غشی تک نوبت پہونچتی ہے۔ اور قرآن شریف میں اس مرض کا نام رجز رکھا گیا ہے۔ اور رجز لغت عرب میں اُن کاموں کو کہتے ہیں جن کا نتیجہ عذاب ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بلا اکثر اور اغلب قاعدے پر انسان کی شامت اعمال سے ہی آتی ہے۔ اور پھر کبھی نیک انسان بھی اس بلا کے نیچے آجاتے ہیں اور وہ اس مصیبت سے اجر شہادت پاتے ہیں۔ بہرحال مبدء اور موجب اس کا عذاب الہی ہے جس سے ملک میں اس کا آغاز ہوتا ہے۔

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہہ نہیں ہے کہ علمی رنگ پر اس مرض کے اسباب پیدا نہیں کئے جاتے بلکہ علمی سلسلہ یعنی خلق اسباب کا سلسلہ بجائے خود ہے اور خدا تعالیٰ کے روحانی ارادوں کا سلسلہ بجائے خود ایک سے دوسرا مانع نہیں۔ یہہ بڑی بے وقوفی ہے کہ انسان اُس حکیم مطلق کے اصل اغراض کو نظر انداز کر دے اور صرف طبعیات کے سلسلہ تک تمام کاروبار اُس ذات جامع الکمالات کا بغیر کسی مطلب اور مقصد اور غرض مطلوب کے محدود سمجھے۔ یہ خود ظاہر ہے کہ وہ ذات مدبّر بالارادہ اور متصرف بالقصد ہے جسکے تمام کام عمیق در عمیق اسرار اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کیا یہہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں کہ اس عالم میں جو کچھ امر خیر یا شر منصّہ ظہور میں آتا ہے وہ علوم طبعیہ اور نظامات حکمیہ کے سلسلہ کے نیچے نیچے ہی چلتا ہو اور اسباب معتادہ سے وابستہ ہو اور باایں ہمہ اُس مدبّر بالارادہ نے اس امر کے ظاہر کرنے سے خاص خاص مقاصد اور اغراض بھی اپنے علم میں مقرر کر رکھے ہوں۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو پھر خدا تعالےٰ کا وجود نعوذ باللہ عبث اور اس کے افعال محض بیہودہ ہونگے۔ لہٰذا یہی سچا فلسفہ اور واقعی دقیقہ حکمت ہے کہ یہ تمام تغیرات ارضی و سماوی خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے علمی سلسلوں کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور باایں ہمہ اُن کا پیدا کرنا اور مٹانا اغراض مطلوبہ کے لئے خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر مثلاً طاعون کا اصل علاج ادویہ اور تدابیر جسمانی پر موقوف ہے تو توبہ اور اعمال صالح کو اس سے

کیا تعلق ہے ۔ اور اگر مدار تمام کام کا توبہ اور اعمال صالحہ ہی ہیں تو پھر ادویہ اور تدابیر بیہودہ ہیں کیونکہ تدبیر اور دعا میں کوئی منافات نہیں ہے ۔ جو کچھ ہم تدبیر یا دوا کر سکتے ہیں اُسکی تمام شرائط تاثیر بھی ہم اپنے ہی اختیار سے پیدا نہیں کر سکتے وہ بھی دعا کی طرح اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں ۔ یہ انسانی بیوقوفیاں ہیں جو ایک کو دوسرے کی ضد سمجھا جائے ۔ خدا تعالیٰ ہر ایک پہلو سے ہمارے لئے مبدء فیض ہے ۔ اگر ہم نیکی کی راہیں اختیار کریں تو وہ ہمارے علم اور تدبیر کو خطا سے محفوظ رکھکر اور تدابیر صائبہ کا ہمیں الہام فرما کر ہمیں بلا سے بچا سکتا ہے اور ہماری سرکشی اور شرارت کی حالت میں ہمارے ہی ہاتھ سے ہمیں ہلاک کر سکتا ہے ۔ شریر اور خبیث طبع آدمی اسقدر آزادی پسند ہوتا ہے کہ چاہتا ہے کہ خدا سے بھی آزاد ہو جائے مگر ایسا ہونا اُسکے لئے ممکن نہیں ۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالے نے اپنے تمام کاموں کو ایک ایک نظام کے رنگ میں رکھا ہے ۔ مگر پھر باوجود اُن تمام نظامات کے ہر ایک چیز کی کل خدا تعالے کے ہاتھ میں ہے ۔

اب ہم پھر اپنی پہلی تقریر کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ لفظ رِجز جو قرآن شریف میں طاعون کے معنوں پر آیا ہے وہ فتح کے ساتھ اُس بیماری کو بھی کہتے ہیں جو اونٹ کے بُن ران میں ہوتی ہے اور اس بیماری کی جڑ ایک کیڑا ہوتا ہے جو اونٹ کے گوشت اور خون میں پیدا ہوتا ہے سو اس لفظ کے اختیار کرنے سے یہ اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ طاعون کی بیماری کا بھی اصل سبب کیڑا ہے ۔ چنانچہ ایک مقام میں صحیح مسلم میں اسی امر کی کھلی کھلی تائید پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں طاعون کا نام نغف رکھا ہے ۔ اور نغف لغت عرب میں کیڑے کو کہتے ہیں جو اُس کیڑے سے مشابہ ہوتا ہے جو اونٹ کی ناک سے یا بکری کی ناک سے نکلتا ہے ۔ ایسا ہی کلام عرب میں رُجز کا لفظ پلیدی کے معنوں پر بھی آتا ہے ۔ یہ اسباب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کی اصل جڑ بھی پلیدی ہے ۔ اسلئے بہ رعایت اسباب ظاہر ضرور ہے اور وہ اس طرح پر کہ طاعون کے دنوں میں مکانوں اور کوچوں اور بدر روؤں اور کپڑوں اور بستروں اور بدنوں کو ہر ایک پلیدی سے محفوظ رکھا جائے اور ان تمام چیزوں کو عفونت سے بچایا جائے ۔ شریعت اسلام نے جو نہایت درجہ پر

ان صفائیوں کی تقید کیلئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا وَالرُّجزَ فَاهْجُرْ یعنے ہر ایک پلیدی سے جدا رہ۔ یہہ احکام اسی لئے ہیں کہ تا انسان حفظان صحت کے اسباب کی رعایت رکھکر اپنے تئیں جسمانی بلاؤں سے بچاوے۔ عیسائیوں کا یہہ اعتراض ہے کہ یہ کیسے احکام ہیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتے کہ قرآن کہتا ہے کہ تم غسل کرکے اپنے بدنوں کو پاک رکھو اور مسواک کرو خلال کرو اور ہر ایک جسمانی پلیدی سے اپنے تئیں اور اپنے گھر کو بچاؤ۔ اور بدبوؤں سے دور رہو اور مردار اور گندی چیزوں کو مت کھاؤ۔ اس کا جواب یہی ہے کہ قرآن نے اُس زمانہ میں عرب کے لوگوں کو ایسا ہی پایا تھا اور وہ لوگ نہ صرف روحانی پہلو کے رو سے خطرناک حالت میں تھے بلکہ جسمانی پہلو کے رو سے بھی اُنکی صحت نہایت خطرہ میں تھی۔ سو یہہ خدا تعالیٰ کا انپر اور تمام دنیا پر احسان تھا کہ حفظان صحت کے قواعد مقرر فرمائے۔ یہانتک کہ یہ بھی فرما دیا کہ کلوا واشربوا ولا تسرفوا یعنے بیشک کھاؤ پیو مگر کھانے پینے میں بیجا طور پر کوئی زیادتی کیفیت یا کمیت کی مت کرو۔ افسوس پادری اس بات کو نہیں جانتے کہ جو شخص جسمانی پاکیزگی کی رعایت کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ رفتہ رفتہ وحشیانہ حالت میں گر کر روحانی پاکیزگی سے بھی بے نصیب رہجاتا ہے۔ مثلاً چند روز دانتوں کا خلال کرنا چھوڑ دو جو ایک ادنیٰ صفائی کے درجہ پر ہے تو وہ فضلات جو دانتوں میں پھنسے رہینگے انہیں سے مردار کی بو آئے گی۔ آخر دانت خراب ہو جائیں گے اور اُن کا زہریلہ اثر معدہ پر گر کر معدہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ خود غور کرکے دیکھو کہ جب دانتوں کے اندر کسی بوٹی کا رگ و ریشہ یا کوئی جزُ پھنسا رہجاتا ہے اور اسیوقت خلال کیساتھ نکالا نہیں جاتا تو ایک رات بھی اگر رہجائے تو سخت بدبو اسمیں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی بدبو آتی ہے جیسا کہ چوہا مرا ہوا ہوتا ہے۔ پس یہ کیسی نادانی ہے کہ ظاہری اور جسمانی پاکیزگی پر اعتراض کیا جائے اور یہ تعلیم دیجائے کہ تم جسمانی پاکیزگی کی کچھ پرواہ نہ رکھو نہ خلال کرو اور نہ مسواک کرو اور نہ کبھی غسل کرکے بدن پر سے میل اتارو اور نہ پاخانہ پھر کر طہارت کرو اور تمہارے بلئے صرف روحانی پاکیزگی کافی ہے۔ ہمارے ہی تجارب ہمیں بتلا رہے ہیں کہ ہمیں جیسا کہ روحانی پاکیزگی کی روحانی صحت کیلئے ضرورت ہے ایسا ہی

ہیں جسمانی صحت کے لئے جسمانی پاکیزگی کی ضرورت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری جسمانی پاکیزگی کو ہماری روحانی پاکیزگی میں بہت کچھ دخل ہے۔ کیونکہ جب ہم جسمانی پاکیزگی کو چھوڑ کر اس کے بد نتائج یعنے خطرناک بیماریوں کو بھگتنے لگتے ہیں تو اسوقت ہمارے دینی فرائض میں بھی بہت حرج ہو جاتا ہے۔ اور ہم بیمار ہو کر ایسے نکمے ہو جاتے ہیں کہ کوئی خدمت دینی بجا نہیں لا سکتے۔ اور یا چند روز دکھ اٹھا کر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ بلکہ بجائے اسکے کہ بنی نوع کی خدمت کر سکیں اپنی جسمانی ناپاکیوں اور ترک قواعد حفظان صحت سے اوروں کے لیئے وبال جان ہو جاتے ہیں اور آخر ان ناپاکیوں کا ذخیرہ جسکو ہم اپنے ہاتھ سے اکٹھا کرتے ہیں وبا کی صورت میں مشتمل ہو کر تمام ملک کو کھاتا ہے۔ اور اس تمام مصیبت کا موجب ہم ہی ہوتے ہیں کیونکہ ہم ظاہری پاکی کے اصولوں کی رعایت نہیں رکھتے۔ پس دیکھو کہ قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر اور فرقانی وصایا کو ترک کر کے کیا کچھ بلائیں انسانوں پر وارد ہوتی ہیں۔ اور ایسے بے احتیاط لوگ جو نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے اور عفونتوں کو اپنے گھروں اور کوچوں اور کپڑوں اور موںہہ سے دور نہیں کرتے انکی بے اعتدالیوں کی وجہ سے نوع انسان کے لئے کیسے خطرناک نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کیسی یکدفعہ وبائیں پھوٹتی اور موتیں پیدا ہوتی ہیں اور شور قیامت برپا ہو جاتا ہے یہانتک کہ لوگ مرض کی دہشت سے اپنے گھروں اور مال اور املاک اور تمام اس جائداد سے جو جان کاہی سے اکٹھی کی تھی دست بردار ہو کر دوسرے ملکوں کی طرف دوڑتے ہیں اور مائیں بچوں سے اور بچے ماؤں سے جدا کیئے جاتے ہیں۔ کیا یہ مصیبت جہنم کی آگ سے کچھ کم ہے؟ ڈاکٹروں سے پوچھو اور طبیبوں سے دریافت کرو کہ کیا ایسی لاپروائی جو جسمانی طہارت کی نسبت عمل میں لائی جائے وبا کے لئے عین موزوں اور موید ہے یا نہیں؟ پس قرآن نے کیا برا کیا کہ پہلے جسموں اور گھروں اور کپڑوں کی صفائی پر زور دیکر انسانوں کو اس جہنم سے بچانا چاہا جو اسی دنیا میں یکدفعہ فالج کی طرح گرتا اور عدم تک پہونچاتا ہے۔ پھر دوسرے جہنم سے محفوظ رہنے کے لئے وہ صراط مستقیم بتلایا جو انسانی فطرت کے تقاضا کے عین موافق اور قانون قدرت کے عین مطابق ہے۔ اور ہمیں نجات کی وہ راہ بتلائی

جس میں کسی بناوٹی منصوبہ کی بد بو نہیں آتی - کیا ہم خدا کے قدیم قانون کو جو تمام قوموں پر ظاہر ہوتا آیا ہے ترک کرکے صرف ایک تراشیدہ قصے پر جو ہزاروں اور بے شمار برسوں کے بعد تراشا گیا ہے بھروسہ کرکے اور ایک عاجز انسان کو خدا اقرار دیکر اور پھر لعنتی موت سے اسکو ہلاک کرکے یہہ امید رکھ سکتے ہیں کہ اس مصنوعی طریق سے ہماری نجات ہو جائیگی اور کیا ایسا آدمی ہمسلا منجی ہو سکتا ہے جسکو خود بھی دشمنوں کے ہاتھ سے نجات حاصل نہیں ہوئی - اور اُنھوں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا جبتک اُس کا کام تمام نہ کر دیا - ہم بڑے ہی بد قسمت ہیں اگر ہمارا ایسا ہی کمزور اور ضعیف اور عاجز خدا ہے جو خود اپنے تئیں ذلتوں اور ناکامیوں اور دکھوں سے بچا نہ سکا - اور جبکہ اُس کے حالات کا اس دنیا میں یہ نمونہ ظاہر ہوا تو ہم کیونکر امید رکھیں کہ مرنے کے بعد اسکو کوئی نئی قوت اور طاقت حاصل ہوگئی ہوگی - جو شخص اپنے تئیں بچا نہ سکا وہ دوسروں کو کیونکر بچا سکتا ہے - یہ کیسی نامعقول بات ہے کہ خدا ہمیں نجات نہیں دیسکتا تھا جبتک کہ ایک معصوم کو اپنی جناب سے رد نہ کرے اور اُس سے بدل بیزار نہ ہو اور اس کا دشمن نہ ہو جائے اور اُس کے دل کو سخت اور اپنی محبت اور معرفت سے دور اور محروم نہ کر دیوے یعنے جبتک کہ اُسکو لعنتی نہ بنادے اور جہنم میں اُسکو داخل نہ کرے - ایسے فرضی خدا سے ہر ایک کو پرہیز کرنا چاہیے جس کا اپنے ہی بیٹے کے ساتھ یہ معاملہ ہو - سچ کہو کیا دنیا میں کوئی عقل قبول کر سکتی ہے کہ جو شخص آپ ہی لعنتی ہو پھر وہ کسی کے لئے خدا تعالیٰ کی جناب میں سفارش کر سکے - دیکھو عیسائی مذہب میں کس قدر بیہودہ اور دور از عقل و دیانت باتیں ہیں کہ اوّل ایک شخص عاجز مصیبت رسیدہ کو ناحق بے وجہ خدا بنایا جاتا ہے - پھر ناحق بے وجہ یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ وہ لعنتی ہو گیا - خدا اُس سے بیزار ہو گیا وہ خدا سے بیزار ہو گیا - خدا اُس کا دشمن ہو گیا وہ خدا کا دشمن ہو گیا - خدا اُس سے دور ہو گیا وہ خدا سے دور ہو گیا - پھر ان سب کے بعد یہ اعتقاد بھی ہے کہ ایسی لعنتی موت پر ایمان لانے سے تمام گناہوں کے مواخذہ سے فراغت ہو جاتی ہے - چور ہو خونی ہو ڈاکو ہو بدکار زانی ہو دوسروں کے مال خیانت سے یا غبن سے کھانے والا ہو غرض کچھ ہو اور کوئی گناہ کرنے والا ہو سزا سے بچ رہیگا -

اب دیکھو یہ کیا مذہب ہے اور کیا تعلیم ہے اور کس قدر ایسے عقیدوں سے خطرناک نتایج پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ باوجود اسکے کہ ایسے قابل شرم عقائد انکے گلے پڑے ہوئے ہیں اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اسلام نے وہی خدا پیش کیا ہے جسکو زمین آسمان پیش کرتے ہیں جس میں کوئی بناوٹ اور بنا منصوبہ نہیں اور اُسی خالق یکتا کی طرف اسلام رہبری کرتا ہے جس کا کوئی ابتدا نہیں اور کسی عورت کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوا اور نہ اُسپر موت آئی اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے تا اس کی موت سے اُسکو غم پہونچے۔ اور اسلام نے نجات کے طریق بھی وہ سکھلائے ہیں جو ہمیشہ سے اور جب سے کہ دنیا ہے قانون قدرت کی شہادتوں کے ساتھ چلے آئے ہیں۔ کوئی بناوٹ کی بات اُنمیں نہیں۔ پھر جہالت اور تعصب ایسی بلا ہے کہ یہ **قوم انسان پرست** کہ جو غیر خدا کی پرستش میں غرق ہے خدا پرستوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِن لوگوں کے ہاتھ میں بجز اس کے کیا ہے کہ خدا کی کتابوں کے غلط معنے کر کے اپنے اصرار کو انتہا تک پہونچا دیا ہے وہی کتابیں ان عقائد کا رد کرتی ہیں اور یہودی ابتک تصدیق کرتے ہیں کہ اسرائیلی توحید قرآنی توحید سے متفق ہے۔ اور اس بارے میں ہم اور یہودی اور بعض فرقہ عیسائیان بھی اور خدا کا قانون قدرت بھی انکے مخالف ہیں۔ یہ تمام پرستشیں یعنے مخلوق کی پوجا انسانی غلط کاریوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ کسی نے پتھر کی پوجا کی کسی نے انسان کی کسی نے کشلیا کے بیٹے کو خدا سمجھ لیا اور کسی نے مریم کے بیٹے کو خدا قرار دیدیا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو کیوں جھوٹ کی طرف بلاتے ہیں۔ مسلمانوں کا خدا تو وہ خدا ہے جو زمین آسمان پر نظر ڈال کر ضروری معلوم ہوتا ہے اور ہمیشہ تازہ نشانوں سے اپنا وجود ظاہر کرتا ہے۔ ایک سچا مسلمان اُسکی آواز اب بھی اسی طرح سُن سکتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر سنی تھی۔ وہ اس کے زندہ معجزات براہ راست دیکھ سکتا ہے۔ پھر وہ مُردوں کا نام کیونکر خدا رکھ سکتا ہے۔ یہ لوگ انسان پرست ہونے کی وجہ سے آسمانی تعلقات سے قطعاً محروم ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی آسمانی تائیدیں اِن لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ صرف بیہودہ قصے بجائے نشانوں کے پیش کئے جاتے ہیں نہ عقل کیساتھ

فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ آسمانی نشانوں کے ساتھ۔ شرک اور مخلوق پرستی کو زمین پر پھیلا رہے ہیں اور پھر قرآن شریف پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُس نے انسانوں کو جسمانی طہارۃ کی طرف کیوں توجہ دلائی۔ یہ نہیں جانتے کہ نبی روحانی باپ ہوتا ہے وہ درجہ بدرجہ ہر ایک ناپاکی سے چھوڑانا چاہتا ہے اور ہر ایک خطرہ سے بچانا چاہتا ہے۔ سو اوّل درجہ کی ناپاکی جو انسان کو وحشیانہ حالت میں ڈالتی ہے جسمانی ناپاکی ہے اور اسی سے خطرناک امراض اور مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ سو ضرور تھا کہ خدا کی کامل کتاب اپنی تعلیم کا ابتدا اسی سے کرتی۔ سو خدا نے ایسا ہی کیا۔ اوّل جسمانی ناپاکیوں اور دوسری وحشیانہ حالتوں سے چھوڑا کر وحشیوں کو انسان بنانا چاہا۔ پھر اخلاق فاضلہ اور طہارت باطنی کے احکام سکھلا کر انسانوں کو مہذب انسان بنایا۔ اور پھر محبت اور فنا فی اللہ کے باریک دقائق تک پہنچا کر مہذب انسانوں کو باخدا انسان بنا دیا۔ اور پھر یہ سب کچھ کر کے فرما دیا اِعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ یعنے جان لو کہ خدا نے زمین کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا۔ سو خدا کا کلام حکمت کے طریقوں سے انسان کو ترقی کے منار تک پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے شرم نہیں کرتا کہ انسان کو جو انسانیت سے گرا ہوا ہے ظاہری ناپاکیوں سے بھی چھوڑائے جیسا کہ وہ باطنی ناپاکیوں سے چھوڑاتا ہے۔ اُس نے اپنی پاک کلام میں انسانوں کو دونوں قسم کی پاکیزگی کی طرف ترغیب دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ یعنے خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور اُن کو بھی دوست رکھتا ہے جو جسمانی طہارت کے پابند رہتے ہیں۔ سو توّابین کے لفظ سے خدا تعالےٰ نے باطنی طہارۃ اور پاکیزگی کی طرف توجہ دلائی اور متطہرین کے لفظ سے ظاہری طہارۃ اور پاکیزگی کی ترغیب دی۔ اور اس آیت سے یہ مطلب نہیں کہ صرف ایسے شخص کو خدا تعالےٰ دوست رکھتا ہے کہ جو محض ظاہری پاکیزگی کا پابند ہو بلکہ توابین کے لفظ کو ساتھ ملا کر بیان فرمایا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لئے اکمل اور اتم محبت جس سے

قیامت میں نجات ہوگی اسی سے وابستہ ہے کہ انسان علاوہ ظاہری پاکیزگی کے خدا تعالےٰ کی طرف سچا رجوع کرے۔ لیکن محض ظاہری پاکیزگی کی رعایت رکھنے والا دنیا میں اس رعایت کا فائدہ صرف اس قدر اٹھا سکتا ہے کہ بہت سے جسمانی امراض سے محفوظ رہے۔ اور اگرچہ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت کا نتیجہ نہیں دیکھ سکتا مگر چونکہ اس نے تھوڑا سا کام خدا تعالیٰ کی منشا کے موافق کیا ہے یعنے اپنے گھر اور بدن اور کپڑوں کو ناپاکیوں سے پاک رکھا ہے۔ اسلئے اسقدر نتیجہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ بعض جسمانی بلاؤں سے بچایا جائے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کثرت گناہوں کی وجہ سے سزا کے لائق ٹھہر گیا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں اسکے لئے یہ حالت بھی خدا تعالےٰ میسر نہیں کریگا کہ وہ ظاہری پاکیزگی کو کماحقہ بجا لا کر اُسکے نتائج سے فائدہ اٹھا سکے۔ غرض بموجب وعدہ الہی کے محبت کے لفظ میں سے ایک خفیف اور ادنیٰ سا حصہ کاش دار وہ دشمن بھی اپنی دنیا کی زندگی میں ہو جاتا ہے جو ظاہری پاکیزگی کے لئے کوشش کرتا ہو جیسا کہ تجربہ کے رو سے یہ مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں کو خوب صاف رکھتے ہیں اور اپنی بدررؤں کو گندہ نہیں ہونے دیتے اور اپنے کپڑوں کو دھوتے رہتے ہیں اور خلال کرتے اور مسواک کرتے اور بدن پاک رکھتے ہیں اور بدبو اور عفونت سے پرہیز کرتے ہیں وہ اکثر خطرناک وبائی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔ پس گویا وہ اس طرح یحب المتطھرین کے وعدہ سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ طہارت ظاہری کی پرواہ نہیں رکھتے آخر کبھی نہ کبھی وہ پیچ میں پھنس جاتے ہیں اور خطرناک بیماریاں انکو آپکڑتی ہیں۔

اگر قرآن کو غور سے پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا تعالےٰ کے بے انتہا رحم نے یہی چاہا ہے کہ انسان باطنی پاکیزگی اختیار کرکے روحانی عذاب سے نجات پاوے اور ظاہری پاکیزگی اختیار کرکے دنیا کے جہنم سے بچا رہے جو طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے اور اس سلسلہ کو قرآن شریف میں اول سے آخر تک بیان فرمایا گیا ہے جیسا کہ مثلاً یہی آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین۔ صاف بتلا رہی ہے کہ توابین سے مراد وہ لوگ ہیں جو باطنی پاکیزگی کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ اور متطہرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظاہری اور

جسمانی پاکیزگی کے لئے جد وجہد کرتے رہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسری جگہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلوا من الطیبات واعملوا صالحا۔ یعنے پاک چیزیں کھاؤ اور پاک عمل کرو۔ ان آیتوں میں حکم جسمانی صلاحیت کے انتظام کے لئے ہے جسکے لئے کلوا من الطیبات کا ارشاد ہے۔ اور دوسرا حکم روحانی صلاحیت کے انتظام کے لئے ہے جسکے لئے واعملوا صالحا کا ارشاد ہے اور ان دونوں کے مقابلہ سے ہمیں یہ دلیل ملتی ہے کہ بدکاروں کے لئے عالم آخرت کی سزا ضروری ہے۔ کیونکہ جبکہ ہم دنیا میں جسمانی پاکیزگی کے قواعد کو ترک کر کے فی الفور کسی بلا میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ اس لئے یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر ہم روحانی پاکیزگی کے اصول کو ترک کریں گے تو* اسی طرح موت کے بعد بھی کوئی عذاب مولم ضرور ہمپر وارد ہوگا جو اسیطرح ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوگا چنانچہ یہی طاعون اس بات کی گواہ ہے کہ جن جن شہروں اور گھروں میں جسمانی پاکیزگی کی ایسی رعایت نہیں کی گئی جیسی کہ چاہیے تھی آخر وبا نے انکو پکڑ لیا۔ اگرچہ یہ عفونتی اجرام کم و بیش ہر وقت موجود تھے لیکن وہ اندازہ غلیان سمیت کا پہلے دنوں میں اکٹھا نہیں تھا۔ اور بعد میں اور اسباب کے ذریعہ سے پیدا ہوگیا۔ یہ کس قدر مشکل بات ہے کہ جبکہ ہم جسمانی ناپاکی اور عفونت مہلکہ کا کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتے جبتک وہ خود ہمپر وارد نہ ہوجائے۔ پس کیونکر روحانی سمیت کا ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کب اور کس وقت ہمیں ہلاک کر سکتی ہے۔ لہذا ہمیں لازم ہے کہ لاپروائی اور غفلت سے زندگی بسر نہ کریں اور دعا میں لگے رہیں۔ خدا سے اُس کا فضل مانگنا اور دعا میں لگے رہنا اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں۔ یہی ایک راہ ہے جو نہایت ضروری اور واجب طریق ہے۔ اسی وجہ سے قرآن شریف میں عذاب سے بچنے کے لئے دعا ہی ہمیں سکھلائی گئی ہے۔ اور وہ دُعا سورہ فاتحہ کی دعا ہے جو پنج وقت نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ دونوں قسم کے عذابوں سے بچنے کے لئے دعا ہے۔ کیونکہ آخری فقرہ دعا کا یہ ہے کہ "یا الٰہی ان لوگوں کی راہ سے بچا جن میں طاعون پھوٹی تھی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُعا اس لئے ہے کہ تا ہم دُنیا کے جہنم اور آخرت کے جہنم دونوں سے بچائے جائیں۔ لہذا میں یقین

* نوٹ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ کچھ چیز نہیں بلکہ جیسا کہ ہم اپنے جسمانی بدطریقوں سے وبا کو اپنے پر لے آتے ہیں اور پرہیز حفظ صحت کے قواعد کی پابندی سے اس سے نجات پاتے ہیں یہی قانون قدرت ہمارے روحانی عذاب اور نجات سے وابستہ ہے۔ منہ

رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص یہ دعا یعنے سورۂ فاتحہ دفع طاعون کے لئے اخلاص سے نماز میں پڑھتا رہے تو خدا اُسکو اس بلا سے اور اس کے بد نتایج سے بچائے گا۔

اور ہم اسوقت تمام مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اب وہ یقینی طور پر یہہ نہ سمجھ لیں کہ طاعون دور ہو گئی اور اس خیال سے پھر غفلت اور گناہ اور معصیت کیطرف جھک نہ جائیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اپنے پہلے اشتہار میں شایع کر چکے ہیں ابھی ہم خطرات کے حدود سے باہر نہیں آئے جبتک دو۲ جاڑے کے موسم خیر سے نہ گذر جائیں۔ اور اس ملک کے کسی حصہ میں کوئی واردات کا نمونہ پایا نہ جائے اُسوقت تک اندیشہ دامنگیر ہے۔ سو اگرچہ طبابت کی تدبیریں نہایت عمدہ چیزیں ہیں اور جو کچھ ہماری گورنمنٹ نے ہدایتیں پیش کی ہیں وہ قابل شکر و غمخواری ہیں مگر تاہم تمام فلاح اور نجات کا مدار انہی تدابیر کو نہ سمجھو **اپنے خدائے رحیم و کریم سے بھی صلح کرو**۔ دیکھو کس قدر ملک میں گناہ اور فریب اور جھوٹھ اور ظلم اور حق تلفی اور بدکاری پھیل گئی ہے۔ یہہ وہی معاصی ہیں جنکی وجہ سے پہلی قومیں بھی ہلاک ہوتی رہی ہیں۔ سو اُس غیور خدا سے ڈرو جسکی غیرت ہمیشہ بدکاروں کو نابود کرتی رہی ہے۔ اگر خداوند ذوالجلال سے خوف کرو گے اور اپنے دلوں میں اُسکی عظمت بٹھالو گے تو وہ تمہیں ضایع ہونیسے بچالے گا اور تم اور تمہاری اولاد بچ جائے گی اور خدا کا رحم تمہارا حامی ہوگا۔ اور ایسے اسباب پیدا کر دیگا جن سے یہہ زہریلہ مادہ دور ہو جائے۔ اور اگر دنیا میں مست ہو کر خدا تعالی کی پرواہ نہیں رکھو گے اور گناہوں سے باز نہیں آوٗ گے تو وہ قادر ہے کہ تمہاری تمام تدبیریں بیکار کر دیوے اور ایسی راہ سے تمہیں پکڑے کہ تمہیں معلوم نہ ہو۔ دیکھو یہود میں جب طاعون مصر اور کنعان کی راہ میں پھوٹی تو وہ لوگ اُسوقت جنگل میں تھے اور شہر کی عفونتوں سے بالکل الگ تھے۔ ترنجبین اور بٹیر اُنکی غذا تھی۔ وہ یقین کرتے تھے کہ اب کوئی بلا ہم پر نہیں آئیگی۔ مگر جب انہوں نے نافرمانی شروع کی اور فسق اور فجور میں مبتلا ہوئے تو وہی ترنجبین اور بٹیر طاعون کا

موجب ہو گئے - یہہ کیسا باریک بھید خدا کی حکمتوں کا ہے کہ چونکہ اللہ جل شانہ جانتا تھا کہ یہہ قوم عنقریب سرکشی اختیار کرے گی اسلئے اُنکے لئے دن رات کی غذا ترنجبین اور بٹیر مقرر کیا گیا - یہہ دونوں چیزیں طب کے قواعد کے رو سے بالخاصیت طاعون پیدا کرتی ہیں اسی وجہ سے طبیب لوگ امراض جلدیہ میں جہاں بثور اور پھوڑوں کی بیماریاں ہوں ترنجبین دینے سے پرہیز کیا کرتے ہیں - بدبخت یہود ایک طرف تو ارتکاب جرائم کا کرتے رہے اور دوسری طرف دن رات بٹیر اور ترنجبین کھا کر طاعون کا مادہ اپنے اندر جمع کر لیا - جب اُن کے مواخذہ کا وقت آیا تو ایک طرف تو جرائم انتہا کو پہونچ چکے تھے جو سزا کو چاہتے تھے - اور دوسری طرف طاعونی مادہ بٹیر اور ترنجبین کے استعمال سے اسقدر اُنکے اندر جمع ہو گیا تھا کہ اب وہ تقاضا کرتا تھا کہ انمیں طاعون پھوٹے - سو اُس ایک ہی رات میں جب یہودیوں کیلئے آسمان سے سزا کا حکم نازل ہوا ساتھ اُسکے مادہ طاعون کو بھی طیار بیٹھا تھا یہ حکم آیا کہ ہاں اب گل اور اس شریر قوم کو ہلاک کر تب وہ اُس جنگل میں کتوں کی طرح مرے فاعتبروا یا اولی الابصار -

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اُن لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ جو ہر ایک قسم کی زناکاری اور چوری اور خونریزی اور مال حرام کھانے اور نوع انسان کے دُکھ دینے میں درندوں کیطرح دلیری سے قدم رکھتے ہیں نہ خدا تعالٰے کے حدود اور قوانین سے ڈرتے ہیں اور نہ گورنمنٹ کے مقرر کردہ قانونوں سے اُنکو خوف ہے - یہی بات تھی جو میرے پہلے اشتہار میں بطور الہام طاعون کے بارہ میں مجھے معلوم ہوئی تھی اور وہ یہہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ - یعنے خدا تعالٰی اُس نیکی یا بدی کو جو کسی قوم کے شامل حال ہے دور نہیں کرتا جبتک وہ قوم اُن باتوں کو اپنے سے دور نہ کرے جو اس کے دل میں ہیں - اُس خدا نے اُس قریہ کو جو اُسکے علم میں ہے انتشار سے محفوظ رکھا۔"

افسوس کہ بعض نادان کہتے ہیں کہ یہ الہام آپ بنا لیا ہے - انکے جواب میں کیا کہیں اور کیا لکھیں - اے بدقسمت بدگمانو! کیا ممکن ہے کہ کوئی خدا پر جھوٹ باندھے اور پھر اُس کے

دست قہر سے بچ رہے۔ خدا جھوٹوں کو ہلاک کرے گا اور وہ جو اپنے دل سے باتیں بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کا الہام ہے وہ ہلاک کئے جائیں گے کیونکہ انھوں نے دلیری کر کے خدا پر بہتان باندھا۔ راستبازوں کے لئے بھی دن مقرر ہیں اور جھوٹے مفتریوں کے لئے بھی وقت مقرر کئے گئے ہیں۔ جب وہ وقت آئیں گے تو خدا تعالیٰ دکھا دیگا کہ کس نے شوخی سے باتیں کہیں اور کس نے روح القدس کی آواز کی پیروی کی۔ خدا کی باتوں کو خدائی نشانوں سے تم شناخت کرو گے۔ سچائی پوشیدہ نہیں رہیگی اور نہ باطل مخفی رہے گا۔ وہ خدا جو ہمیشہ اپنے تئیں ظاہر کرتا رہا ہے وہ اب بھی دکھلائے گا کہ وہ اُنکے ساتھ ہے جو واقعی طور پر اُس سے ڈرتے اور نیکی اور پرہیزگاری کی راہوں کو اختیار کرتے ہیں۔

اے لوگو! خدا سے ڈرو۔ اور درحقیقت اُس سے صلح کر لو۔ اور سچ مچ صلاحیت کا جامہ پہن لو۔ اور چاہیے کہ ہر ایک شرارت تم سے دور ہو جائے۔ خدا میں بے انتہا عجیب قدرتیں ہیں۔ خدا میں بے انتہا طاقتیں ہیں۔ خدا میں بے انتہا رحم اور فضل ہے۔ وہی ہے جو ایک ہولناک سیلاب کو ایک دم میں خشک کر سکتا ہے۔ وہی ہے جو مہلک بلاؤں کو ایک ہی ارادے سے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دور پھینک دیتا ہے۔ مگر اُس کی یہ عجیب قدرتیں اُن ہی پر کھلتی ہیں جو اُس کے ہی ہو جاتے ہیں۔ اور وہی یہ خوارق دیکھتے ہیں جو اُس کے لئے اپنے اندر ایک پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اُسکے آستانے پر گرتے ہیں۔ اور اُس قطرے کی طرح جس سے موتی بنتا ہے صاف ہو جاتے ہیں۔ اور محبت اور صدق اور صفا کی سوزش سے پگھلکر اسکی طرف بہنے لگتے ہیں۔ تب وہ مصیبتوں میں اُنکی خبر لیتا ہے۔ اور عجیب طور پر دشمنوں کی سازشوں اور منصوبوں سے انہیں بچا لیتا ہے اور ذلت کے مقاموں سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اُن کا متولی اور متعہد ہو جاتا ہے۔ وہ اُن مشکلات میں جبکہ کوئی انسان کام نہیں آسکتا انکی مدد کرتا ہے۔ اور اُسکی فوجیں اُنکی حمایت کیلئے آتی ہیں کس قدر شکر کا مقام ہے کہ ہمارا خدا کریم اور قادر خدا ہے۔ پس کیا تم ایسے عزیز کو چھوڑ دوگے؟ کیا اپنے نفس ناپاک کے لئے اُسکی حدود کو توڑ دو گے۔ ہمارے لئے اُس کی رضامندی میں مرنا ناپاک زندگی سے بہتر ہے۔

قرآن شریف میں تمام احکام کی نسبت تقوٰی اور پرہیزگاری کے لئے بڑی تاکید ہے
وجہ یہہ کہ تقوٰی ہر ایک بدی سے بچنے کے لئے قوت بخشتی ہے اور ہر ایک نیکی کی طرف دوڑنے
کے لئے حرکت دیتی ہے - اور اس قدر تاکید فرمانے میں بھید یہ ہے کہ تقوٰی ہر ایک باب میں
انسان کے لئے سلامتی کا تعویز ہے - اور ہر ایک قسم کے فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے حصن
حصین ہے - ایک متقی انسان بہت سے ایسے فضول اور خطرناک جھگڑوں سے بچ سکتا ہے
جنمیں دوسرے لوگ گرفتار ہو کر بسا اوقات ہلاکت تک پہونچ جاتے ہیں اور اپنی جلد بازیوں
اور بدگمانیوں سے قوم میں تفرقہ ڈالتے اور مخالفین کو اعتراض کا موقعہ دیتے ہیں - مثلاً سوچکر
دیکھو کہ اس زمانہ کے معاند مولویوں نے ہماری تکفیر اور تکذیب کے خیال کو بغیر کسی تحقیق اور
ثبوت کے کس حد تک پہونچا دیا ہے کہ اب ہم اُنکی نظر میں اپنے کفر کے لحاظ سے عیسائیوں اور
ہندوؤں سے بھی بدتر ہیں - کیا ایک متقی جو واقعی طور پر شکوک کی پیروی سے اپنے دل کو روکتا
ہے وہ ان بلاؤں میں پھنس سکتا ہے - اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایک ذرہ بھی تقوٰی ہوتی تو میرے
مقابل پر وہ طریق اختیار کرتے جو قدیم سے حق کے طالبوں کا طریق ہے - کیونکہ قدیم سے اس
اصول کو ہر ایک قوم مانتی آئی ہے اور اسلام نے بھی اسکو مانا ہے کہ جو لوگ انبیاء اور رسولوں
اور مامور من اللہ کے منصب سے اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرتے ہیں اُنسے اگر علماء وقت کا کسی حدیث
یا کتاب اللہ کے معنے بیان کرنے میں اختلاف ہو جائے تو اُنکے ساتھ طریق تصفیہ ایسا نہیں ہے
جیسا کہ دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ ایک فریق اپنے طور کے معنی میں زیادہ قوت
اور ترجیح دیکر دوسرے فریق کی تکذیب پر جلد آمادہ ہو جاتا ہے بلکہ باوجود اختلاف تفسیر اور تاویل
کے جو مابین واقع ہو اور باوجود اس بات کے جو بظاہر کسی قول کے وہ معنے قریب قیاس ہوں جو
برخلاف بیان کردہ مامورین ہوں پھر بھی مامورین اور الہام پانے والوں کے مقابل پر سعید لوگ
اپنے قرار دادہ معنوں پر ضد اور ہٹ نہیں کرتے بلکہ جب خدا تعالیٰ کی متواتر تائیدات اور
طرح طرح کے نشانوں سے ظاہر ہو جائے کہ وہ لوگ مؤید من اللہ ہیں تو اپنے معنی چھوڑ دیتے

ہیں اور وہی معنے قبول کرتے ہیں جو انھوں نے کئے ہوں گو بظاہر اُس میں کسی قسم کا ضعف بھی معلوم ہو۔ کیونکہ معانی کے بیان کرنے میں بہت توسع ہے اور بسا اوقات ایک شخص جو مجاز کا پہلو اختیار کرتا ہے اور ایک عبارت کے معنے مجازی رنگ میں بتلاتا ہے وہ اُس دوسرے کے مقابل پر حق پر ہوتا ہے جو ظاہر معانی کو لیتا ہے اور مجاز کی طرف نہیں جاتا۔ بلکہ ملہمین اور مرسلین کیساتھ یہ ادب رکھنا لازمی ہے کہ اگر وہ بغیر کسی قرینہ کے بھی صرف عن الظاہر کریں تو اُن سے قرآن کا مطالبہ نہ کیا جائے جیسا کہ دوسرے علماء سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ہاں اس بات کو دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہ درحقیقت مؤید من اللہ اور مقبول الٰہی ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مؤید من اللہ ہیں تو پھر اختلاف کے وقت یعنے جبکہ علماء میں اور انہیں کسی کتاب الٰہی کے معنے بیان کرنے میں اختلاف واقع ہو وہی معنے قبول کئے جائیں گے جو مامورین نے کئے ہیں اسی اصول پر ہمیشہ عملدرآمد رہا ہے ☙ مثلاً جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہود میں ملاکی نبی کی اُس پیشگوئی کے متعلق اختلاف واقع ہوا کہ جو ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق تھی تو باوجود اسکے کہ وہ معنے جو یہود کرتے تھے وہی آیت

☙ اگر کوئی کہے کہ اگر اختلاف کیوقت ملہم کے معنوں کو ماننا ضروری ہے تو ممکن ہے کہ ایسا مدعی الہام اور ماموریت کا جس کا ہنوز منجانب اللہ ہونا ثابت نہیں ہوا ایسے معنے خدا کی کتاب کے کرے جنمیں صاف الحاد ہو تو وہ معنے کیونکر مان لئے جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بموجب وعدہ قرآن شریف کے سچے ملہم کی یہ نشانی مقرر شدہ ہے کہ اسکی خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے اور بجز اسکے دوسرا شخص سچی پیشگوئی دکھلا نہیں سکتا پھر جب ان علامتوں سے وہ سچا ثابت ہوا تو پھر وہ ملحد کیونکر ہوگا۔ خدا کا یہ بھی وعدہ ہے کہ مفتری ہلاک کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ایک تصدیق شدہ مسئلہ ہے جسپر ہزاروں راستبازوں نے اپنے خون کیساتھ مہر لگادی ہے کہ اگر مدعی الہام اور وحی اور اُسکے غیر میں کسی عبارت کے معنوں میں اختلاف واقع ہو تو بعد اس کے کہ اُس مدعی کا سچا ہونا خدا کی تائید اور اُس کے نشانوں سے ثابت ہو تا ہو متنازع فیہ معنوں میں سے وہی معنے قبول کئے جائیں گے جو اُس مدعی کے مونہہ سے نکلے ہیں۔ یہی وہ طریق ہے جس پر راستبازوں نے قدم مارا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص وحی اور الہام کا دعویٰ کرے اُس کی بات صرف اُسی حالت میں رد کرنے کے لائق ہوتی ہے کہ جب وہ صاحب آیات نہ ہو۔ منہ

کے ظاہر معنے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کا یہ کہنا کہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے سے مراد اُسکے کسی مثیل کا آنا ہے۔ یہ ایک تاویل رکیک بلکہ الحاد کے رنگ میں معلوم ہوتی تھی اور یہودیوں کی نظر میں ہنسی کے لائق تھی۔ اور ایسا صرف عن الظاہر تھا جسپر کوئی قرینہ قائم نہ تھا۔ مگر پھر بھی نیک بخت انسانوں نے جب دیکھا کہ یہ شخص موید من اللہ ہے اور اسپر وحی کے ذریعہ سے اصل حقیقت کھلی ہے تو انھوں نے اُن ہی معنوں کو قبول کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے تھے اور یہود کے معنوں کو رد کیا۔ اگرچہ ظاہر طور پر وہی صحیح معنے معلوم ہوتے تھے۔ پھر اسی قسم کا جھگڑا یہود کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے ہوا اور وہ یہہ کہ یہود لوگ مثیل موسیٰ کی پیشگوئی کی نسبت جو توریت باب استثنا میں موجود ہے یہ معنے کرتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے آئے گا۔ اور کہتے تھے کہ خدا نے داؤد سے قسم کھائی ہے کہ اُسی کے خاندان سے نبی بھیجتا رہے گا۔ مگر ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہہ معنے صحیح نہیں ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ مثیل موسیٰ کا ظاہر ہونا بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنے بنی اسمٰعیل سے ضروری تھا۔ سو اگرچہ یہود کے وہ معنے دو ہزار برس سے اُنکے علماء میں متفق علیہ چلے آئے تھے اور ایک جاہل آدمی کے لیے ایک قوی حجت تھی کہ جو معنے دو ہزار برس تک ایک گروہ کثیر علماء میں مسلم الصحت اور ایک اجماعی عقیدہ کی طرح تھے اُنکے برخلاف کیونکر ایک نئے معنے مان لئے جائیں مگر پھر بھی جب عقلمندوں نے دیکھا کہ موخر الذکر معنے اُس شخص نے کئے ہیں جو موید من اللہ ہے یعنے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ نے۔ اور یہ بھی خیال کیا کہ انسانی عقل کے اجتہادی معنوں میں غلطی کا احتمال ممکن ہے۔ مگر جن معنوں کی وحی نے تعلیم کی ہے انمیں غلطی ممکن نہیں تو جناب نبی علیہ السلام کے معنوں کو قبول کیا۔ اور مخالفوں کے معنے گو وہ اپنے مذہب کے مولوی اور فاضل کہلاتے تھے ردی کی طرح پھینک دیئے کیونکہ انکو یقین ہو گیا کہ یہ شخص موید من اللہ اور صاحب خوارق ہے اور آسمانی تائیدیں اُسکے شامل حال ہیں لہذا انکو ماننا پڑا کہ یہود اور نصاریٰ کے معنے صحیح نہیں ہیں اسی جہت سے صدہا یہودی اور عیسائی مسلمان ہوئے اور جو معنے دو ہزار برس سے متفق علیہ چلے آتے تھے وہ چھوڑ دیئے۔ اب ان دونوں نظیروں سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک قوم

اور مامور من اللہ میں کسی الٰہی کتاب کے معنے کرنے میں اختلاف پیدا ہو تو وہی معنے قبول کے لائق ہونگے جو اس مامور من اللہ نے کئے ہیں گو بظاہر وہ ضعیف اور دور از قیاس ہی معلوم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ انجیل اور توریت کے اکثر مقامات کے وہ معنے نہیں کرتے جو نصاریٰ اور یہود نے کئے ہیں اور ہم بہرحال اُن معنوں کو قبول کریں گے جو قرآن نے کئے ہیں اور جبکہ یہ اصول متحقق ہو گیا تو اب دیکھنا چاہیے کہ اگر ہمارے مخالف علما میں دیانت اور انصاف کا مادہ ہوتا تو اس صورت میں کہ میں **مسیح موعود** ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے دعوے کی تائید میں بعض احادیث یا قرآنی آیتوں کے وہ معنے کرتا تھا جو میرے مخالف نہیں کرتے۔ خدا ترس لوگوں کو لازم تھا کہ وہ اس اختلاف کیوقت بفرض محال اگر میرے معنے اُنکی نظروں میں کمزور تھے تو وہ مجھ سے اُسی طریق معہود سے تصفیہ کرتے جیسا کہ پہلے راستباز آدمی ایسے وقتوں میں تصفیہ کرتے رہے ہیں۔ یعنے صرف یہ تحقیق کرتے کہ آیا یہ شخص مؤید من اللہ ہے یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ انھوں نے یہ طریق میرے ساتھ مسلوک نہیں رکھا۔ حالانکہ اگر اُن میں انصاف ہوتا تو ایمانداری کے رو سے اس طریق کا اختیار کرنا انپر لازم تھا۔ اور عجیب تر یہ کہ جس پہلو کو عبارات کے معنوں میں ہمنے اختیار کیا ہے وہ نہایت صحیح اور معقولی طور پر بھی قرین قیاس ہے۔ مگر پھر بھی ہمارے مخالفوں نے اُن معنوں سے مونہہ پھیر لیا۔ حالانکہ اُن کا یہ فرض تھا کہ اگر ہمارے معنے اُنکے معنوں کے مقابل ضعیف بھی ہوتے تب بھی تائید الٰہی کے ثبوت کے بعد اُن ہی معنوں کو قبول کر لیتے۔ اب بتلاؤ کہ کیا یہ طریق تقویٰ ہے جو انھوں نے اختیار کیا۔ سوچکر دیکھو کہ جب ایسے اختلافات نبیوں اور دوسری قوموں میں ہوئے ہیں تو سعید لوگوں نے کس طریق کو اختیار کیا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انھوں نے بہرحال وہ معنے قبول کئے جو نبیوں کے مونہہ سے نکلے۔

اب پھر ہم کلام سابق کی طرف عود کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ ہمنے ہمدردی خلائق کے لئے دو مرکب دوائیں طاعون کے علاج کی طیار کی ہیں۔ ایک وہ دوا ہے جسپر دو ہزار پانسو روپیہ (۲۵۰۰) خرچ آیا ہے جسمیں سے دو ہزار روپیہ کے یاقوت رمانی اخویم مولوی حکیم نوردین صاحب نے

عنایت فرمائے ہیں۔ اور چار سو روپیہ شیخ رحمت اللہ صاحب نے دیا ہے اور سو روپیہ اور متفرق
دوستوں کیطرف سے ہے۔ اس دوا کا نام **تریاق الٰہی** رکھا گیا ہے۔ یہ اُسوقت کام آسکتی
ہے کہ جب خدانخواستہ پھر جاڑے کی موسم میں طاعون پھیلے۔ ابھی ہم بیان نہیں کر سکتے کہ یہ گران
قیمت دوا جسپر اڑھائی ہزار روپیہ خرچ آیا ہے کن لوگوں کو دیجائے گی اور کیا یہ فروخت بھی ہو سکتی ہے
یا نہیں۔ دوا قلیل ہے اور جماعت بہت ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ عام لوگ اس تریاق الٰہی سے نئی
زندگی حاصل کریں مگر گنجائش نہیں ہے۔ مجھے ایک الہام میں یہ فقرات القا ہوئے تھے کہ یا مسیح
الخلق عدوانا۔ میرے خیال میں ہے کہ عدویٰ سے مراد یہی طاعون ہے۔ اگر میں اُس الہام
کے معنے کرنے میں غلطی نہیں کرتا جس میں یہ لکھا ہے کہ انہ اوی القریۃ۔ تو کیا تعجب ہے کہ کسی
عام زور طاعون کیوقت میں قادیان دارالامن رہے۔ میں ہمیشہ اور پنج وقتہ نماز میں دعا کرتا ہوں
کہ خدا اس بلا کو دنیا سے اٹھا دے اور اپنے بندوں کی تقصیریں معاف کرے مگر پھر بھی مجھے اُن
الہامات کے لحاظ سے جو ظاہر کر چکا ہوں اسحالتمیں کہ لوگ توبہ نکریں سخت اندیشہ ہے کہ یہ آگ
جاڑے کی موسم میں یا اسکے ابتدا میں ہی یا برسات کی موسم میں ہی بھڑک نہ اٹھے۔

یاد رہے کہ کفر اور ایمان کا فیصلہ تو مرنے کے بعد ہوگا اسکے لئے دنیا میں کوئی عذاب
نازل نہیں ہوتا۔ اور جو پہلی امتیں ہلاک کیگئیں وہ کفر کے لئے نہیں بلکہ اپنی شوخیوں اور شرارتوں
اور ظلموں کیوجہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرعون بھی اپنے کفر کے باعث سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ اپنے
ظلم اور زیادتی کیوجہ سے ہلاک ہوا۔ محض کفر کے سبب سے اس دنیا میں کسی پر عذاب نازل نہیں
ہوتا۔ اگر کوئی کافر ہو مگر غریب مزاج اور آہستہ رو ہو اور ظالم نہ ہو تو اُسکے کفر کا حساب قیامت کے دن
ہوگا۔ اس دنیا میں ہر ایک عذاب ظلم اور بدکاری اور شوخیوں اور شرارتوں کیوجہ سے ہوتا ہے اور ایسا
ہی ہمیشہ ہوگا۔ اگر خدا تعالیٰ کی نظر میں لوگ شوخ طبع اور متکبر اور ظالم اور بیخوف اور مردم آزار ہونگے
خواہ وہ مسلمان ہوں خواہ ہندو خواہ عیسائی عذاب سے بچ نہیں سکینگے۔ کاش لوگ اس بات کو سمجھیں
اور غریب مزاج اور بے شر انسان بنجائیں۔ خدا تعالیٰ کسی کو عذاب دیکر کیا کرے گا اگر وہ اس سے ڈرتے

رہیں۔ خدا تعالیٰ کے تمام نبی رحمت کے لئے آئے اور جس نے رحمت کو قبول نکیا اُس نے عذاب مانگا۔ ہر ایک نبی جو دنیا میں آیا وہ رحمت کا پیغام لیکر آیا اور عذاب خدا سے نہیں بلکہ لوگوں نے اپنی کرتوتوں سے آپ پیدا کیا۔ ہاں وہ سچوں کے لئے ایک علامت بھی ٹھہر گئے کہ انکے ساتھ ایک عذاب بھی آتا رہا۔*

اسجگہ یہہ بھی واضح رہے کہ ہمنے طاعون کے علاج کے لئے ایک مرہم بھی طیار کی ہے۔ یہ ایک پورانا نسخہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے اور اسکا نام مرہم عیسےٰ ہے اگرچہ امتداد زمانہ کے سبب سے بعض دواؤں میں تبدیلی ہوگئی ہے یعنے طب کی بہت سی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طبیب نے کوئی دوا اُس نسخہ میں داخل کی ہے اور دوسرے نے بجائے اُسکے کوئی اور داخل کردی ہے۔ لیکن یہ تغیر صرف ایک دو دواؤں میں ہوا ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک دوا ہر ایک ملک میں پائی نہیں جاتی یا کم پائی جاتی ہے یا بعض موسموں میں پائی نہیں جاتی۔ سو جسجگہ یہ اتفاق ہوا کہ ایک دوا مل نہیں سکی تو کسی طبیب نے اس کا بدل کوئی اور دوا ڈالدی اور درحقیقت قرابادینوں کے تمام مرکبات میں جو بعض جگہ اختلاف نسخوں کا پایا جاتا ہے اُس کا یہی سبب ہے مگر ہم نے بڑی کوشش سے اصل نسخہ طیار کیا ہے۔ اس مرکب کا نام مرہم عیسےٰ ہے اور مرہم حواریین بھی اسے کہتے ہیں اور مرہم الرسل بھی اسکا نام ہے کیونکہ عیسائی لوگ حواریوں کو مسیح کے رسول یعنے ایلچی کہتے تھے کیونکہ انکو جس جگہ جانے کے لئے حکم دیا جاتا تھا وہ ایلچی کی طرح جاتے تھے۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ جیسا کہ یہ نسخہ طب کے تمام نسخوں سے قدیم اور پورانا ثابت ہوا ہے ایساہی یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ دنیا کی اکثر قوموں کے طبیبوں نے اس نسخہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے چنانچہ جسطرح عیسائی طبیب اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں ایساہی رومی طبابت کی قدیم کتابوں میں بھی یہ نسخہ پایا جاتا ہے۔ اور زیادہ تر تعجب یہ کہ یہودی طبیبوں نے بھی اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور وہ بھی اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ یہ نسخہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے بنایا گیا تھا اور نصرانی طبیبوں کی کتابوں اور مجوسیوں اور مسلمان طبیبوں اور دوسرے تمام طبیبوں نے جو مختلف قوموں میں گذرے ہیں اس بات کو

* اسی وجہ سے حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت میں ملک میں طاعون بھی پھوٹے گی۔ منہ

بالاتفاق تسلیم کرلیا ہے کہ یہ نسخہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ ان مختلف فرقوں کی کتابوں میں سے ہزار کتاب ایسی پائی گئی ہے جنمیں یہ نسخہ مع وجہ تسمیہ درج ہے اور وہ کتابیں ابتک موجود ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اکثر وہ کتابیں ہمارے کتب خانہ میں ہیں اور شیخ الرئیس بو علی سینا نے بھی اس نسخہ کو اپنے قانون میں لکھا ہے۔ چنانچہ میرے کتب خانہ میں شیخ بو علی سینا کے قانون کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو پانسو برس کا لکھا ہوا ہے اسمیں بھی یہہ نسخہ مع وجہ تسمیہ موجود ہے۔ ان تمام کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرہم عیسے اُسوقت طیار کیگئی تھی کہ جب نالائق یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے صلیب پر چڑھا دیا تھا اور اُنکے پیروں اور ہاتھوں میں لوہے کے کیل ٹھونک دیئے تھے لیکن خدا تعالےٰ کا ارادہ تھا کہ انکو صلیبی موت سے بچاوے۔ اسلئے خدائے عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے ایسے اسباب جمع کردیئے جنکی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان بچگئی۔ منجملہ اُنکے ایک یہ سبب تھا کہ آنجناب جمعہ کو قریب عصر کے صلیب پر چڑھائے گئے۔ اور صلیب پر چڑھانے سے پہلے اُسی رات پیلاطوس کی بیوی نے جو اُس ملک کا بادشاہ تھا ایک ہولناک خواب دیکھا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر یہ شخص جو یسوع کہلاتا ہے قتل کیا گیا تو تم پر تباہی آئے گی۔ اُس نے یہ خواب اپنے خاوند یعنے پیلاطوس کو بتلایا اور چونکہ دنیادار لوگ اکثر وہمی اور بزدل ہوتے ہیں اسلئے پیلاطوس خاوند اُس کا اس خواب کو سُنکر بہت ہی گھبرایا اور اندر ہی اندر اس فکر میں لگ گیا کہ کسی طرح یسوع کو قتل سے بچالیا جائے۔ سو اس دلی منصوبہ کے انجام کے لئے پہلا داؤ جو اس نے یہودیوں کے ساتھ کھیلا وہ یہی تھا کہ یہ تدبیر کی کہ یسوع کو جمعہ کے روز عصر کے وقت صلیب دی جائے۔ اور اُسے معلوم تھا کہ یہودی صرف اُسے صلیب دینا چاہتے ہیں کسی اور طریق سے قتل کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہودیوں کے مذہب کے رو سے جس شخص کو صلیب کے ذریعہ قتل کیا جائے خدا کی لعنت اُسپر پڑجاتی ہے اور پھر خدا کی طرف اُس کا رفع نہیں ہوتا۔ اور بعد اُس کے یہ امر ممکن ہی نہیں ہوتا کہ خدا اُس سے محبت کرے اور یا وہ خدا کی نظر میں ایماندار ول

اور راستبازوں میں شمار کیا جائے۔ لہذا یہودیوں کی یہہ خواہش تھی کہ یسوع کو صلیب دیکر پھر توریت کے روسے اسبات کا اعلان دیدیں کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو ہرگز مصلوب نہ ہو سکتا اور اِس طرح مسیح کی جماعت کو متفرق کر دیں یا جو لوگ اندر ہی اندر کچھ نیک ظن رکھتے تھے اُنکی طبیعتوں کو خراب کردیں۔ اور خدانخواستہ اگر واقعہ صلیب وقوع میں آجاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ ایک ایسا داغ ہوتا کہ کسی طرح اُنکی نبوت درُست نہ ٹھہر سکتی اور نہ وہ راستباز ٹھہر سکتے اسلئے خدا تعالےٰ کی حمایت نے وہ تمام اسباب جمع کر دیئے جنسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہونیسے بچگئے۔ اُن اسباب میں سے پہلا سبب یہی تھا کہ پیلاطوس کی بیوی کو خواب آیا اور اُس سے ڈر کر پیلاطوس نے یہ تدبیر سوچی کہ یسوع جمعہ کے دن عصر کیوقت صلیب دیا جائے۔ اس تدبیر میں پیلاطوس نے یہہ سوچا تھا کہ غالباً اس قلیل مدت کی وجہ سے جو صرف جمعہ کے ایک دو گھنٹے ہیں یسوع کی جان بچ جائے گی کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ جمعہ ختم ہونے کے بعد مسیح صلیب پر رہ سکتا۔ وجہ یہ کہ یہودیوں کی شریعت کے روسے یہ حرام تھا کہ کوئی شخص سبت میں یا سبت سے پہلی رات میں صلیب پر رہے۔ اور صلیب دینے کا یہ طریق تھا کہ صرف مجرم کو صلیب کیساتھ جوڑ کرکے پیروں اور ہاتھوں میں کیل ٹھونکے جاتے تھے اور تین دن تک وہ اسی حالت میں دھوپ میں پڑا رہتا تھا۔ اور آخر کئی اسباب جمع ہو کر یعنے درد اور دھوپ اور تین دن کا فاقہ اور پیاس مجرم مرجاتا تھا۔ مگر جیسا کہ ابھی ہمنے بیان کیا ہے جو شخص جمعہ میں صلیب پر کھینچا جاتا تھا وہ اُسی دن اتار لیا جاتا تھا کیونکہ سبت کے دن صلیب پر رکھنا سخت گناہ اور موجب تاوان اور سزا تھا۔ سو یہ داؤ پیلاطوس کا چلگیا کہ یسوع جمعہ کی آخری گھڑی میں صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل نے چند اور اسباب بھی ایسے پیدا کر دیئے جو پیلاطوس کے اختیار میں نہ تھے اور وہ یہہ کہ عصر کے تنگ وقتمیں تو یہودیوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا اور ساتھ ہی ایک سخت آندھی آئی جس نے دن کو رات کی مشابہ کر دیا۔ اب یہودی ڈرے کہ شاید شام ہو گئی کیونکہ یہودیونکو سبت کے دن یا سبت کی رات کسی کو صلیب پر رکھنے کی سخت ممانعت تھی اور یہودیوں کے مذہب کے روسے دن سے پہلے

جو رات آتی ہے وہ آنے والے دن میں شمار کیجاتی ہے۔ اس لئے جمعہ کے بعد جو رات تھی وہ سبت کی رات تھی۔ لہذا یہودی آندھی کے پھیلنے کے وقت میں اس بات سے بہت گھبرائے کہ ایسا نہ ہو کہ سبت کی رات میں یہ شخص صلیب پر ہو۔ اسلئے جلدی سے انہوں نے اتار لیا اور دو چور جو ساتھ صلیب دیئے گئے تھے انکی ہڈیاں توڑی گئیں۔ لیکن مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑیں کیونکہ پیلاطوس کے سپاہیوں نے جنکو پوشیدہ طور پر سمجھایا گیا تھا کہدیا کہ اب نبض نہیں ہے اور یسوع مرچکا ہے۔ مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ راستباز کا قتل کرنا کچھ سہل امر نہیں اسلئے اُسوقت نہ صرف پیلاطوس کے سپاہی یسوع کے بچانے کے لئے تدبیریں کر رہے تھے بلکہ یہود بھی حواس باختہ تھے۔ اور آثار قہر دیکھکر یہودیوں کے دل بھی کانپ گئے تھے اور اس وقت پہلے زمانہ کے آسمانی عذاب جو اُنپر آتے رہے اُنکی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اسلئے کسی یہودی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ یہ کہے کہ ہم تو ضرور ہڈیاں توڑینگے اور ہم باز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ اُسوقت رب السموات والارض نہایت غضب میں تھا اور جلال الٰہی یہودیوں کے دلونپر ایک رعبناک کام کر رہا تھا۔ لہذا انہوں نے جنکے باپ دادے ہمیشہ خدا تعالے کے غضب کا تجربہ کرتے آئے تھے جب سخت اور سیاہ آندھی اور عذاب کے آثار دیکھے اور آسمان پر سے خوفناک آثار نظر آئے تو وہ سراسیمہ ہو کر گھروں کیطرف بھاگے۔

اس بات پر یقین کرنے کے لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے **پہلی دلیل** یہ ہے کہ وہ انجیل میں یونس نبی سے اپنی مشابہت بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یونس کی طرح میں بھی قبر میں تین دن رہوں گا جیسا کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں رہا تھا اب یہ مشابہت جو نبی کے مونہہ سے نکلی ہے قابل غور ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح مردہ ہونے کیحالت میں قبر میں رکھے گئے تھے تو پھر مردہ اور زندہ کی کسطرح مشابہت ہو سکتی ہے؟ کیا یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا رہا تھا؟۔ سو یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ ہرگز مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ وہ مردہ ہونے کی حالت میں قبر میں داخل ہوئے۔

پھر دوسری دلیل یہ ہے کہ پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں دکھلایا گیا کہ اگر یہ شخص مارا گیا تو اس میں تمہاری تباہی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حقیقت میں عیسے علیہ السلام صلیب دیئے جاتے یعنے صلیبی موت سے مرجاتے تو ضرور تھا کہ جو فرشتہ نے پیلاطوس کی بیوی کو کہا تھا وہ وعید پورا ہوتا۔ حالانکہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ پیلاطوس پر کوئی تباہی نہیں آئی۔ **تیسری دلیل** یہ ہے کہ حضرت مسیح نے خود اپنے بچنے کے لئے تمام رات دعا مانگی تھی اور یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ ایسا مقبول درگاہ الٰہی تمام رات رو رو کر دعا مانگے اور وہ دعا قبول نہ ہو۔ **چوتھی دلیل** یہ ہے کہ صلیب پر پھر مسیح نے اپنے بچنے کے لئے یہ دعا کی ایلی ایلی لما سبقتانی ای میرے خدا ای میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ اب کیونکر ممکن ہو کہ جبکہ اس حد تک انکی گدازش اور سوزش پہونچگئی تھی پھر خدا انپر رحم نہ کرتا۔ **پانچویں دلیل** یہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر صرف گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ رکھے گئے اور شاید اس سے بھی کم اور پھر اتارے گئے اور یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ اس تھوڑے عرصہ اور تھوڑی تکلیف میں انکی جان نکل گئی ہو اور یہود کو بھی پختہ ظن سے اس بات کا دھڑکہ تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا۔ چنانچہ اسکی تصدیق میں اللہ تعالیٰ بھی قرآن شریف میں فرماتا ہے **وما قتلوہ یقیناً** یعنے یہود قتل مسیح کے بارے میں ظن میں رہے اور یقینی طور پر انھوں نے نہیں سمجھا کہ درحقیقت ہم نے قتل کر دیا۔ **چھٹی دلیل** یہ ہے کہ جب یسوع کے پہلو میں ایک خفیف سا چھید دیا گیا تو اسمیں سے خون نکلا اور خون بہتا ہوا نظر آیا اور ممکن نہیں کہ مردہ میں خون بہتا ہوا نظر آئے **ساتویں دلیل** یہ ہے کہ یسوع کی ہڈیاں توڑی نہ گئیں جو مصلوب کے مارنے کے لئے ایک ضروری فعل تھا۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ تین دن صلیب پر رکھکر پھر بھی بعض آدمی زندہ رہ جاتے تھے پھر کیونکر ایسا شخص جو صرف چند منٹ صلیب پر رہا اور ہڈیاں نہ توڑی گئیں وہ مرگیا ہو۔ **آٹھویں دلیل** یہ ہے کہ انجیل سے ثابت ہے کہ یسوع صلیب سے نجات پاکر پھر اپنے حواریوں کو ملا اور انکو اپنے زخم دکھلائے اور ممکن نہیں کہ یہ زخم اس

حالت میں موجود رہ سکتے کہ جبکہ یسوع مرنے کے بعد ایک تازہ اور نیا جلالی جسم پاتا۔ **نویں دلیل** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیبی موت سے محفوظ رہنے پر یہی نسخہ مرہم عیسےٰ ہے۔ کیونکہ ہرگز خیال نہیں ہو سکتا کہ مسلمان طبیبوں اور عیسائی ڈاکٹروں اور رومی مجوسی اور یہودی طبیبوں نے باہم سازش کر کے یہ بے بنیاد قصہ بنا لیا ہو۔ بلکہ یہ نسخہ طبابت کی صدہا کتابوں میں لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ ایک ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی قرابادین قادری میں اس نسخہ کو امراض الجلد میں لکھا ہوا پائے گا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مذہبی رنگ کی تحریروں میں کئی قسم کی کمی زیادتی ممکن ہے۔ کیونکہ تعصبات کی اکثر آمیزش ہو جاتی ہے۔ لیکن جو کتابیں علمی رنگ میں لکھی گئیں انہیں نہایت تحقیق اور تدقیق سے کام لیا جاتا ہے۔ لہذا یہ نسخہ مرہم عیسےٰ اصل حقیقت کے دریافت کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ خیالات کہ گویا حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے تھے کیسے اور کس پایہ کے ہیں۔ اور خود ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے جسم کو آسمان پر اٹھانے کے لئے کوئی بھی ضرورت نہیں تھی۔ خدا تعالیٰ حکیم ہے عبث کام کبھی نہیں کرتا۔ جبکہ اُس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غار ثور میں صرف دو تین میل کے فاصلے پر مکہ سے چھپا دیا اور سب ڈھونڈنے والے ناکام اور نامراد واپس گئے تو کیا وہ حضرت مسیح کو کسی پہاڑ کی غار میں چھپا نہیں سکتا تھا اور بجز دوسرے آسمان پر پہونچانے کے یہودیوں کی ہمت اور تلاش پر اُسکو دل میں کھٹکا تھا۔

ماسوا اسکے کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن شریف یا حدیث میں کہیں اور کسی مقام میں حضرت عیسیٰ کی نسبت صعود کا لفظ بھی لکھا ہے✠۔ ہاں رفع کا لفظ ہے جو توفی کی لفظ کے بعد آیا ہے۔ اور یہیں قرآن اور حدیث کے بہت سے مقامات سے معلوم ہوا ہے کہ توفی کے بعد مومنوں کا رفع ہوتا ہے۔ یعنی مومن کی روح جسم کی مفارقت کے بعد روحانی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف بلائی جاتی ہے جیسا کہ آیت ارجعی الی ربک سے ظاہر ہے۔ اور اگرچہ تمام انبیاء اور رسول اور صدیق اور اولیاء اور تمام مومنین مرنے کے بعد روحانی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف ہی اٹھائے جاتے اور رفع کے مرتبہ سے عزت دیئے جاتے ہیں مگر قرآن شریف میں حضرت

✠ حدیث صحیح میں حضرت عیسیٰ کی عمر ایکسو بیس ۱۲۰ برس مقرر کر دی گئی ہے۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ اس عالم کو چھوڑ کر عالم اموات میں گئے اور اب تک ان لوگوں میں رہتے ہیں جو فوت ہو چکے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں اور نہ کوئی اور خاصہ اس دنیا کی زندگی کا انہیں موجود ہے۔ یحیی نبی جو فوت ہو کر دوسرے عالم میں گیا ہے وہ بھی انکے ساتھ ہی ہے۔ منہ

عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا خصوصیت کیساتھ اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہودی لوگ آپکے رفع روحانی سے سخت منکر تھے اور اب تک منکر ہیں۔ اور اُنکی حجت یہ ہے کہ یسوع یعنے عیسیٰ علیہ السلام صلیب دیئے گئے ہیں اور توریت میں لکھا ہے کہ جو شخص صلیب دیا جائے اُس کا رفع روحانی نہیں ہوتا۔ یعنے اُسکی روح خدا تعالیٰ کی طرف جو مقام راحت ہے اٹھائی نہیں جاتی بلکہ ملعون ٹھہر کر نیچے کیطرف پھینکی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ یہودیوں کے اس اعتراض کو دور کرے اور حضرت مسیح کے رفع روحانی پر گواہی دے۔ سو اسی گواہی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا ؎ یعنے اے عیسیٰ میں تجھے وفات دونگا اور وفات کے بعد تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے اُن الزاموں سے پاک کرونگا جو تیرے پر اُن لوگوں نے لگائے جنھوں نے تیری راستبازی کو قبول نہ کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس جگہ رفع جسمانی کی کوئی بحث نہ تھی۔ اور یہودیوں کے عقیدہ میں یہہ ہرگز داخل نہیں کہ جس کا رفع جسمانی نہ ہو وہ نبی یا مومن نہیں ہوتا پس اس بیہودہ قصے کے چھیڑنے کی کیا حاجت تھی۔ خدا تعالیٰ کا کلام لغو سے پاک ہے۔ وہ تو اُن مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے جن کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ یہود نالائق نعوذ باللہ حضرت مسیح کو کافر اور کاذب اور مفتری ٹھہراتے تھے اور کہتے تھے کہ موسیٰ اور تمام راستبازوں کی طرح انکو روحانی رفع نصیب نہیں ہوا اور کسی حد تک نصاریٰ بھی اُنکی ہاں میں ہاں ملانے لگے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ دونوں فریق جھوٹے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام بے شک مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے ہیں جیسا کہ اور راستباز اٹھائے گئے۔ یہ بعینہ ایسا ہی فیصلہ ہے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ عیسیٰ اور اُسکی ماں مس شیطان سے پاک ہیں۔ جاہل مولویوں نے اس کے یہہ معنے کرلئے کہ بجز حضرت عیسیٰ اور انکی ماں کے اور کوئی نبی ہو یا رسول ہو مس شیطان سے پاک نہیں یعنے معصوم نہیں اور آیت اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ کو بھول گئے اور نیز آیت سلام علیہ یوم وُلِدَ کو پس پشت ڈالدیا۔ اور بات صرف اتنی تھی کہ اس حدیث

؎ مخالفین کی حالت پر رونا آتا ہے وہ نہیں سوچتے کہ اگر اس آیت انی متوفیک ورافعک الیّ سے ایک پاک موت کا بیان کرنا غرض نہیں تھا اور بجائے ملعون ہونیکے روحانی رفع کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا تو اس قصے کو بیان کرنے کی کونسی ضرورت تھی اور جسمانی رفع کیلئے کونسی دینی ضرورت پیش آئی تھی افسوس صاف اور سیدھی بات کو ناحق بگاڑتے ہیں۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو ملعون ٹھہرا کر انکے رفع روحانی سے منکر ہوگئے تھے اب رافعک الیّ سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حضرت عیسیٰ ملعون نہیں ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کیطرف اُن کا رفع ہوگیا۔ اور توفّی کے لفظ سے جسکے معنے صحیح بخاری میں مارنا کیا گیا حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہوگئی۔ علاوہ اسکے خَلَتْ کا لفظ جہاں جہاں قرآن شریف میں انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے موت کے معنوں پر استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا آیت قد خلت من قبلہ الرسل سے بھی حضرت عیسیٰ کی موت ہی ثابت ہوئی۔ اسقدر دلائل موت اور پھر انکار۔ ای افسوس یہ کیا ہیں اطوار۔ منہ

میں بھی یہودیوں کا ذبّ اور دفع اعتراض منظور تھا۔ چونکہ وہ لوگ طرح طرح کے ناگفتنی بہتان
حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ پر لگاتے تھے اس لیئے خدا کے پاک رسول نے گواہی دی کہ یہودیوں
میں سے مسّ شیطان سے کوئی پاک نہ تھا اگر پاک تھے تو صرف حضرت عیسیٰ اور اُنکی والدہ
تھی نعوذ باللہ اس حدیث کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ایک حضرت عیسیٰ اور اُنکی والدہ ہی معصوم
ہیں اور انکے سوا کوئی نبی ہو یا رسول ہو مسّ شیطان سے معصوم نہیں ہے۔

ہمارے بعض نادان علمار کی جیسی یہ غلطی ہے ویسی ہی یہ غلطی بھی ہے کہ وہ رفع
سے مراد جسمانی رفع سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ جسمانی رفع کے بارے میں کوئی بحث نہ تھی اور نہ یہہ
مسئلہ مُہتمّ بالشان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دُنیا کے کسی مذہب کے نزدیک جسمانی رفع شرط نجات
نہیں ہے مگر روحانی رفع شرط نجات ہے۔ اور یہودیونکی یہ کوشش تھی کہ جو امر توریت کے
رو سے شرط نجات ہے وہ حضرت عیسیٰ کی ذات سے مسلوب ثابت کر دیا جائے۔ یعنے یہہ
ثابت کیا جائے کہ وہ امر اُنمیں نہیں پایا جاتا۔ اسی غرض سے انھوں نے اپنی دانست میں صلیب
دی تھی۔ اور صلیب کا نتیجہ جو توریت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ جو شخص مصلوب
ہو وہ مع جسم عنصری آسمانپر نہیں جاتا۔ بلکہ یہ ہے کہ راستبازوں کی طرح اُسکی روح خدا کی
طرف اٹھائی نہیں جاتی۔ یہودی ابتک زندہ موجود ہیں۔ اگر کسی کو تحقیق حق منظور ہوتی تو اُن
سے پوچھتا کہ تم نے صلیب دینے سے کیا نتیجہ نکالا؟ کیا یہ کہ حضرت عیسیٰ بوجہ صلیب جسمانی طور
پر آسمان پر جانے سے روکے گئے اور یا یہ کہ وہ صلیب پانے سے روحانی رفع الی اللہ سے ناکام
رہے؟ کیا اس بات کا تصفیہ کچھ مشکل تھا؟ مگر اس پر آشوب زمانے میں لاکھوں میں سے کوئی
ایسا انسان ہوگا جسکے دل کو یہ بیقراری ہوگی کہ وہ حق کی تلاش کرے۔ خدا تعالیٰ کا یہہ ہم
بندوں پر احسان ہے کہ وہ سچائی کو ہر ایک پہلو سے ظاہر کر دیتا ہے اور بعض دلائل کو بعض
کے گواہ بنا دیتا ہے۔ اور نہیں چھوڑتا جبتک کہ خبیث کو طیب سے اور طیب کو خبیث سے الگ
کر کے نہ دکھلا دے۔ سو اُسی کی حمایت سے یہ ایک کرشمہ قدرت ہی کہ مرہم عیسیٰ کا نسخہ تمام

کتابوں میں نکل آیا اور ثابت ہوگیا کہ دنیا کے قریباً تمام طبیب مرہم عیسیٰ کا نسخہ اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں اور یہ بھی تحریر کرتے آئے ہیں کہ یہ مرہم چوٹوں اور زخموں کے لیئے نہایت درجہ فائدہ مند ہے یہ حضرت عیسیٰ کے لیئے بنائی گئی تھی - طبیبوں کی یہ تحقیقات ایک ایسی درجہ کی تحقیقات ہے جس سے تمام اسرار الٰہی منکشف ہوجاتے ہیں اور اصل حقیقت کھلتی ہے اور صاف طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے سوانح میں اصل بات صرف اسقدر تھی کہ وہ موافق وعدہ خدا تعالیٰ کے صلیبی قتل سے نجات دیئے گئے اور پھر اس مرہم کے ساتھ چالیس دن تک اُنکے زخموں کا علاج ہوتا رہا جیساکہ انجیلوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُس مقام میں جہاں صلیب پر چڑھائے گئے تھے واقعہ صلیب کے بعد چالیس دن تک پوشیدہ طور پر رہے پھر جیساکہ انکو حکم تھا اُن ملکوں کی طرف تشریف لیگئے جہاں جہاں یہودی اپنے وطن سے متفرق ہوکر آباد تھے - چنانچہ اسی نیت سے وہ کشمیر میں پہنچے اور کشمیر میں ایکسو بیس ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور شہر سرینگر محلہ خانیار میں اُن کا مزار ہے. اور اُس جگہ شاہزادہ یوزآسف نبی کر کے مشہور ہیں - اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُنیس سَو ۱۹۰۰ برس اس نبی کے فوت ہونے پر گذر گئے ہیں - ✢

غرض یہہ مرہم عیسیٰ حضرت عیسیٰ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، اور اسمیں ابتک وہ تاثیر زخموں اور چوٹوں کے اچھا کرنے کی باقی ہے - اور یہ مرہم طاعون کو بہت فائدہ کرتی ہے اور اور طریق استعمال یہ ہے کہ اُن مقامات پر اسکی مالش کیجائے جہاں اکثر طاعون کا دانہ نکلتا ہے - جیساکہ کانوں کے آگے اور گردن کے نیچے اور بغلوں کے اندر اور کنج ران - اور ماسوا اس کے جدوار کی سرکہ کے ساتھ گولیاں بناکر چھ رتی کے قریب ہر روز وہ گولیاں چھاچھ کے ساتھ کھایا کریں - اور سپرٹ کیمفر اور کلوروفارم اور وائنم اپیکاک باہم ملاکر جیبیں بیس قطرہ سے زیادہ نہ ہو سات تولہ اسمیں پانی ڈالدیں اور یاقوت رمانی کی اُس دوا کے ساتھ جس کا نام ہمنے تریاق الٰہی رکھا ہے تین وقت صبح دوپہر شام استعمال کریں - اور اگر تریاق الٰہی نہ مل سکے تو صرف ان عرقیات

✢ حال میں جو تبت سے ایک انجیل کسی غار سے برآمد ہوئی ہے جسکو ایک روسی فاضل نے کمال جدوجہد سے چھپواکر شایع کردیا ہے جس کے شایع کرنیسے پادری صاحبان بہت ناراض پائے جاتے ہیں یہ واقعہ بھی کشمیر کی قبر کے واقعہ پر ایک گواہ ہے - یہہ انجیل پادریوں کی انجیلوں سے مضامین میں بہت مختلف اور موجودہ عقیدہ کے بہت برخلاف ہے یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں اُسکو شایع ہونیسے روکا گیا ہے مگر ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ترجمہ کرکے اُسکو شایع کردیں - منہ

کو طریق مذکورہ بالا کے ساتھ پی لینا اور جدوار کی گولیاں بھی کھاتے رہنا انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اور بچے جن کی عمر دس بارہ سال تک ہے اُنکے لئے تین تین قطرے کافی ہے۔

ہم ذیل میں ناظرین کی عام واقفیت کیلئے اپنا پہلا اشتہار جو ۶؍ فروری ۱۸۹۸ء کو طاعون کے بارہ میں شایع کیا گیا تھا دوبارہ درج کرتے ہیں تا معلوم ہو کہ کیونکر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ سے پیش از وقت بعض اسرار ربوبیت ہم پر ظاہر فرماتے ہیں اور تا کسی آیندہ وقت میں یہ اشتہار موجب تقویت ایمان اور حق کے طالبوں کے لئے یقین کامل کا موجب ٹھہرے۔ اور وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ

طَاعُون

اس مرض نے جسقدر بمبئی اور دوسرے شہروں اور دیہات پر حملے کئے اور کر رہی ہے اُنکے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دو سال کے عرصے میں ہزاروں بچے اس مرض سے یتیم ہو گئے اور ہزارہا گھر ویران ہو گئے۔ دوست اپنے دوستوں سے اور عزیز اپنے عزیزوں سے ہمیشہ کیلئے جدا کئے گئے اور ابھی انتہا نہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ محسنہ نے کمال ہمدردی سے تدبیریں کیں اور اپنی رعایا پر نظر شفقت کر کے لکھوکھا روپیہ کا خرچ اپنے ذمہ ڈال لیا۔ اور قواعد طبیہ کے لحاظ سے جہانتک ممکن تھا ہدایتیں شایع کیں۔ مگر اس مرض مہلک سے ابتک کچھ امن حاصل نہیں ہوا بلکہ بمبئی میں ترقی پر ہے اور کچھ شک نہیں کہ ملک پنجاب بھی خطرہ میں ہے۔ ہر ایک کو چاہیے کہ اسوقت اپنی اپنی سمجھ اور بصیرت کیموافق نوع انسان کی ہمدردی میں مشغول ہو۔ کیونکہ وہ شخص انسان نہیں جسمیں ہمدردی کا مادہ نہ ہو۔ اور یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ گورنمنٹ کی تدبیروں اور ہدایتوں کو بدگمانی کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ غور سے معلوم ہوگا کہ اس بارہ میں گورنمنٹ کی تمام ہدایتیں نہایت احسن تدبیر پر مبنی ہیں گو ممکن ہے کہ آیندہ اس سے بھی بہتر تدابیر پیدا ہوں۔ مگر ابھی نہ ہمارے ہاتھ میں نہ گورنمنٹ کے ہاتھ میں ڈاکٹری اصول کے لحاظ سے کوئی ایسی تدبیر ہے کہ جو شایع کردہ تدابیر سے عمدہ اور بہتر ہو۔ بعض اخبار والوں نے گورنمنٹ کی تدابیر پر بہت کچھ جرح کیا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اُن تدابیر سے بہتر کونسی تدبیر پیش کی۔ بیشک اس ملک کے شرفاء اور پردہ داروں پر یہ امر بہت کچھ گراں ہوگا کہ جس گھر میں بلاء طاعون نازل ہو تو گو ایسا مریض کوئی پردہ دار جوان عورت ہی ہو تب بھی فی الفور وہ گھر والوں سے الگ کر کے ایک علیحدہ ہوادار مکان میں رکھا جائے جو اس شہر یا گاؤں کے بیماروں کے لئے گورنمنٹ کیطرف سے مقرر ہو۔ اور

اگر کوئی بچہ بھی ہو تو اس سے بھی یہی معاملہ کیا جائے اور باقی گھر والے بھی کسی ہوادار میدان میں چھپروں میں رکھے جائیں لیکن گورنمنٹ نے یہ ہدایت بھی تو شایع کی ہے کہ اگر اس بیمار کے تعہد کے لئے ایک دو قریبی اسکے اُسی مکان میں رہنا چاہیں تو وہ رہ سکتے ہیں۔ پس اس سے زیادہ گورنمنٹ اور کیا تدبیر کر سکتی تھی کہ چند آدمیوں کو ساتھ رہنے کی اجازت بھی دیدے اور اگر یہ شکایت ہو کہ کیوں اُس گھر سے نکالا جاتا ہے اور باہر جنگل میں رکھا جاتا ہے تو یہ ایک احمقانہ شکوہ ہے۔ میں یقیناً اس بات کو سمجھتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ ایسے خطرناک امراض میں مداخلت بھی نہ کرے تو خود ہر ایک انسان کا اپنا وہم وہی کام اُس سے کرائے گا جس کام کو گورنمنٹ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ مثلاً ایک گھر میں جب طاعون سے مرنا شروع ہو تو دو تین موتوں کے بعد گھر والوں کو ضرور فکر پڑے گا کہ اس منحوس گھر سے جلد نکلنا چاہیئے۔ اور پھر فرض کرو کہ وہ اُس گھر سے نکل کر محلہ کے کسی اور گھر میں آباد ہونگے اور پھر اسمیں بھی یہی آفت دیکھیں گے تب ناچار اُنکو اُس شہر سے علیحدہ ہونا پڑیگا۔ مگر یہ تو شرعاً بھی منع ہے کہ وبا کے شہر کا آدمی کسی دوسرے شہر میں جا کر آباد ہو۔

یا بہ تبدیل الفاظ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا قانون بھی کسی دوسرے شہر میں جانیسے روکتا ہے۔ تو اس صورت میں بجز اس تدبیر کے جو گورنمنٹ نے پیش کی ہے کہ اسی شہر کے کسی میدان میں وہ لوگ رکھے جائیں اور کونسی نئی اور عمدہ تدبیر ہے جو ہم نعوذ باللہ اُس خوفناک وقت میں اپنی آزادگی کی حالت میں اختیار کر سکتے ہیں۔ پس نہایت افسوس ہے کہ نیکی کے عوض بدی کیجاتی ہے اور ناحق گورنمنٹ کی ہدایتوں کو بدگمانی سے دیکھا جاتا ہے۔ ہاں یہ ہم کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں ڈاکٹروں اور دوسرے افسروں کو جو ان خدمات پر مقرر ہوں نہایت درجہ کے اخلاق سے کام لینا چاہیئے اور ایسی حکمت عملی ہو کہ پردہ داری وغیرہ امور کے بارہ میں کوئی شکایت بھی نہ ہو اور ہدایتوں پر عمل بھی ہو جائے۔ اور مناسب ہوگا کہ بجائے اس کے کہ حکومت اور رعب سے کام لیا جائے ہدایتوں کے فوائد دلوں میں جمائے جائیں تا بدگمانیاں پیدا نہ ہوں اور مناسب ہے کہ بعض خوش اخلاق ڈاکٹر واعظوں کی طرح مرض پھیلنے سے پہلے دیہات اور شہروں کا دورہ کر کے گورنمنٹ کے مشفقانہ منشاء کو دلوں میں جما دیں تا اس نازک امر میں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

واضح رہے کہ اس مرض کی اصل حقیقت ابھی تک کامل طور پر معلوم نہیں ہوئی اسلئے اسکی تدابیر اور معالجات میں بھی ابتک کوئی کامیابی معلوم نہیں ہوئی۔ مجھے ایک روحانی طریق سے معلوم ہوا ہے کہ اس مرض اور مرض خارش کا مادہ ایک ہی ہے۔ اور میں گمان کرتا ہوں کہ غالباً یہ بات صحیح ہوگی کیونکہ مرض جرب یعنی خارش میں ایسی دوائیں مفید پڑتی ہیں جنمیں کچھ پارہ کا جزو ہو یا گندھک کی آمیزش ہو۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی دوائیں اس مرض کے لئے بھی مفید ہو سکیں۔ اور جبکہ دونوں مرضوں کا مادہ ایک ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ خارش کے پیدا ہونے سے اس مرض میں کمی پیدا ہو جائے۔ یہ روحانی قواعد کا ایک راز ہے جس سے ہمنے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر تجربہ کرنے والے اس امر کی طرف توجہ کریں اور ٹیکا لگانیوالوں کی طرح بطور حفظ ما تقدم ایسے ملک کے لوگوں میں جو خطرہ طاعون میں ہوں خارش کی مرض پھیلا دیں تو میرے گمان میں ہے کہ وہ مادہ اس راہ سے تحلیل پا جائے اور طاعون سے امن رہے۔ مگر حکومت اور ڈاکٹروں کی توجہ بھی خدا تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہے

میں نے محض ہمدردی کی راہ سے اس امر کو لکھدیا ہے کیونکہ میرے دل میں یہ خیال ایسے زور کیساتھ پیدا ہوا جسکو میں روک نہیں سکا۔

اور ایک ضروری امر ہے جسکے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اُسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے۔ مگر میرا فرض ہے کہ میں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے"۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُسنے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اُسکے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔ انہ اوی القریۃ* یعنے جبتک دلوں کی وبار معصیت دور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دور نہیں ہوگی۔ اور درحقیقت دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں بدکاری کثرت سے پھیل گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہوکر ہوا و ہوس کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے۔ اکثر دلوں سے اللہ جل شانہ کا خوف اٹھ گیا ہے اور وباؤں کو ایک معمولی تکلیف سمجھا گیا ہے جو انسانی تدبیروں سے دور ہو سکتی ہے۔ ہر ایک قسم کے گناہ بڑی دلیری سے ہو رہے ہیں۔ اور قوموں کا ہم ذکر نہیں کرتے وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں انہیں سے جو غریب اور مفلس ہیں اکثر انمیں سے چوری اور خیانت اور حرام خوری میں نہایت دلیر پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ بہت بولتے ہیں اور کئی قسم کے خسیس اور مکروہ حرکات اُنسے سرزد ہوتے ہیں اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ نماز کا تو ذکر کیا کئی کئی دنوں تک مونھ بھی نہیں دھوتے اور کپڑے بھی صاف نہیں کرتے۔ اور جو لوگ امیر اور رئیس اور نواب یا بڑے بڑے تاجر اور زمیندار اور ٹھیکہ دار اور دولتمند ہیں۔ وہ اکثر عیاشیوں میں مشغول ہیں اور شرابخوری اور زناکاری اور بداخلاقی اور فضول خرچی اُنکی عادت ہے اور صرف نام کے مسلمان ہیں اور دینی امور میں اور دین کی ہمدردی میں سخت لاپرواہ پائے جاتے ہیں۔

اب چونکہ اس الہام سے جو ابھی میں نے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقدیر معلق ہے اور توبہ اور استغفار اور نیک عملوں اور ترک معصیت اور صدقات اور خیرات اور پاک تبدیلی سے دور ہو سکتی ہے۔ لہذا تمام بندگان خدا کو اطلاع دیجاتی ہے کہ سچے دل سے نیک چلنی اختیار کریں اور بھلائی میں مشغول ہوں اور ظلم اور بدکاری کے تمام طریقوں کو چھوڑ دیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ سچے دل سے خدا تعالیٰ کے احکام بجالاویں۔ نماز

* یہ فقرہ کہ انہ اوی القریۃ۔ ابتک اسکے معنے میرے پر نہیں کھلے۔ اور رویا عام وبا پر دلالت کرتی ہے۔ مگر بطور تقدیر معلق۔ منہ

کے پابند ہوں۔ ہر ایک فسق و فجور سے پرہیز کریں۔ توبہ کریں اور نیک بختی اور خدا ترسی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ غریبوں اور ہمسایوں اور یتیموں اور بیواؤں اور مسافروں اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک کریں اور صدقہ اور خیرات دیں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھیں اور نماز میں اس بلا سے محفوظ رہنے کے لیئے رو رو کر دعا کریں۔ پچھلی رات اٹھیں اور نماز میں دعائیں کریں۔ غرض ہر ایک قسم کے نیک کام بجا لائیں اور ہر قسم کے ظلم سے بچیں اور اُس خدا سے ڈریں کہ جو اپنے غضب سے ایکدم میں ہی دنیا کو ہلاک کر سکتا ہے۔ میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ یہ تقدیر ایسی ہے کہ جو دعا اور صدقات اور خیرات اور اعمال صالحہ اور توبہ نصوح سے ٹل سکتی ہے۔ اس لئے میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ میں عام لوگوں کو اس سے اطلاع دوں یہ بھی مناسب ہے کہ جو کچھ اس بارے میں گورنمنٹ کی طرف سے ہدایتیں شایع ہوئی ہیں خواہ نخواہ ان کو بدظنی سے نہ دیکھیں بلکہ گورنمنٹ کو اس کاروبار میں مدد دیں اور اس کے شکرگذار ہوں کیونکہ سچ یہی ہے کہ یہ تمام ہدایتیں محض رعایا کے فائدے کے لئے تجویز ہوئی ہیں اور ایک قسم کی مدد بھی ہے کہ نیک چلنی اور نیک بختی اختیار کر کے اس بلا کے دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں تا یہ بلا رک جائے یا اُس حد تک نہ پہونچے کہ اس ملک کو فنا کر دیوے۔ یاد رکھو کہ سخت خطرہ کے دن ہیں اور بلا دروازے پر ہے۔ نیکی اختیار کرو اور نیک کام بجا لاؤ۔ خدا تعالےٰ بہت حلیم ہے۔ لیکن اُس کا غضب بھی کھا جانے والی آگ ہے اور نیک کو خدا تعالےٰ ضایع نہیں کرتا۔ مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم۔

بترسید از خدائے بے نیاز و سخت قہّارے ۔۔۔ نہ پندارم کہ بد بیند خدا ترسے نکوکارے
مرا باور نمی آید کہ رسوا گردد آں مردے ۔۔۔ کہ می ترسد ازاں یارے کہ غفارست و ستارے
گر آں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ۔۔۔ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے
خور تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم ۔۔۔ زمیں طاعون ہمی آرد پئے تخویف و انذارے
بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ۔۔۔ علاجے نیست بہر دفع آں جز حسن کردارے
نشاید تافتن سرزاں جناب عزت و غیرت ۔۔۔ کہ گر خواہد کشد در یکدمے چوں کرم بیکارے

من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے
خرد از بہر ایں روزست اے دانا و ہشیارے

تاریخ طبع اشتہار ہذا
۶ فروری ۱۸۹۸ء

قابل توجہ گورنمنٹ

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

یہہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دشمنی میں انتہا تک پہونچ جاتا ہے تو اُسکو اچھی بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے اور اپنے دشمن کے ہنر کو عیب کی رنگ میں دیکھتا ہے اور اُس کی انصاف پسندی کو ظلم سے بدتر جانتا ہے اسی طرح ہمارے بعض مخالفوں کا حال ہے کہ وہ ہماری دشمنی کے جوش میں جب دیکھتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ برطانیہ کی اطاعت کے لئے لوگوں کو رغبت دلاتے ہیں تو وہ خواہ نخواہ مخالفت کرکے گورنمنٹ عالیہ کے حقوق کو بھی جو شرعاً و انصافاً واجب الرعایت ہیں بالائے طاق رکھدیتے ہیں۔ چنانچہ حال میں ایک لاہوری شخص نے جس کی عادت گندے اور ناپاک اشتہار جاری کرنا اور محض جھوٹ کی راہ سے ہم پر افترا کرنا ہے جو اپنے تئیں جعفر زٹلی کے نام سے مشہور کرتا ہے اپنے اشتہار مرقوم یکم جون ۱۸۹۹ء میں علاوہ اور بدزبانی اور بدگوئی اور بہتان کے جس کے جواب دینے کی حاجت نہیں ایک یہہ الزام بھی لگایا ہے کہ گویا ہم نے محض دروغگوئی کے طور پر گورنمنٹ انگریزی کی تعریف میں وہ خوشامد کے الفاظ استعمال کئے ہیں جنکے وہ لائق نہیں ہے اور اُسکی موجودگی کو خدا تعالیٰ کی ایک بڑی بھاری نعمت مانا ہے اور رومی سلطنت کی توہین کی ہے۔

اس کا جواب ہماری طرفسے یہ ہے کہ ہمنے گورنمنٹ برطانیہ کی کوئی خوشامد نہیں کی صرف وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنکا استعمال کرنا حق اور واجب تھا۔ ہمارا یہ مذہب نہیں کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ کیونکہ یہ منافقوں کا طریق اور بے ایمانوں کا کام ہے بلکہ واقعی طور پر قدیم سے ہمارا یہ اصول اور عقیدہ ہے کہ اس گورنمنٹ کا وجود فی الحقیقت ہمارے لئے سراسر رحمت الٰہی ہے کیونکہ بہت سے دینی اور دنیوی مشکلات سے اسی گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم نے نجات پائی اس گورنمنٹ کے آنے سے ہماری مصیبتیں راحتوں کیساتھ

بدل گئیں اور ہمارے دُکھ آرام کے ساتھ متبدل ہوگئے اور ہماری اسیری کی حالت آزادی کی طرف منتقل ہوگئی - ہم اس گورنمنٹ محسنہ کے زمانہ میں امن کیساتھ زندگی بسر کرنے لگے اور ہمیں دینی ترقی کی نسبت بھی اس گورنمنٹ سے وہ فوائد حاصل ہوئے کہ ہم اپنے فرائض آزادی سے ادا کرنے لگے اور جو دینی کتابیں ہمارے باپ دادوں کی نظر سے پوشیدہ رہتی تھیں وہ ہم نے دیکھیں - ہمیں اس گورنمنٹ کے وقت میں کوئی روکتا نہیں کہ ہم پادریوں کا جواب دیں - مگر سکھوں کے وقت میں قطع نظر اس سے کہ سکھ مذہب پر حملہ کرنے کے لئے ہمیں اجازت ہوتی ہم اپنے دین کے شعار ظاہر کرنے سے بھی روکے گئے تھے - نماز جو سب سے پہلا مسلمان کے لئے حکم ہے اُس میں بھی ہمیں یہ مصیبتیں پیش آتی تھیں کہ ہمارے اس ملک کے مسلمانوں کی مجال نہ تھی کہ اپنی مساجد میں پوری آزادی سے بانگ نماز دیں حالانکہ بانگ دینے میں سکھوں کا کچھ بھی حرج نہ تھا مضمون بانگ تو یہی تھا کہ خدا واحد لاشریک ہے اُسکی عبادت کی طرف دوڑو تا نجات حاصل کرو - مگر سکھوں پر اسقدر اسلامی اعلان بھی گران تھا - اور اب ہم انگریزی عہد میں یہانتک دینی امور میں آزادی دیئے گئے ہیں کہ جسطرح پادری صاحبان اپنے مذہب کے لئے دعوت کرتے اور رسائل شایع کرتے ہیں یہی حق ہمیں حاصل ہے کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ جیساکہ اب ہم عیسائی مذہب کا کمال آزادگی سے رد لکھتے اور شایع کرتے ہیں ایسا اختیار کبھی سکھوں کے وقت میں بھی ہمیں ہوا تھا کہ ہم اُنکے مذہب پر کچھ لکھ سکتے؟ بلکہ اپنے فرائض ادا کرنے بھی محال ہوگئے تھے -

اب انصافاً کہو کہ سلطنت انگریزی ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی بزرگ نعمت ہے یا نہیں جسکے آنیسے ہم اپنی دعوت پر ایسے قادر ہوگئے کہ سلطان روم کے ملک میں بھی ایسے قادر نہیں ہوسکتے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واما بنعمة ربك فحدث یعنے ہر ایک نعمت جو خدا سے تجھے پہونچے اُس کا ذکر لوگوںکے پاس کر - سو ہمیں اس گورنمنٹ کا شکر کرنا واجب ہے کیونکہ ہم اس گورنمنٹ سے پہلے ایک لوہے کے تنور میں تھے - اگر یہ گورنمنٹ ہمارے ملک میں قدم نرکھتی تو شاید ابتک تمام مسلمان سکھوں کی طرح ہو جاتے - جو

شخص ان تمام امور پر غور کریگا کہ سکھوں کے عہد میں اسلام اور اسلامی شعار کے کہانتک حالات پہونچ گئے تھے اور کس طرح دن بدن جہالت کا کیڑا کھاتا جاتا تھا وہ بیشک گواہی دیگا کہ انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لئے درحقیقت ایک نہایت **بزرگ نعمت الٰہی** ہے۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک نعمت ہے تو پھر جو شخص خدا تعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلاشبہ بدذات اور بدکردار ہوگا۔ کیا حدیث صحیح میں نہیں ہے کہ جو شخص انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا؟۔ افسوس کہ اس اشتہار کے لکھنے والے نے نہایت جلے ہوئے دل سے بیان کیا ہے کہ کیوں انگریزوں کی سلطنت کی تعریف کی گئی اور کیوں رومی سلطنت کی شکر گذاری نہیں کی گئی۔ اس کا یہی جواب ہے کہ اگرچہ رومی سلطنت بباعث اسلامی سلطنت ہونے کے تعظیم کے لائق ہے لیکن جسقدر اس سلطنت انگریزی کے ہم پر احسان ہیں رومی سلطنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ یہ نیکی اسی سلطنت کے ہاتھ سے ہماری نسبت مقدر تھی کہ ہمیں اُس نے ایسی حالت میں پاکر کہ ہمارے مذہب کی آزادی بالکل چھن گئی تھی اور جو واجب الادا شعار اسلام تھے اُن سے ہم روکے گئے تھے اور قریب قریب وحشیوں کے ہماری حالت پہونچ گئی تھی اور علم اُٹھ گیا تھا اور جہالت بڑھ گئی تھی ایسے وقت میں خدا تعالےٰ اس گورنمنٹ کو دور سے لایا اور اُس کا آنا ہمارے لئے ایسا ہوا کہ ہم یکدفعہ تاریکی سے روشنی میں آگئے اور قید سے آزادی میں داخل ہوئے اور نبوت کے زمانہ کی طرح اس ملک میں دعوت اسلام ہونے لگی اور ہمارے خدا نے بھی جس کی نظر کے سامنے ہر ایک سلطنت ہے اپنے قدیم وعدے پورا کرنے کے لئے اسی سلطنت کو موزون دیکھا۔ اور درحقیقت اِس گورنمنٹ سے اسقدر ہمیں فوائد پہونچے جکو ہم گن نہیں سکتے تو پھر بڑی بدذاتی ہوگی کہ ہم دل میں یہ چھپا ہوا عقیدہ رکھیں کہ گورنمنٹ کے ہم دشمن ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ **هل جزاء الاحسان الّا الاحسان** یعنے نیکی کرنیکی پاداش نیکی ہے۔ اگر ہم صرف مسلمان نیکی کرنے والے سے نیکی کریں اور غیر مذہب والوں سے نیکی نکریں تو ہم خدا تعالیٰ کی تعلیم کو چھوڑتے ہیں کیونکہ اُس نے نیکی

کی پاداش میں کسی مذہب کی قید نہیں لگائی بلکہ صاف فرمایا ہے کہ اُس
شریر پر خدا راضی نہیں کہ جو نیکی کرنے والوں سے بدی کرتا ہے اور یہ بھی یاد
رہے کہ مینے سلطان روم کی ذاتیات پر کوئی حملہ نہیں کیا اور نہ میں سلطان
کے اندرونی حالات سے کچھ واقف ہوں - ہاں میں صرف اتنا کہتا ہوں او
کہوں گا کہ دعوت دین کے متعلق جسقدر ہم آزادی سے انگریزی سلطنت میں
کام کرسکتے ہیں وہ مکہ اور مدینہ میں بیٹھکر بھی نہیں کر سکتے نہ وہاں کرسکتے
ہیں جہاں سلطان کا پایہ تخت ہے - اور ماسوا اسکے سلطان کی نسبت میں
نے کچھ ذکر نہیں کیا میں نے تو صرف اُس سفیر روم کے بارہمیں لکھا تھا جو
قادیاں میں میرے پاس آیا تھا - اسکے حالات کی تصریح سے مجھے خود شرم
آتی ہے کہ وہ قسطنطنیہ دار الاسلام کا نمونہ تھا - افسوس مینے اُس کو نماز
کا پابند بھی نہ پایا اور وہ مجھے ایسا بد نمونہ دکھا گیا جس سے مجھے اُس کے
دوسرے امثال کی نسبت بھی شبہ پیدا ہوا - غرض سلطان کا اسلامی ممالک
کا بادشاہ ہونا یہ امر دیگر ہے اور انگریزوں کے احسان کا شکر ہمپر واجب ہونا
یہ اور بات ہے خدا نے انگریزونکے ہاتھ سے بہت سے غموں سے ہمیں نجات
دی اور ہمیں انگریزوں کی سلطنت میں دعوت اسلام کا موقعہ دیا - سو یہہ
احسان جو انگریزوں کی ذات سے ہمپر ہوا اس کا سلطان ہرگز مستحق نہیں
ہے - احسان فراموش خدا کے نزدیک گنہگار ہوتا ہے - سلطان روم اُسوقت کہاں
تھا جبکہ ہم سکھوں کے عہد میں ذرہ سی بات میں کچلے جاتے تھے اور
بلند آواز سے بانگ نماز دینا سخت جرم سمجھا جاتا تھا اور ایسے شخص کو کم سے
کم ڈکیتی یا ارتکاب سرقہ کی سزا ملتی تھی جو اپنی بدقسمتی سے بلند آواز سے
اذاں دیتا تھا - اور اگر اتفاقاً کسی مسلمان سے کوئی زخم گائے کو پہنچ جاتا تھا
تو اُسکی وہی سزا تھی جو ایک مجرم قتل عمد کی سزا ہوتی تھی - مسلمانوں میں
اسقدر جہالت پھیل گئی تھی کہ بہتوں کو صحیح طور پر کلمہ بھی یاد نہ تھا اور دینی
کتب کی واقفیت کا یہ حال تھا کہ میں نے سنا ہے کہ اُن دنوں میں ایک
بزرگ تھے جو نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا الٰہی مجھپر یہ فضل کرکہ ایکمرتبہ
میں صحیح بخاری دیکھ لوں اور پھر عین دعا کے وقت دلپر کچھ نومیدی غالب ہوکر

چیخیں مار کر روتے تھے غالباً یہ خیال آتا تھا کہ میری قسمت ایسی کہاں کہ میں اپنی عمر میں اس متبرک کتاب کو دیکھ سکوں - اب عہد سلطنت انگریزی میں وہی کتاب ہے جو تھوڑی سی قیمت پر ہر ایک کتب فروش سے مل سکتی ہے بلکہ حدیث اور تفسیر کی نایاب کتابیں جنکے ہم لوگوں نے کبھی نام بھی نہیں سنے تھے انگریزوں کے احسن انتظام سے مصر اور قسطنطنیہ اور بلاد شام اور دور دراز ملکوں اور بعض یوروپ کے کتب خانوں اور مطبعوں سے ہمارے ملک میں چلی آتی ہیں - اور پنجاب جو مردہ بلکہ مردار کی طرح ہوگیا تھا اب علم سے سمندر کی طرح بھرا جاتا ہے اور یقین ہے کہ وہ جلد تر ہر ایک بات میں ہندوستان سے سبقت لیجائے گا - پھر اب انصافاً کہو کہ کس سلطنت کے آنے سے یہ باتیں ہم لوگوں کو نصیب ہوئیں اور کس مبارک گورنمنٹ کے قدم سے ہم وحشیانہ حالت سے باہر ہوئے - کیا یہ خوشامد کی باتیں ہیں یا بیان واقعہ ہے؟ - انصاف اور کلمۃ الحق کو چھوڑنا ایمان نہیں ہے بلکہ بے ایمانی ہے - لہذا اصل بات یہی ہے کہ ہمیں ان تمام احسانات کو یاد کرکے سچے دل سے اس سلطنت سے اخلاص رکھنا چاہیے اور منافقانہ خیالات کو دل سے اٹھا دینا چاہیے - ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اطاعت اور صدق اور وفاداری کے ساتھ اُس احسان کا بدلہ اتاریں جو انگریزوں نے ہمپر اور ہمارے بزرگوں پر کیا ہے - ورنہ خوب یاد رکھو کہ ہم خدا تعالے کے گنہگار ٹھہرینگے - میں بعض احمق اور متعصب ملّاؤں کے خیالات سے ناواقف نہیں ہوں - میں خوب جانتا ہوں کہ کس قدر اُنکے دل غبار آلودہ ہیں - انہی بیجا تعصبوں کی وجہ سے نادان زٹلی نے جو اپنے تئیں ایک مُلّا سمجھتا ہے یہ اشتہار یکم جون ۱۸۹۸ء کو نکالا ہے اور گورنمنٹ انگریزی کی شُکر گذاری کی وجہ سے میرے پر اعتراض کیا ہے - ایسے ہی اُسکے بھائی اور بھی ہیں - مگر میں ایسے عقیدے سے ہرگز اتفاق نہیں رکھتا جسکو وہ دل میں رکھتے ہیں اور مجھے سچائی کے بیان کرنے میں اس بات کا کچھ خوف نہیں کہ یہ لوگ مجھے کافر کہیں یا دجّال نام رکھیں میرا حساب خدا تعالیٰ کیساتھ ہے -

اور اسی اشتہار میں یہ شخص میرے پر یہ بھی اعتراض کرتا ہے کہ باوجودیکہ انگریزونکی اسقدر خوشامد کیگئی ہے پھر بھی اُنکے مذہب پر حملہ کیا ہے مگر یہ کوتہ اندیش

نہیں جانتا کہ میںنے دونوں موقعوں پر پاک کانشنس سے کام لیا ہے نہ وہ خوشامد ہے اور نہ بیجا حملہ ہے۔ میرا کام اصلاح ہے کسی شرارت کو پیدا کرنا میرا کام نہیں ہے اور نہ بیجا خوشامد کرنا میرا طریق ہے۔ پس جیساکہ میں نے ایک پہلو میں اس بات میں لوگونکی اصلاح دیکھی کہ وہ سلطنت انگریزی کے ماتحت وفاداری اور اطاعت کیساتھ زندگی بسر کریں اور دل کو تمام بغاوت کے خیالات سے پاک رکھیں اور واقعی طور پر سرکار انگریزی کے مخلص اور خیرخواہ بنے رہیں اسی طرح میں نے دوسرے پہلو سے انسانوں کی خیرخواہی اسی میں دیکھی کہ وہ اُس کامل خدا پر ایمان لاویں جس کی عظمت اور قدرت اور لازوال صفات زمین آسمان پر غور کرنے سے نظر آرہی ہے۔ انسانوں کو خدا بنانا غلطی ہے ہمیں چاہیے کہ غلطی کی پیروی نکریں اور مخلوق کو خدا بنانے سے پرہیز کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے مقدس بڑے راستباز بڑے برگزیدہ تھے مگر اُنکو خدا کہنا اُس سچے خدا کی توہین ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ سچ یہی ہے کہ وہ انسان تھے خدا نہیں تھے اور انسانی کمالات سے بڑھکر اُن میں کچھہ نہ تھا۔ خدا اب بھی ہمیں وہ کمالات دے سکتا ہے جو انھیں دیئے تھے اور دیتا ہے۔ جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہوں دیکھے۔ پس خدا وہی ہے جو ہمارا مددگار ہے جیساکہ پہلوں کا تھا۔ اسی کی طرف قرآن رہبری کرتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو خدا نے میرے پر ظاہر کی ہے۔ پس میں بد اندیشی کی راہ سے نہیں بلکہ سراسر ہمدردی اور پوری نیک نیتی سے **سچے خدا کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہوں** اور اُس تفرقہ کو دور کرنا چاہتا ہوں جو غلط فہمی سے پادریوں نے مسلمانوں کے ساتھہ ڈال رکھا ہے۔

اور چونکہ اسوقت گورنمنٹ عالیہ انگریزی کا ذکر ہے اسلئے میں قرین مصلحت سمجھکر وہ چٹھی جو جلسہ طاعون کی خوشنودی میں جناب نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر بالقابہ سے پہونچی ہے اسکا چند سطر اخبار سول ملٹری گزٹ ناظرین کی اطلاع کے لئے ذیل میں لکھتا ہوں اس غرض سے کہ جس بات میں ہماری گورنمنٹ عالیہ کی رضامندی ثابت ہوئی ہے چاہیے کہ ہرایک شخص اُسکی پیروی کرے میںنے قادیاں میں طاعون کے بارہیں اس مراد سے جلسہ کیا تھا کہ تا لوگوں کو اس بات کی طرف رغبت دوں کہ وہ گورنمنٹ کی شایع کردہ ہدایات کو بدل وجان منظور کریں اور میںنے اپنی تمام جماعت کو یہی تعلیم دی تھی اسکے بارہیں یہ چٹھی ہے میں امید رکھتا ہوں کہ اس چٹھی کو پڑھکر دوسرے معزز مسلمان بھی یہی کارروائی کرینگے اور وہ یہہ ہے۔

No. 213-S

From

H. J. Maynard, Esquire,
Junior Secretary to the Government of
the Punjab,

To

Sheikh Rakmat-Ullah,
Merchant, Bombay-House,
Lahore.

Date Simla, the 11th of June 1898.

Sir

I am directed by His Honor the Lieutenant Governor to say that he has read with much pleasure the account of the proceedings of a meeting held at Kádian on the 2nd of may 1898, and the address delivered by Mirza Ghulam Ahmad, Rais of Kadian, in connection with the measures taken by Government for the suppression of bubonic plague.

2. His Honor desires me to convey his acknowledgments of the support rendered to the Government by the members composing the meeting.

I have the honor to be
Sir
Your most obedient servant
( )
For junior secretary to Government Punjab.

ترجمہ

چٹھی نمبر ۲۱۳ ایس

منجانب ایچ جے مے نارڈ صاحب بہادر جونیر سیکریٹری گورنمنٹ پنجاب
بطرف شیخ رحمت اللہ سوداگر بمبئی ہوس لاہور
شملہ مورخہ ۱۱؍جون ۱۸۹۸ء

جناب

حسب الارشاد جناب نواب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر میں اطلاع دیتا ہوں کہ جناب ممدوح نے اُس جلسہ کے تمام روئداد کو جو ۲؍مئی ۱۸۹۸ء کو قادیاں میں متعلقہ اُن قواعد کے جو گورنمنٹ نے انسداد بیماری طاعون کے لئے جاری کئے منعقد ہوا اور نیز اُس تقریر کو جو مرزا غلام احمد رئیس قادیاں نے اُسوقت کی بڑی خوشی کے ساتھ پڑھا۔

حضور ممدوح کا منشاء ہے کہ میں اس مدد کے شکریہ کا اظہار کروں جو کہ اس جلسہ کے میمبروں نے گورنمنٹ کو دی۔

دستخط

نقل نوٹ از سول ملٹری گزٹ مورخہ ۱۰؍جون ۱۸۹۸ء

"At an influential meeting of Muhammadans held recently at Qadian under the auspices of Sheikh Ramat-ullah Khan of Lahore, prayers were offered for the cessation of the plague and an address was delivered by Hakim Noorud-Din in support of the Government measures of segregation &c, for the suppression of the disease. An acknowledgment of this loyal support has been communicated to the promoters of the meeting. The gist of the address was to the effect that Government was actuated solely by

dictates of humanity in its measures for the suppression of the disease; that those measures are necessary; that stories that Government desires to poison the people are both lies and foolish and should not be believed for a moment by any body with pretensions of being sensible; and that for females to put aside the purdah in so far as to come out of the house into the open for segregation purposes with the face properly veiled is no violation of the principles of (Islam) Muhammadanism in times of imminent danger such as a visitation by the hand of God."

ترجمہ

مسلمانوں کی ایک بڑی باوقار جماعت کے جلسہ میں جو زیر نگرانی شیخ رحمت اللہ خان لاہوری بمقام قادیاں منعقد ہوا بیماری طاعون کے رُک جانے کے لئے دعائیں مانگی گئیں اور حکیم نورالدین نے قواعد سگریگیشن وغیرہ کی تائید میں جو گورنمنٹ نے بیماری کی انسداد کے لئے نافذ کئے ایک تقریر کی٭ اس وفادارانہ ہمدردی کا شکریہ کی اطلاع جلسہ منعقد کرنے والوں کو دیگئی ہے۔ اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ گورنمنٹ نے محض انسانی ہمدردی سے مجبور ہوکر بیماری کے روکنے کے لئے یہ قواعد جاری کئے ہیں اور یہ قواعد بہت ضروری ہیں اور فرضی قصے کہ گورنمنٹ لوگوں کو زہر دینا چاہتی ہے بالکل جھوٹے اور احمقانہ ہیں اور اس شخص کو جو کہ اپنے اندر عقل رکھتا ہے ایک لحظہ بھر کے لئے بھی اُنھیں تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔ اور سخت خطرہ کی حالت میں مثلاً جبکہ خدا کی طرفسے کوئی بیماری نازل ہو عورتوں کا اپنے گھروں سے کھُلے میدان میں سگریگیشن کی غرض سے مناسب طور پر چہرہ ڈھانکے ہوئے آنا اسلام کے اصولوںکے برخلاف نہیں۔

٭ اس جگہ سہو کاتب سے مولوی حکیم نورالدین صاحب کا نام لکھا گیا ہے اور بجائے اسکے جیساکہ واقعی امر ہے اس عاجز کا نام یعنے مرزا غلام احمد لکھنا چاہیے تھا۔ منہ

چندنئے وساوس کا ازالہ

شاہزادہ والاگوہر اکسٹرا اسسٹنٹ نے جو شاہزادہ عبدالمجید صاحب پر جھوٹا الزام لگایا ہے مندرجہ ذیل خط میں جو ہمارے نام ہے صاحب موخر الذکر اُس الزام کا رد لکھتے ہیں یہ دونو صاحب باہمی قریبی رشتہ داری کا تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ایک کو خدا تعالےٰ نے ہدایت اور حق کی طرف کھینچا اور دوسرے کو باطل پسند آیا و ذالك فضل اللہ یھدی من یشاء و یضل من یشاء۔ وہ خط یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - حامداً و مصلیاً

اے[1] شہ والاہمم سایۂ فضل خدا
مصحف رخسار تو آیت نور خدا
ہر[4] لمے را دو ایکنظر لطف تو
مردۂ صد سالہ را زندہ کند برملا
نکہت[7] باغ ارم بجنت غبار رہت
مسکن پاک ترا ساختہ رب الورا
امت[10] احمد کہ بود بستۂ جور و جفا
حالم عالم پناہ ہادی رشد و تقا
غاشیۂ[13] بندگیت ہر کہ فگندش بدوش
از سر فتوی عشق بیخبر است از وفا
مہر تو در خاطرم مضمحل و گشت نیست
مردم مزار اگر نالہ کند یا بکا
مست مے عشق تو بیخبر از غیر حق

جان و دل انبیا تاج سر اولیا
قامت[3] رعنائے تو نخل گلستان قدس
نسخۂ دیدار تو ہر مرضے را شفا
تہنیت[6] آمیز گفت ہاتف غیبم چنین
بوئے جنان میدہد خاک درت جابجا
طور[9] جلال خدا عرش برین دولت
احمد آخر زمان کرد زبندش رہا
دید[12] خدا بالیقین ہر کہ ترا دیدہ است
دولت جاوید یافت عزت و مجد و علا
وہ چہ خوش آن حالتے وہ چہ خوش آن ساعتے
تا کندش منعدم بندۂ فشل و دغا
ما بہزار التجا ما بہزار التماس
محو شد از خویشتن ہر کہ بدید آن لقا
تا کہ بسوزیم پاک آنچہ بود ماسوا

جلوۂ[2] حسن ازل پرتو مہر رخت
چہرۂ زیبائے تو چون خوبان صفا
آن[5] دم جان پرورت از سر اعجاز خویش
کعبۂ کوئے ترا قبلۂ حاجت روا
مہبط[8] روح الامین مطلع نور مبین
نور جمال خدا صورتت اے رہنما
قاتل[11] اعدائے دین ناصر دین متین
دید خدا دید تست نیست غلط این صدا
جان[14] و دلی کز رہت داشت فدائش دریغ
گر زرہ شوق و طرب جان بکنیمت فدا
فضل عمیم خدا حافظ ما عاجزان
حلقۂ بگوشیت را میطلبیم از خدا
آتش عشق ترا خود بدل و جان زنیم

امابعد بخدمت اقدس حضرت امام الوقت گذارش آنکہ اس ناکارۂ دور افتادہ کو معلوم ہوا کہ آجکل شہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ جہلم نے اخبار سراج الاخبار میں میری نسبت لکھا ہے کہ فلاں نے اپنے اعتقاد سے توبہ کی ہے اور توبہ اسواسطے نصیب ہوئی کہ شہزادہ صاحب نے میرے عقیدہ کی خرابی مجھپر ثابت کردی - سبحانک ان ھٰذا الا بہتان عظیم - بزرگوارا - دو ماہ تک شہزادہ صاحب سے مسیح علیہ السلام کی حیات و

ممات اور حضور علیہ السلام کے دعاوی پر زبانی بحث ہوتی رہی۔ چنانچہ مولوی عبدالعزیز مولوی مشتاق احمد قاضی فضل احمد منشی سعداللہ مدرس وغیرہ نے جو مدت سے کینۂ نہفتہ کی زہر اُگلنے کی تاک رکھتے تھے موقعہ کو غنیمت سمجھکر شہزادہ صاحب سے خوب گت ملائی اور سفہاء امم ماضیہ کی تقلید ہو بہو ادا کی۔ میں نے نہ کبھی جبانت اور بزدلی دکھائی اور نہ میں کبھی اُن سے دبا جس سے اُنکو میری توبہ کا یقین یا احتمال پیدا ہوا ہو۔ البتہ و اعرض عن الجاہلین۔ اور و اذا خاطبہم الجاہلون پر عملدر آمد میرا ہوتا رہا۔ اِسکو اگر انھوں نے توبہ سمجھ لیا تو یہ انکی فہم رسا کی خوبی ہے۔ لاحول ولا اسقدر جھوٹ۔

بزرگوارا اگرچہ نابکار شرف زیارت سے محروم ہے مگر آنحضرت کی محبت اور عظمت اور ادب اور اطاعت اور کثرت یاد میری روح اور جان کا جزو ہو گیا ہے۔ میں اپنی جان سے کسطرح علیحدہ ہو سکتا ہوں۔ میرے پیارے میرے دل کا حال اُس سے دریافت فرما جو سب بھیدوں سے واقف ہے ولا ینبئك مثل خبیر۔ میرے مولا تونے تو خدا اور رسول کا پتہ دیا تونے جنت کا راستہ بتلایا تونے قرآن سکھلایا ہم غفلت میں پڑے سوتے تھے تونے ہی آن جگایا۔ ہم اسمی اور رسمی مسلمان تھے تونے ہی ہمکو حقیقی اسلام سے آگاہی بخشی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ دعا کیا چیز ہے اور تقوی کس شے کا نام ہے تونے ہی تو اُن کا نشان ہمپر ظاہر فرمایا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ گورنمنٹ عالیہ کے ہمپر کیا کیا حقوق ہیں تونے ہی تو وفاداری اور فرمانبرداری کا طریقہ سمجھایا۔ غرض کہاں تک تیرے احسانات کو لکھوں وہ تو بیشمار ہیں تو ہمارا آقا تو ہمارا مولا ہم تیرے خادم ہم تیرے غلام۔ بھلا تجھکو چھوڑ کر خدا کی لعنت کما دیں۔ میرے ہادی اگر میں ایسا ضعیف الاعتقاد ہوتا تو مخالفوں کی نظروں میں خار کی طرح کیوں چُبھتا۔ مخالف سے جب کبھی کسی گذر پر دوچار ہونے کا موقعہ پیش آتا ہے تو وہ مجھکو دیکھتے ہی غیظ وغضب سے بھرجاتا ہے۔ میں نے مسجد وہیں نماز پڑھنی ترک کردی بدیں لحاظ کہ میاں عبداللہ صاحب سنوری سے مجھکو روایت پہنچی ہے کہ جو لوگ خاموش بیٹھے ہیں گو مخالفت نہیں کرتے اُنکے پیچھے بھی نماز درست نہیں۔ بزرگوارا۔ قاضی صاحب قاضی خواجہ علی صاحب۔ اور صاحبزادہ افتخار احمد صاحب۔ اور منشی ابراہیم صاحب اور میاں الہ دین صاحب وغیرہ وغیرہ احباب تو دبانوئی سے اپنے غلام کا حال استفسار فرمادیں۔ میرے آقا مجھکو کسی نازک موقعہ اور سخت ابتلا کے وقت بھی لغزش نہیں ہوئی چہ جائیکہ اب اور ان ایام میں جب کہ آپکے متواتر کثیر التعداد عظیم القدر وجلیل الشان نشانات علمی وعملی معرض ظہور میں آچکے اور روز روشن کی طرح حق کی صداقت چمک اٹھی۔

اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ استقامت محض حضور ہی کی ہم نشینی دعاؤں کا ثمرہ ہے ورنہ ہم تو وہی ہیں جو ہیں۔ مرید وہیں صداقت اور راستی چاہیے پھر انشاء اللہ آپکی فاذا فرغت فانصب والی تعمیل کے طفیل سے ضایع نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن خدا کے فضل سے دل غنی ہے۔ دنیا دار دولتمند میری نظر وہیں مرے ہوئے کیڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہہ ہیں ہی کیا بلا۔ یہ تو مُردے ہیں جنمیں جان نہیں۔ انکی مکروہ صورتیں نفرت کے لائق ہیں۔ انسے دبنے والا اور انکا دست نگر اہنی جیسا کوئی اندھا ہوگا۔

ای میرے ہادی میں ارسال عرائض میں اسواسطے دریغ کرتا ہوں کہ میں اپنے اس فعل کو اخف سمجھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں کیا اور میرے عرائض کیا یونہی بے فائدہ بندگان عالی کو کیوں تکلیف دوں عریضہ کے دیکھنے میں پڑھنے پڑھانے میں چند منٹ اوقات اشرف میں سے ضایع ہونگے ناحق کی حرج ہوگی۔ صحبت اقدس اور شرف زیارت مبارک سی بباعث چند در چند موانع غیر مستفیض رہتا ہوں .... مہربانا حضور کی تصنیفات پر انوار اور تالیفات حکمت بار جو وقتاً فوقتاً شایع ہوتی رہتی ہیں میرے ازدیاد ایمان و عرفان کے لئے رہبر کامل کا کام دیتی ہیں۔ جو جو حالات آنجناب پر حضرت کبریا کی طرفسے منکشف ہوتے ہیں اور پھر اُن روحانیات کو اور اُن کشوف و خوارق و رویاء و الہامات کو آپ درج صحف مطہرہ فرماتے ہیں کم وبیش اُن روحانی کوائف اور تاثیرات کی حلاوت سے میرے مذاق جان کو بھی چاشنی نصیب ہوا کرتی ہے۔ اور ایسا احساس ہوتا ہے کہ گویا میں خود اُن حالات کا مورد ہوں۔ لیکن میں اس دوری و مہجوری کو ہرگز ہرگز اپنے واسطے پسند نہیں کرتا کیونکہ مقربین بساط قدسی آیات کو جو جو برکات اور خوبیاں حاصل ہیں اُس کا عشر عشیر بھی دور دستوں کو نصیب نہیں۔ اصحاب صفہ کی جوتی اور دوسروں کا سر۔ اگرچہ خدا کسی مخلص صادق کو بغیر اجر کے نہیں رکھتا مگر اصحاب الصفہ اصحاب الصفہ کیا ہی صاحب نصیب ہیں وہ لوگ جنکی نظر ہر صبح و مسا اُس منظر اطہر پر پڑتی ہے۔ دولت صحبت کے برکات سے مالامال ہوتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کا اطوار کا اخلاق کا عادات کا ریاضات کا مجاہدات کا محاربات کا کامل نمونہ آپکی ذات میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ خدائے قادر ذوالجلال کی جناب سی ہمیشہ یہی دعا ہے کہ ای قدیر بینظیر اپنے برگزیدہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرف ملازمت سی فخر و عزت دی۔ قسم بخدائے لایزال کہ تیرے در کی گدائی تخت شاہی ست بہت بہتر ہے۔ شہزادہ صاحب نے مجھ پر سخت افترا باندھا ہی اور حضور کو مجھسے بدگمان کیا۔ اگرچہ بندگان عالی کو مجھ جیسے ارذل کی پرواہ ہی کیا ہے خدا نے آپکو وہ رفعت و منزلت بخشی ہے کہ آپکی ذات مجمع البرکات کو مرجع قدوسیاں بنا دیا مگر اخفض جناحک للمومنین پر غور کر کے اور بالمومنین رؤف الرحیم پر نظر دوڑا کر اس گستاخی کی جرأت ہوئی کہ تھوڑی دیر کے واسطے تضیع اوقات بندگان عالی کر کے عفو تقصیرات کا ملتجی ہو جاؤں اور دست بستہ عرض پرداز ہوں کہ۔ ہر چند نیم لائق بخشایش تو۔ بر من منگر بر کرم خویش نگر۔

شہزادہ صاحب کی کتاب کے مضامین مختصراً و مجملاً جہانتک کہ مجھکو یاد ہیں ذیل میں ہیں۔ وہ مسیح علیہ السلام کو آسمان پر نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں کہ اسی جہان میں خدا نے انکو چھپایا ہوا ہے۔ اور توفی کے معنے بھرنے کے کرتے ہیں

یعنے خدا نے انکو بھرپار لوگوں سے کنارہ کر لیا۔ مگر زندہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دو حلیوں کا بیان جو احادیث میں ہے سو چونکہ یہ ایک رؤیا اور کشف ہے پس ممکن ہے کہ ایک ہی شخص کو انسان کئی مختلف صورتوں میں دیکھے۔ ایک وقت ہم اپنے دوست کو خواہیں کسی صورت میں دیکھتے ہیں اور پھر اسی دوست کو کبھی خواہیں بصورت دیگر۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف لفظ عیسیٰ یا مسیح ہی اگر احادیث میں ہوتا تو مثیل کی گنجائش تھی لیکن ابن مریم کی اصل ہی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر ایک نبی کی شہادت نبی ہی دیتا چلا آیا ہے جیساکہ اخیر میں مسیح علیہ السلام کی شہادت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی ایک شاہد کی ضرورت ہے جو نبی ہو۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اسواسطے مسیح نبوت کی حالت میں تو نہیں آئیں گے بلکہ امتی ہونگے مگر نبوت انکی شان میں مضمر ہوگی۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کا مثیل نبی ہوتا ہے۔ آدم کا مثیل مسیح۔ موسیٰ کا مثیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایلیا کا مثیل یحیٰی۔ پس مسیح کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیے نہ کہ امتی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح موعود کی علامت میں نرالی وضع کی نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسیح دعوی کرینگے تو میں انکے والدین کو تلاش کرونگا کیونکہ باپ تو اول سے ہی ندارد ہے اور ماں مر چکی ہے۔ پس اگر انکے والدین ثابت نہو سکے تو پھر انکے مسیح ہونیمیں کیا شک رہیگا۔

مسیح اسرائیلی کے دوبارہ آنے پر یہ دلیل قطعی پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ۔ اور چونکہ مسیح نے اپنی زندگی عسرت اور ذلت میں گزارنی اسواسطے وہ اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتے کیونکہ وجاہت دنیوی انکو بالکل نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن اس آیت کا مصداق بننے کے لئے خدا انکو پھر ظاہر کریگا اور وجاہت دنیوی یعنی سلطنت اور حکومت وغیرہ سب لوازمات انکو حاصل ہونگے۔

اور حضور علیہ السلام کی ذاتیات پر یہ نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ کہ باوجود مقدرت کے حج نہیں کرتے۔ ہزاروں روپیہ کے انعامات کے اشتہارات دیتے ہیں لیکن حج کو نہیں جاتے۔ براہین کا بقیہ نہیں چھاپتے۔ آتھم کی پیشگوئی غلط نکلی انکے رجوع کو ہم یقین نہیں کرتے۔ لیکھرام کی پیشگوئی میں انکے قتل ہونے کی تصریح نہیں صرف نصب و عذاب کا جملہ ہے جسمیں قتل ہونے کا بیان نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ سچ ہی نکلے تو زہے نصیب لیکھرام کہ وہ ایک کم حیثیت آدمی تھا لیکن اس پیشگوئی کے سبب سے وہ برگزیدہ قوم گنا گیا۔ شہید کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ اسکے پس ماندگان کے واسطے ہزاروں روپیوں کا چندہ ہوا۔ یہ ہوا وہ ہوا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی پیشگوئی تو اپنے حق میں میں چاہتا ہوں۔ کسوف خسوف کی حدیث موضوع ہے۔ مسیح کی اور مماثلت تو مرزا صاحب میں کچھ بھی نہیں صرف ایک مماثلت ہے یعنے دشنام دہی۔ گورنمنٹ کی خوشامد۔ عربی تصنیفات کی بینظیری کا دعوی ہی غلط ہے کیونکہ قرآن کریم کے سوا یہ دعوی توریت و انجیل و زبور و احادیث نبوی نے بھی نہیں کیا حالانکہ وہ بھی الہامی ہیں۔ راولپنڈی والے بزرگ کے حالات سے میرزا صاحب واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ شخص وہمی اور بزدل ہے اسواسطے انکے حق میں جھٹ پیشگوئی کر دی وغیرہ وغیرہ من الخرافات والہذیانات۔ خاکسار عبد المجید از لودیانہ محلہ اقبال گنج ۶؍ جون ۱۸۹۸ء

*نوٹ ہم بھی کہتے نہیں مثیل آیا۔ اصل آیا مگر بطور بروز * دیکھو اقتباس نام کتاب جسمیں لکھے ہیں یہ تمام رموز۔ "روحانیت کمل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف میفرماید کہ فاعل افعال شاں میگردد۔ و ایں مرتبہ را صوفیہ بروز میگویند و بعض بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث لا مہدی الا عیسی ابن مریم"

...دیکھو صفحہ ۵۲ کتاب اقتباس الانوار مصنفہ

اب ہم حق کے طالبوں کے لئے ان بیہودہ اقوال کا رد لکھتے ہیں تا معلوم ہو کہ ہمارے مخالف مولوی اور اُنکے اس قسم کے شاگرد کسقدر سچائی سے دور جا پڑے ہیں۔

قولہ۔ مسیح آسمان پر نہیں بلکہ اسی جہان میں ہیں۔ خدا نے اُسکو چھپایا ہوا ہے۔

اقول۔ یہہ دنیا میں کسی کا مذہب نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بعض مخالف مولوی اب آسمان پر چڑھانے سے نومید ہوکر اپنے فرضی مسیح کو زمین میں چھپانے کی فکر میں لگ گئے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ کسی فرقہ متقدمین یا متاخرین نے یہ نہیں لکھا کہ مسیح کو اسی جہان میں خدا تعالےٰ نے چھپایا ہے۔ ہاں مسلمان صوفیوں کے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ مسیح کا آسمان سے فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہونا باطل ہے کیونکہ یہ صورت ایمان بالغیب کے مخالف ہے اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جب فرشتے زمین پر اترتے نظر آئیں گے تو اُسوقت دُنیا کا خاتمہ ہوگا اور اُسوقت کا ایمان منظور نہ ہوگا۔ اور فرماتا ہے کہ فرشتوں کو زمین پر اترتے دنیا کے لوگ ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔ اور جب دیکھیں گے تو اُسوقت یہ دُنیا نہیں ہوگی۔ سو جبکہ قرآن شریف کے نصوص صریحہ اور آیات قطعیۃ الدلالت سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ فرشتوں کا نزول اُس وقت ہوگا کہ جبکہ ایمان لانا بے فائدہ ہوگا جیساکہ جان کندن کے وقت جب فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ وقت ایمان لانے کا وقت نہیں ہوتا تو اس صورت میں یا تو یہہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ مسیح کے نزول کے بعد ایمان نفع نہیں دے گا مگر یہ عقیدہ تو صریح باطل ہے کیونکہ اسپر اتفاق ہوگیا ہے کہ مسیح کے نزول کے وقت اسلام دنیا پر کثرت سے پھیل جائے گا اور ملل باطلہ ہلاک ہو جائیں گی اور راست بازی ترقی کریگی۔ پس جبکہ یہ عقیدہ رکھنا درست نہ ہوا تو بالضرورت برعایت نصوص صریحہ قرآن شریف کے اس دوسرے پہلو کو ماننا پڑا کہ فرشتوں کا اور اُنکے ساتھ مسیح کا نازل ہونا ظاہر طور پر محمول نہیں ہے بلکہ بوجہ قرینہ بیّنہ نص صریح قرآن کے اس نزول کے تاویلی طور پر معنے ہونگے۔ کیونکہ جسمانی طور پر حضرت عیسیٰ کا آسمان سے فرشتوں کے ساتھ نازل ہونا نص صریح قرآن سے مخالف اور معارض پڑا ہے۔ یہی مشکل تھی جو اکابر اسلام کو پیش آئی۔ اور اسی مشکل کی وجہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے کھلے کھلے طور پر بیان کردیا کہ حضرت

عیسیٰ فوت ہوگئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے امام ابن حزم بھی اُنکی فوت کے قائل ہوئے اور اسی وجہ سے تمام اکابر علماء معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسے وفات پاچکے۔ غرض آسمان سے نازل ہونے کا بطلان نہ صرف آیت قل سبحان ربی سے ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ تمام آیتیں جہاں لکھا ہے کہ جب فرشتے نازل ہونگے تو ایمان بے فائدہ ہوگا اور وہ فیصلے کا وقت ہوگا نہ بشارت اور ایمان کا وقت بلند آواز سے پکار رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترنا سراسر باطل ہے اور اگر یہ باطل نہ ہوتا تو دُنیا میں یعنے گزشتہ زمانے میں اسکی کوئی نظیر بھی ہوتی + مگر کون بیان کرسکتا ہے کہ کبھی کوئی شخص اسی جسم عنصری کیساتھ عالم بیداری میں آسمان پر جاکر پھر واپس آیا۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ سنت تھی تو گویا دیدہ و دانستہ خدا تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ کو ایلیا کے دوبارہ آنے کے مقدمہ میں یہودیوں کے روبروی شرمندہ کیا اور یہ کہنا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے باہم ملکر اس قصے کو تحریف کردیا ہوگا

+ یہہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جسقدر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف عجوبے منسوب کئے گئے ہیں انکی نظیر ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایک قوم نے انکو خدا کرکے مان لیا ہے۔ پھر اگر حضرت عیسیٰ کے کاموں اور ذات اور صفات کی نظیر نہ ہو تو یہ خصوصیت جاہلوں کی نظر میں انکی خدائی پر ایک دلیل ٹھہرتی ہے چنانچہ پادریوں کا آجکل پیشہ ہی یہی ہے کہ وہ خصوصیات اور خوارق پیش کرکے انکی خدائی پر ایک دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی خدائی پر یہ دلیل پیش کی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو فی الفور خدا تعالیٰ نے اُس قسم کی پیدایش کی بلکہ اس سے بڑھ کر نظیر پیش کردی اور فرمایا ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔ اور نظیر ایسی پیش کی جو عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک مسلم اور بدیہیات اور معتقدات میں سی تھی اور یقیناً اُسوقت عیسائیوں نے مسیح کی الوہیت کے لئے یہ حجت بھی پیش کی ہوگی کہ وہ زندہ آسمان پر موجود ہے لہذا اُسکے ردّ میں خدا تعالیٰ کو خود مسیح کے اقرار کے حوالے سے یہ کہنا پڑا فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ غرض قرآنی تعلیم یہ ہے کہ مسیح کے خوارق اور ذات اور صفات میں کوئی بھی خصوصیت نہیں ہے۔ منہ

یہہ اس درجہ کی حماقت ہے جسپر بچے بھی ہنسیں گے - غرض مسیح کا آسمان سے اس طرحپر نازل ہونا جیساکہ ہمارے مخالف انتظار کر رہے ہیں قرآن کے نصوص صریحہ کے مخالف ہے -

ایک گروہ اکابر صوفیہ نے نزول جسمانی سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ مسیح موعود کا نزول بطور بروز کے ہوگا - چنانچہ کتاب **اقتباس انوار** میں جو تصنیف شیخ محمد اکرم صابری ہے جسکو صوفیوں میں بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے جو حال میں مطبع اسلامیہ لاہور میں ہمارے مخالفوں کے اہتمام سے ہی چھپی ہے یہ عبارت لکھی ہے - "روحانیت کمّل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف می فرماید کہ فاعل افعال شاں می گردد و ایں مرتبہ را صوفیہ بروز می گویند......... و در شرح فصوص الحکم می نویسد یعنے بغرض بیان کردن نظیر بروز میگوید کہ محمد بود کہ بصورت آدم در مبدء ظہور نمود یعنے بطور بروز در ابتدائے عالم روحانیت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم در آدم متجلی شد و ہم او باشد کہ در آخر بصورت خاتم ظاہر گردد یعنے در خاتم الولایت کہ مہدی است نیز روحانیت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بروز و ظہور خواہد کرد و تصرفہا خواہد نمود و ایں را بروزات کمّل گویند نہ تناسخ و بعضے برانند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند - و نزول عبارت ازہمیں بروز است مطابق ایں حدیث کہ **لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم**"-

اور یہ بروز کا عقیدہ کچھ نیا نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں بھی اس عقیدہ کا ذکر پایا جاتا ہے - چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں جو ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کیگئی ہے جسکو یہود اپنی غلطی سے یہی سمجھتے رہے کہ خود ایلیا نبی ہی آسمان پر سے نازل ہوگا آخر وہ بھی بروز ہی نکلا اور ایلیا کی جگہ آنے والا یحیےٰ نبی ثابت ہوا - اور یہود کا یہ اجماعی عقیدہ کہ خود ایلیا ہی دوبارہ دنیا میں آجائیگا جھوٹا پایا گیا - ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی بروز کا عقیدہ تھا اور پھر غلطیوں کے ملنے سے اسی عقیدہ کو تناسخ سمجھا گیا -

قولہ - توفی کے معنے بھرنے کے ہیں -

اقول - یہہ بیہودہ خیالات ہیں - بخاری میں عبداللہ بن عباس کے قول سے ثابت ہوچکا ہے کہ **یا عیسیٰ انی متوفیک** کے یہہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ میں

تجھے وفات دونگا - چنانچہ امام بخاری نے اسی مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھکر جسمیں کما قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِح ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہی معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں - پھر بعد اسکے جو حضرت عیسیٰ کی وفات کے بارہمیں قرآن نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور عبداللہ بن عباس کے قول میں بھی یہی آیا دوسرے معنے کرنے یہودیوں کی طرح ایک خیانت ہے - غور کرکے دیکھ لو کہ تمام قرآن میں بجز روح قبض کرنے کے توفی کے اور کوئی معنے نہیں - تمام حدیثوں میں بجز مارنے کے اور کسی محل میں توفی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا - تمام لغت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ جب خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی انسان مفعول بہ مثلاً یہ قول ہو کہ توفی اللّٰہ زیداً تو بجز روح قبض کرنے اور مارنے کے اور کوئی معنے نہیں لئے جاوینگے - پس جب اس صراحت اور تحقیق سے فیصلہ ہوچکا کہ توفی کے معنے مارنا ہے اور آیت فلمّا توفیتنی سے ثابت ہوچکا کہ حضرت عیسیٰ کی توفی عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے ہوچکی ہے یعنے وہ خدا بنائے جانیسے پہلے فوت ہوچکے ہیں تو پھر ابتک اُنکی وفات کو قبول نکرنا یہ طریق بحث نہیں بلکہ بیحیائی کی قسم ہے - خدا تعالیٰ نے چونکہ اُن لوگوں کو ذلیل کرنا تھا کہ جو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ کی حیات کے قائل ہیں اس لئے اُس نے نہ ایک پہلو سے بلکہ بہت سے پہلوؤں سے حضرت عیسیٰ کی موت کو ثابت کیا توفی کے لفظ سے موت ثابت ہوئی اور پھر آیت وما محمّدٌ الّا رسول قد خلت من قبله الرسل سے موت ثابت ہوئی* اور پھر آیت ما المسیح بن مریم الّا رسول قد خلت من قبله الرسل سے موت ثابت ہوئی - پھر قرآن شریف کی آیت فیها تحیون سے موت ثابت ہوئی - اور پھر قرآن شریف کی آیت ولکم فی الارض مستقرٌّ سے موت ثابت ہوئی کیونکہ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آسمان پر جسمانی زندگی اور قرارگاہ کسی انسان کا نہیں ہو سکتا - اور پھر آیت رفعه اللّٰہ الیه سے موت ثابت ہوئی - کیونکہ تمام قرآن میں یہی محاورہ ہے کہ خدا کی طرف اٹھائے جانے یا رجوع کرنے سے موت مراد ہوتی ہے جیسا کہ آیت ارجعی الیٰ ربّک

* قرآن کے محاورہ کے رو سے جہاں کسی اُمت پر خلت کا لفظ بولا گیا ہے وہاں اس اُمت کے لوگ مراد لئے ہیں تم ایک بھی ایسی آیت پیش نکر سکو گے جس میں کسی انسانی گروہ کو خلت کا مصداق قرآن نے ٹھہرایا ہو اور پھر اُس آیت کے معنے موت نہوں بلکہ کچھ اور ہوں یہی وجہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے تمام نبیوں کی موت پر استدلال کیا ہے۔ منہ

راضیۃ مرضیہ سے بھی موت ہی مراد ہے - اور پھر کانا یاکلان الطعام سے موت ثابت ہوئی کیونکہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی نسبت نفی لوازم حیات کا بیان ہے جو بدلالت التزامی انکی موت کو ثابت کرتا ہے - اور پھر آیت وَاَوْصَانِی بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا سے موت ثابت ہوئی - کیونکہ کچھ شک نہیں کہ جیساکہ کھانے پینے سے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بروئے نص قرآنی معطل ہیں ایساہی دوسرے افعال جسمانی زکوۃ اور صلوۃ سے بھی معطل ہیں - بلکہ زکوۃ تو علاوہ جسمانیت کے مال کو بھی چاہتی ہے اور آسمان پر روپیہ پیسہ ہونا معلوم - انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک مالدار آدمی تھے کم سے کم ہزار روپیہ انکے پاس رہتا تھا جس کا خزانچی یہودا اسکریوطی تھا - اب کیا وہ روپیہ آسمان پر ساتھ لیگئے تھے - اور ایساہی آیت ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی اذل العمر سے حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہوتی ہے کیونکہ قرآن شریف میں باوجود تکرار مضمون اس آیت کے یہ فقرہ کہیں نہیں آیا کہ منکم من صَعَدَ الی السماء بجسمہ العنصری ثم یرجع فی آخر الزمان یعنے تم میں سے ایک وہ بھی ہے جو جسم عنصری کیساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور پھر آخری زمانہ میں دنیا میں واپس آئے گا - پس اگر یہہ سچ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام بجسم عنصری آسمان پر چلے گئے تو قرآن شریف کی یہ حصر ناتمام رہیگی کیونکہ آسمان پر چڑھنے کی نسبت خدا نے اس آیت یا کسی دوسری آیت میں ذکر نہیں کیا اور اگر درحقیقت خدا کی یہ بھی سنت تھی تو تکمیل بیان کے لئے اُس کا ذکر کرنا ضروری تھا - اور جبکہ کئی دفعہ قرآن شریف میں جوان یا بوڑھا کرکے مارنے کا ذکر آچکا ہے تو اسجگہ اس عادت اللہ کا بیان نکرنا کہ کسی کو آسمان پر آباد بھی کیا جاتا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کو مع جسم آسمان پر آباد کردینا خدا تعالی کی سنتوں میں سے نہیں ہے - اور دین کا اکمال جو آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے سمجھا جاتا ہے اس اس بات کو چاہتا ہے کہ اس قسم کے تمام اسرار جو خدا تعالیٰ کی سنت میں داخل ہیں قرآن شریف میں بیان کئے جاتے اور جبکہ آسمان پر مع جسم چڑھانا اور وہاں صدہا برس تک آباد رکھنا قرآن شریف میں عادۃ اللہ کے طور پر بیان نہیں کیاگیا اور صرف جوان کرنا اور پھر بڈھا کرنا اور مارنا بیان کیاگیا ہے اسی

ثابت ہوا کہ وہ دوسرا امر خدا تعالیٰ کی عادت میں داخل نہیں ہے - ایسا ہی آیت و
من نعمرہ ننکسہ فی الخلق سے حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہوتی ہے کیونکہ
جب کہ بموجب تصریح اس آیت کے ایک شخص جو نوٹے یا سو برس تک پہونچگیا
ہو اسکی پیدایش اسقدر الٹا دیجاتی ہے کہ تمام حواس ظاہریہ و باطنیہ قریب الفقدان
یا مفقود ہو جاتے ہیں تو پھر وہ جو دو ہزار برس سے ابتک جیتا ہے اُسکے حواس کا
کیا حال ہوگا اور ایسی حالت میں وہ اگر زندہ بھی ہوا تو کونسی خدمت دیگا - اس
آیت میں کوئی استثنا موجود نہیں ہے اور ہمیں نہیں چاہیے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے
بیان کے آپ ہی ایک استثنا فرض کرلیں - ہاں اگر نص صریح سے ثابت ہو کہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود جسمانی حیات کے جسمانی تحلیلوں اور تنزل حالات
اور فقدان قویٰ سے منزہ ہیں تو وہ نص پیش کریں اور یونہی کہدینا کہ خدا
ہر ایک بات پر قادر ہے ایک فضول گوئی ہے - اور اگر بغیر سند صریح کے اپنا
خیال ہی بطور دلیل مستعمل ہو سکتا ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سید
و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات پھر زندہ ہو کر مع جسم عنصری
آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور پیرانہ سالی کے لوازم سے مستثنیٰ ہیں اور حضرت
عیسیٰ سے بدرجہا بڑھکر تمام جسمانی قویٰ اور لوازم کاملہ حیات اپنی ذات میں جمع
رکھتے ہیں اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہونگے - اب بتلاؤ کہ ہمارے اس دعوے
اور تمہارے دعوے میں کیا فرق ہے - اگر قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی نسبت توفی کا لفظ آیا ہے جیساکہ آیت واما نرینک بعض الذی
نعدھم او نتوفینک میں ہے تو یہی توفی کا لفظ حضرت عیسیٰ کی نسبت دو مرتبہ
آگیا ہے بلکہ اگر سچی گواہی دیجائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پانا تمام نبیوں کی
وفات سے زیادہ تر ثابت ہے - بہت سے نبیوں کی وفات کا خدا تعالیٰ نے ذکر بھی نہیں
کیا لیکن حضرت مسیح کی وفات کا بار بار قرآن شریف میں ذکر کیا ہے جیساکہ اس
آیت میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کی طرف ہی اشارہ ہے اور وہ
یہ ہے والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا و ھم یخلقون
اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون - یعنے جو لوگ بغیر اللہ کے
معبود بنائے جاتے ہیں اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ

آپ ہی پیدا شدہ ہیں اور وہ تمام لوگ مرچکے ہیں زندہ بھی تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے - اب بتلاؤ کہ اگر کوئی عیسائی اسجگہ تمپر اعتراض کرے کہ یہ بیان قرآن کا بموجب معتقدات تمھارے خلاف واقعہ ہے کیونکہ قرآن مسیح ابن مریم کو من دون اللہ سمجھتا ہے اور کل من دون اللہ معبود کو بغیر کسی استثناء کے مردہ قرار دیتا ہے اور تم مسیح ابن مریم کو زندہ قرار دیتے ہو حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ کوئی من دون اللہ معبود زندہ نہیں ہے پس اگر تم سچے ہو تو قرآن حق پر نہیں ہے اور اگر قرآن حق پر ہے تو تم دعوی حیات مسیح میں سچے نہیں تو اس اعتراض کا کیا جواب ہے - اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ تمام معبود غیر اللہ اموات غیر احیاء ہیں اس کا اول مصداق حضرت عیسیٰ ہی ہیں کیونکہ زمین پر سب انسانوں سے زیادہ وہی پوجے گئے ہیں اور تمام انسانی پرستاروں کی نسبت اُن کا گروہ کثرت میں قوت میں شوکت میں سرگرمی میں دعوت شرک میں آگے بڑھا ہوا ہے - دیکھو کہ عیسیٰ پرست دنیا میں چالیس کروڑ ہیں اور اسقدر جماعت انسان پرستوں کی کوئی اور نہیں ہے سو اگر قرآن نے ان کو اس آیت سے مستثنیٰ رکھا ہے تو نعوذ باللہ اس سے پایا جاتا ہے کہ منزل قرآن کے نزدیک وہ غیر اللہ نہیں ہے اور اگر مستثنےٰ نہیں ہے تو یہ تمھارے عقیدے کے مخالف ہے کیونکہ تمھارے نزدیک عیسیٰ ابن مریم اموات میں داخل نہیں بلکہ آسمان پر بحیات جسمانی زندہ موجود ہے - اب بتلاؤ کہ اگر عیسائیوں کی طرف سے یہ سوال پیش ہو تو تمھارے پاس کیا جواب ہے ؟ -

پھر ایک جگہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کو داخل بہشت ذکر فرمایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولٓئك عنھا مبعدون - لا یسمعون حسیسھا و ھم فی ما اشتھت انفسھم خالدون - یعنے جو لوگ ہمارے وعدہ کے موافق بہشت کے لائق ٹھہر چکے ہیں وہ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں - تمام مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں ہے اور اس سے بصراحت و بداہت ثابت ہے کہ وہ بہشت میں ہیں پس ثابت ہوا کہ وہ وفات پاچکے ہیں ورنہ قبل از وفات بہشت میں کیونکر پہونچ گئے - علاوہ اسکے وہ حدیث جو طبرانی اور کتاب ماثبت بالسنہ میں لکھی ہے اُس سے بھی حضرت عیسی علیہ السلام کی موت ہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ

انہیں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایکسو بیس برس کی ہوئی تھی۔ محدثین نے اس حدیث کو اوّل درجہ کی صحیح مانا ہے اور کوئی جرح نہیں کیا گیا۔

اب بتلاؤ کہ اب بھی حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہوئی یا نہیں؟۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ بخاری کی معراج کی حدیثوں میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات بزمرہ اموات دیکھا اور دوسرے عالم میں پایا اگر وہ زندہ ہوتے تو مُردوں سے اُن کا کیا تعلق تھا اور یحییٰ نبی فوت شدہ کے پاس کیونکر وہ رہ سکتے تھے۔ مُردوں کے پاس وہی رہتا ہے جو مُردہ ہووے

کوئی جو مُردوں کے عالم میں جاوے   وہ خود ہو مردہ تب وہ راہ پاوے
کہو زندوں کا مُردوں سے ہی کیا جوڑ   یہ کیونکر ہو کوئی ہم کو بتاوے

اور اگر یہ قول ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ پھر میں دنیا میں آؤں گا تو بروزی طور پر یہ آنا ہوگا اور اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ وہ دنیا سے خارج اور وفات یافتہ ہیں۔ اور جبکہ دنیا سے گئے ہوئے لوگوں کا پھر واپس آنا بجسمہم العنصری عادت اللہ ثابت نہیں ہوتی تو پھر کیا وجہ کہ اس قول کے اگر صحیح ہو سنت اللہ کے مخالف معنے نہ کئے جائیں اور کیا وجہ کہ یہ آنا بروزی طور پر نہ مانا جائے جیسا کہ حضرت یوحنا نبی کا دوبارہ دنیا میں آنا تھا کیا حاجت ہے کہ ایسے مجہول الکیفیت معنے لئے جاویں جن کا نمونہ خدا تعالیٰ کی عادتوں میں موجود نہیں اور جنکی پہلی امتوں میں کوئی نظیر نہیں۔ اللہ تعالے قرآن شریف میں ہمیں حث اور ترغیب دیتا ہے کہ تم ہر ایک واقعہ اور ہر ایک امر کی جو تمہیں بتلایا گیا ہے پہلی امتوں میں نظیر تلاش کرو کہ وہاں سے تمہیں نظیر ملیگی۔ اب ہم اس عقیدے کی نظیر کہ انسان دنیا سے جاکر پھر آسمان سے دوبارہ دنیا میں آسکتا ہے کہاں تلاش کریں اور کس کے پاس جاکر روویں کہ خدا کی گذشتہ عادات میں اس کا کوئی نمونہ بتلاؤ؟۔ ہمارے مخالف مہربانی کرکے آپ ہی بتلاویں کہ اس قسم کا واقعہ کبھی پہلے بھی ہوا ہے اور کبھی پہلے بھی کوئی انسان ہزار دو ہزار برس تک آسمان پر رہا اور پھر فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے اترا۔ اگر یہ عادت اللہ ہوتی تو کوئی نظیر اسکی گزشتہ قرون میں ضرور ملتی۔ کیونکہ دنیا تھوڑی رہ گئی ہے اور بہت گذر گئی اور آئندہ کوئی واقعہ دنیا میں نہیں جسکی پہلے نظیر نہ ہو حالانکہ جو امر سنت اللہ میں داخل ہے اس کی

کوئی نظیر ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صاف فرماتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ یعنے ہر ایک نئی بات جو تمہیں بتلائی جائے تم اہل کتاب سے پوچھ لو وہ تمہیں اُسکی نظیریں بتلائیں گے لیکن اس واقعہ کی یہود اور نصاریٰ کے ہاتھ میں بجز ایلیا کے قصے کے کوئی اور نظیر نہیں اور ایلیا کا قصہ اس عقیدہ کے برخلاف شہادت دیتا ہے اور دوبارہ آنے کو بروزی رنگ میں بتلاتا ہے۔ اور ایک بڑی خرابی اس عقیدہ میں یہ ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خوارق ذاتی میں ایک خصوصیت پیدا ہو کر نصاریٰ کو اپنے عقائد باطلہ میں اس سے مدد ملتی ہے حالانکہ قرآن بار بار یہی کہتا ہے کہ عیسیٰ میں اور انسانوں کی نسبت کوئی امر زیادہ نہیں ہے۔ اب بتلاؤ کہ اگر ایک عیسائی تمپر یہ اعتراض کرے کہ اور انسانوں کی نسبت یسوع میں یہ امر زیادہ ہے کہ تم خود مانتے ہو کہ وہ قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ موجود ہے نہ اُسکی قوت میں فرق آیا نہ اُس کا جسم لاغر ہوا نہ اُسکی بینائی میں کچھ فتور پڑا بلکہ بڑے جلال اور پوری قوت کیساتھ آسمان پر زندہ موجود ہے اور پھر آخری زمانہ میں فرشتوں کے ساتھ جو خدا کا خاص لشکر ہے زمین پر اُترے گا جیسا کہ قرآن کے ایک اور مقام میں بھی ہے کہ خدا فرشتوں کے ساتھ آئے گا تو اس صورت میں خدائی صفات مسیح میں پائی گئیں۔ اور خصوصیت خود توجہ دلاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے الگ ہے تو ذرہ سوچکر کہو کہ ان باتوں کا کیا جواب ہے یہی وہ خیالات باطلہ ہیں جنکی شامت سے ابتک ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا ہے ان سب کا خون ان نادان علماء کی گردن پر ہے۔ خدا تو اپنی آیات ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم وغیرہ میں مسیح کی خصوصیت کی بیخکنی کر رہا ہے تا کوئی جاہل اسکی کسی خصوصیت سے دھوکہ نہ کھائے اور تم لوگ نہ ایک خصوصیت بلکہ بہت سی خارق عادت خصوصیتیں اُسکی ذات میں قائم کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک وہ ابتک حیات جسمانی سے بڑی قوت اور طاقت کیساتھ جیتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ساٹھ برس تک ہی عمر پاکر فوت ہو گئے مگر مسیح ابن مریم اسوقت تک بھی جو دو ہزار تک عدد پہونچنے لگا زندہ آسمان پر موجود ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بقول تمہارے ایک مکھی بھی پیدا نہ کی مگر مسیح ابن مریم کے پیدا کئے ہوئے کروڑہا پرندے ابتک موجود ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس ایک مردے کو بھی جو صحابہ کرام میں سے سانپ کے کاٹنے

سے مرگیا تھا باوجود اصرار اور الحاح صحابہ کے زندہ نہ کرسکے مگر بقول تمہارے عیسیٰ ابن مریم نے ہزارہا مردے زندہ کئے اور جو کام حضرت عیسیٰ نے طفولیت میں کئے وہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے زمانہ میں بھی نہ دکھلائے۔ اب بتلاؤ کہ یہ تمام خصوصیتیں جنکے تم خود قائل ہو تمہیں اس بات کے ماننے کے لئے مجبور کرتی ہیں یا نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی ذات انسانی صفات سے نرالی تھی یہانتک کہ بوقت پیدایش کوئی شخص بقول تمہارے مسّ شیطان سے محفوظ نہ رہ سکا اور یہ اعلیٰ درجہ کی عصمت بھی عیسیٰ ابن مریم کو ہی نصیب ہوئی۔ ذرہ سوچو کہ ان باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا قرآن اس قسم کی خصوصیتوں کو حضرت عیسیٰ کی نسبت تسلیم کرتا ہے۔ اُس نے تو مسّ شیطان کی نسبت بھی تمام نبیوں اور رسولوں کو عصمت کے بارہ میں مساوی حصہ دیا ہے جبکہ کہا انّ عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ غرض حضرت عیسیٰ کی نسبت کوئی خصوصیت قرار دینا قرآنی تعلیم کیخلاف اور عیسائیونکی تائید ہے۔ اور جیساکہ نصوص قطعیہ کے رو سے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت ہوتی ہے ایساہی تاریخی سلسلہ کے رو سے بھی اُن کا مرنا بپایۂ ثبوت پہونچتا ہے۔ دیکھو نسخہ مرہم عیسیٰ جس کا ذکر میں مفصل لکھ چکا ہوں کیسی صفائی سے ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ واقعہ صلیب کے وقت آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ زخمی ہوکر ایک مکان میں پوشیدہ پڑے رہے اور چالیس دن تک انکی مرہم پٹی ہوتی رہی کیا یہ تمام دنیا کے طبیب اسلامی اور عیسائی اور مجوسی اور رومی اور یہودی جھوٹے ہیں اور تم سچے ہو؟

اب سوچو تمہارا یہ عقیدہ آسمان پر اٹھائے جانے کا کہاں گیا یہ نہ ایک نہ دو بلکہ ہزار کتاب متفرق فرقونکی ہے جو واقعات صحیحہ کی گواہی دیکر جھوٹے منصوبوں کی قلعی کھول رہی ہیں۔ یہ کس اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے ذرہ خدا سے ڈر کر سوچو۔

پھر یہ بھی آثار میں لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم نبی سیاح تھا بلکہ وہی ایک نبی تھا جس نے دنیا کی سیاحت کی۔ لیکن اگر یہ عقیدہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صلیب کے واقعہ پر جو باتفاق علماء نصاریٰ و یہود و اہل اسلام انکی تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں وقوع میں آیا تھا وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تو وہ کونسا زمانہ ہوگا جس میں انھوں نے سیاحت کی تھی آپ لوگ اسقدر اپنے علم کی پردہ دری کیوں کراتے ہیں اگر تقویٰ ہے تو کیوں حق کو قبول نہیں کرتے۔ آپ لوگونکے پاس بجز ایک لفظ

نزول کے ہے کیا - لیکن اگر اسجگہ نزول کے لفظ سے یہ مقصود تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دوبارہ آئینگے تو بجائے نزول کے رجوع کہنا چاہیئے تھا کیونکہ جو شخص واپس آتا ہے اسکو زبان عرب میں راجع کہا جاتا ہے نہ نازل ماسوا اسکے جبکہ قرآن میں نزول کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی آیا ہے اور صحیح مسلم میں دجال کے حق میں بھی آیا ہے اور عام بول چال اس لفظ کا مسافروں کے حق میں ہے اور نزیل اُس مسافر کو کہتے ہیں کہ جو کسی مقام میں فروکش ہو تو پھر خواہ نخواہ نزول سے آسمان سے نازل ہونا سمجھ لینا کس قدر ناسمجھی ہے -

پھر میں اصل کلام کی طرف عود کرکے کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیا نہیں ٹھہر سکتے اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع متصور ہو سکتا ہے - اور اگر فرض بھی کرلیں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہوکر آئیں گے تو شان نبوت تو اُن سے منقطع نہیں ہوگی گو امتیوں کی طرح وہ شریعت اسلام کی پابندی بھی کریں* مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اسوقت وہ خدا تعالےٰ کے علم میں نبی نہیں ہونگے اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں وہ نبی ہونگے تو وہی اعتراض لازم آیا کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی دنیا میں آگیا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا استخفاف اور نص صریح قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے - قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے - اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے - پس یہ کسقدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کرکے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اسکے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اسکی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی - افسوس یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ مسلم اور بخاری میں فقرہ امامکم منکم اور امکم منکم صاف موجود ہے - یہ جواب سوال

* چونکہ حدیثوں میں آنے والے مسیح موعود کو امتی لکھا ہے کیونکہ درحقیقت وہ امتی ہے اسلئے نادان علماء کو دھوکہ لگا اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی ٹھہرا دیا حالانکہ ہمارے دعوے پر یہ ایک نشان تھا کہ مسیح موعود امت میں سے ہوگا - منہ

مقدر کا ہے یعنے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تم میں مسیح ابن مریم حکم عدل ہو کر آئے گا تو بعض لوگوں کو یہ وسوسہ دامنگیر ہو سکتا تھا کہ پھر ختم نبوت کیونکر رہے گا۔ اسکے جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ وہ تم میں سے ایک امتی ہوگا اور بروز کے طور پر مسیح بھی کہلائے گا*۔ چنانچہ مسیح کے مقابل پر جو مہدی کا آنا لکھا ہے اُس میں بھی یہ اشارات موجود ہیں کہ مہدی بروز کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی روحانیت کا مورد ہوگا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اُس کا خلق میرے خلق کی طرح ہوگا۔ اور یہ حدیث کہ لا مہدی الا عیسیٰ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف کرتی ہے کہ وہ آنے والا ذو البروزین ہوگا اور دونوں شانیں مہدویت اور مسیحیت کی اسمیں جمع ہونگی یعنے اسوجہ سے کہ اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی روحانیت اثر کریگی مہدی کہلائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم بھی مہدی تھے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا تھا مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی۔ غرض اسی لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی استاد ہوا اور پہلے پہل خدا نے ہی آپ کو اِقْرَأْ کہا یعنے پڑھ اور کسی نے نہیں کہا اسلئے آپ نے خاص خدا کے زیر تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے۔ سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اسمیں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کریگا اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرار دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے۔ اور جسطرح مذکورہ بالا وجہ سے آنے والا مہدی کہلائے گا اسی طرح وہ مسیح بھی کہلائیگا

* نوٹ۔ اگر حدیث میں یہہ مقصود ہوتا کہ عیسیٰ باوجود نبی ہونیکے پھر اُمتی بن جائیگا تو حدیث کے لفظ یوں ہونے چاہئے تھے اماماً کم الذی یصیر من اُمتی بعد نبوّتہٖ یعنے تمہارا امام جو نبوت کے بعد میری اُمت میں ہو جائیگا منہ

کیونکہ اسمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت بھی اثر کریگی لہذا وہ عیسی ابن مریم بھی کہلائے گا۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے اپنے خاصہ مہدویت کو اُسکے اندر پھونکا٭ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی روحانیت نے اپنا خاصہ روح اللہ ہونے کو اسکے اندر ڈالا۔

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے لطف اور احسان اُسکے انبیا علیہم السلام پر گوناگوں پیراؤں میں نازل ہوتے ہیں۔ کسی نبی کی علمی اور عملی تکمیل بلاواسطہ ہوتی ہے اور کسی کی تکمیل میں بعض وسائط بھی ہوتے ہیں۔ سو یہ خاص فضل کی بات ہے کہ جیساکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ کی علمی تکمیل بغیر واسطہ کسی دوسرے استاد کے ہوکر اسی لحاظ سے آپ کو مہدی کا لقب ملا ایسا ہی عملی تکمیل بھی بلاواسطہ ہوکر عبد کا لقب ملا کیونکہ نہ آپکی تعلیم کسی انسان کی معرفت ہوئی اور نہ آپکی عملی طاقتیں کسی مہذب مجلس کی صحبت سے پیدا ہوئیں اور اُسی خالص مہدویت کے نام کے لحاظ سے آپ کو بہت سے اسرار اور معارف اور کلم جامعہ بخشے گئے یہانتک کہ قرآن شریف میں اسقدر معارف اور نکات اور علوم حکمیہ الہیہ اور دلائل عقلیہ فلسفیہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت کیساتھ بیان فرمائے گئے کہ وہ ان تمام معارف اور بلاغت کاملہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ درجے کا علمی معجزہ ٹھہر گیا

٭ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبد بھی ہے اور اسلئے خدانے عبد نام رکھا کہ اصل عبودیت کا خضوع اور ذلّ ہے اور عبودیت کی حالت کاملہ وہ ہے جسمیں کسی قسم کا غلو اور بلندی اور عُجب نہ رہے اور صاحب اُس حالت کا اپنی عملی تکمیل محض خدا کی طرف سے دیکھے اور کوئی ہاتھ درمیان نہ دیکھے عرب کا محاورہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مور مُعبَّدٌ و طریق مُعبَّدٌ جہاں راہ نہایت درست اور نرم اور سیدھا کیاجاتا ہے اس راہ کو طریق معبّد کہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے عبد کہلاتے ہیں کہ خدانے محض اپنے تصرف اور تعلیم سے انمیں علمی کمال پیدا کیا۔ اور اُنکے نفس کو راہ کی طرح اپنی تجلیات کے گذر کے لئے نرم اور سیدھا اور صاف کیا۔ اور اپنے تصرف سے وہ استقامت جو عبودیت کی شرط ہے ان میں پیدا کی۔ پس وہ علمی حالت کے لحاظ سے مہدی ہیں اور عملی کیفیت کے لحاظ سے جو خدا کے عمل سے انمیں پیدا ہوئی عبد ہیں۔ کیونکہ خدانے انکی روح پر اپنے ہاتھ سے وہ کام کیا ہے جو کوٹنے اور ہموار کرنیکے آلات سے اُس سڑک پر کیاجاتا ہے جسکو صاف اور ہموار بنانا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ مہدی موعود کو بھی عبودیت کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل ہوا اسلئے مہدی موعود میں عبد کے لفظ کی کیفیت غلام کے لفظ سے ظاہر کیگئی یعنے اُسکے نام کو غلام احمد کرکے پکارا گیا۔ غلام کا لفظ اُس عبودیت کو ظاہر کرتا ہے جو ظلّی طور پر مہدی موعود میں بھی ہونی چاہیے منہ

٭ نوٹ۔ یہہ مرتبہ عبودیت کاملہ جو انسان اپنی عملی تکمیل محض خدا تعالیٰ کی طرف سے دیکھے بجز اُس مہدی کامل کی جسکی عملی تکمیل تمام و کمال محض خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ہوئی ہو دوسرے کو میسر نہیں آسکتا کیونکہ اپنی جہد اور کوشش کا اثر ضرور ایک ایسا خیال پیدا کرتا ہے کہ جو عبودیت تامہ کے منافی ہے اسلئے مرتبہ عبودیت کاملہ بھی بوجہ اسکے جو مرتبہ مہدویت کاملہ کے تابع ہے بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کو یہ کمال حاصل نہیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء فاشہدوا انا نشہد ان محمدا عبد اللہ ورسولہ منہ

جس کی نظیر پیش کرنا تمام جن و انس کی طاقت سے باہر ہے۔ سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا وہ اعلیٰ کمال جس سے آپکی خصوصیت تھی مہدویت اور عبودیت ہے۔ آپ کی مہدویت کا ہی اثر تھا کہ اُس زمانہ کو عام خیال ہدایت یابی کا پیدا ہوا اور دلوں کو خود بخود خدا کی طرف توجہ ہوگئی۔ مہدویت سے مراد وہ بے انتہا معارف الہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو بغیر واسطہ کسی انسان کے علم دین کے متعلق سکھلائے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات میں سے اوّل درجہ کا معجزہ ہے ✣ جنکے ذریعہ سے بے شمار انسان ایمانی اور علمی قویٰ کی تکمیل کرکے معرفت تامّہ کے بلند مینار تک پہونچ گئے اور عارف کامل ہوگئے۔ مسلمان اگر اس بات کا فخر کریں تو بجا ہے کہ جسقدر اُنکو اپنے نبی کریم اور کتاب اللہ قرآن شریف کے ذریعہ سے اسرار اور علوم اور نکات معلوم ہوئے اسکی نظیر کسی نبی کی اُمّت میں نہیں۔ اور عبودیت سے مراد وہ حالت انقیاد اور موافقت تامہ اور رضا اور وفا اور استقامت ہے جو خدا تعالےٰ کے خاص تصرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم میں پیدا ہوئی جس سے آپ اُس راہ کی طرح ہوگئے جو صاف کیا جاتا اور نرم کیا جاتا اور سیدھا کیا جاتا ہے۔ یہ وہ نمونہ تھا جسکی پیروی سے بیشمار انسان استقامت کاملہ تک پہونچگئے۔ غرض یہ دونوں کامل صفتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم میں متحقق تھیں جو عام ہدایت اور قوت ایمانی اور استقامت کا موجب ہوئیں۔ اور جس طرح آنجناب کو مہدی اور عبد کا خدا تعالےٰ کی طرف سے لقب ملا تھا جس کی تشریح ابھی ہوچکی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کا لقب ملا۔ اور جب یہ لقب اُنکو عطا ہوا تو خدا نے اُن کو

✣ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین سے مادری زبان سیکھنے کا بھی موقعہ نہیں ملا کیونکہ چھ ماہ کی عمر تک دونوں فوت ہوچکے تھے پس اس واقعہ میں بھی شان مہدویت کا ایک نمونہ ہے جسکو زبان سیکھنے کیلئے والدین کی تربیت بھی نصیب نہیں ہوئی اُسکی یہ فصاحت اور یہ بلاغت جسکی نظیر کسی عرب نژاد میں مل نہیں سکی۔ یہ وہ امر ہے جس سے یہ نکتہ صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے چونکہ آنحضرت صلی اللہ میں مہدویت کی شان رکھی تھی اسلئے زبان دانی کے مرتبہ میں بھی جو انسانیت کا پہلا مرتبہ ہے کسی دوسرے کا محتاج نہیں کیا۔ منہ

اُن برکتوں سے بھر دیا جنسے دنیا کو جسمانی طور پر اُنکے انفاس سے فائدہ پہونچا۔ اور یہہ فوائد اکثر دنیوی تھے۔ مثلاً لوگونکی بیماریوں کا اُنکی توجہ سے دور ہونا یا اُن کی تنگیوں اور تکالیف کا حضرت مسیح کی ہمت سے رفع ہو جانا یا اُنکی دعاؤں سے اُنکا دشمنوں پر فتح پانا یا کھانے پینے کی چیزوں میں برکت پیدا ہونا۔ مگر وہ برکتیں اُن علمی اور روحانی اور غیرفانی اور ایمانی برکتوں کے مقابل پر کچھ چیز نہیں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے ذریعہ دُنیا کو ملیں۔ ہم یہہ نہیں کہتے کہ اُن روحانی اور غیر فانی اور ایمانی برکتوں میں سے حضرت مسیح نے اپنی امت کو کوئی حصہ نہیں دیا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اُن جسمانی برکتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی امت کو محروم رکھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح میں جسمانی فانی برکتوں کی کثرت تھی اور روحانی اور ایمانی اور دائمی برکتیں دُنیا کو اُن سے بہت ہی کم ملیں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا کہ کیا اپنی امت کو تونے ہی شرک سکھایا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو روحانی دائمی برکتیں بکثرت دیگئیں اور جسمانی برکتیں بہ نسبت روحانی کے تھوڑی تھیں کیونکہ روحانی گویا بیشمار تھیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں آنے والے مسیح کی نسبت یہ لکھا ہوا تھا کہ وہ دونوں قسم کی برکتیں جسمانی اور روحانی پائے گا۔ چنانچہ اشارہ کیا گیا تھا کہ روحانی اور غیر فانی برکتیں جو ہدایت کاملہ اور قوت ایمانی کے عطا کرنے اور معارف اور لطائف اور اسرار الٰہیہ اور علوم حکمیہ کے سکھانے سے مراد ہے اُنکے پانے کے لحاظ سے وہ مہدی کہلائے گا۔ اور وہ برکتیں چشمۂ فیوض محمدیہ سے اسکو ملینگی کیونکہ خالص مہدویت بلا آمیزش وسائل ارضیہ صفت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم ہے٭ اسلئے اس لحاظ سے خدا کے نزدیک اُس مجدد کا نام احمد اور محمد ہوگا۔ اور یہ بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ جو جسمانی اور فانی یعنے دنیوی برکتیں ہیں جو ہمیشہ نہیں رہ سکتیں اور محدود اور قابل زوال ہیں جنسے مراد یہ ہے کہ دوستوں اور غریبوں اور مسکینوں اور رجوع کرنے والونکی نسبت انکی صحت اور عافیت یا کامیابی اور امن یا فقر فاقہ سے مخلصی اور سلامتی کے بارہمیں برکات عطا کرنا اور ظالم درندونکی نسبت انکی ہلاکت اور تباہی کے بارہمیں

٭ نوٹ - ہم لکھ چکے ہیں کہ علم دین یا محض علم جو علوم دین کی کنجی ہے دوسرے نبیوں نے انسانوں کے ذریعہ سے بھی حاصل کئے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ زیر تربیت فرعون مصر میں مکتب میں بیٹھے اور علوم مروجہ پڑھے اور ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو تمام کمال ایک یہودی اُستاد سے پڑھا تھا لیکن یہہ خالص مہدویت کو کسی انسان سے ایک حرف بھی نہ پڑھا اور آخر خدا نے ہی اقرأ کہا یہہ بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو نصیب نہ ہوئی اسی لئے آپ کتب سابقہ اور قرآن میں نبی اُمّی کہلائے۔ منہ

جو درحقیقت غریبوں اور نیکوں کی نسبت وہ بھی برکات ہیں قہر الٰہی کی بشارت دینا جیساکہ حضرت مسیح نے یہودیوں کی تباہی کی نسبت بشارت دی تھی ان برکات کے عطا کرنے کے لحاظ سے اور نیز اُن دنیوی برکات کے لحاظ سے بھی کہ اُس زمانہ میں انسانونکو زندگی میں بہت سے وسائل آرام پیدا ہو جائیں گے وہ عیسی ابن مریم کہلائے گا۔ کیونکہ جو برکات اعلیٰ درجہ کی اور بکثرت حضرت مسیح کو دیگئی تھیں وہ یہی ہیں۔ اسلئے آخری امام کے لئے ان برکات کا سرچشمہ حضرت مسیح ٹھہرائے گئے اور چونکہ حقیقت عیسوی یہی ہے اس لئے اس حقیقت کے پانے والے کا نام عیسیٰ بن مریم قرار پایا جیساکہ مہدویت کے لحاظ سے جو حقیقت محمدیہ تھی اُس کا نام مہدی رکھا گیا۔ یہی حکمت ہے کہ جہاں براہین احمدیہ میں اسرار اور معارف کے انعام کا اس عاجز کی نسبت ذکر فرمایا گیا ہے وہاں احمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیساکہ فرمایا یا احمد فاضت الرحمۃ علیٰ شفتیك۔ اور جہاں دنیا کی برکات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے جیساکہ میرے الہام میں براہین احمدیہ میں فرمایا یا عیسےٰ انی متوفیك و رافعك الیّ و مطھّرك من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامہ۔ ایسا ہی وہ الہام ہے جو فرمایا کہ "میں تجھے برکت دونگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے"۔ یہ وہ سرّ ہے جو مہدی اور عیسیٰ کے نام کی نسبت مجھکو الہام الٰہی سے کھُلا اور وہ پیر کا دن اور تیرھویں (۱۳) صفر ۱۳۱۶ھ تھا اور جولائی ۱۸۹۸ء کی چوتھی تاریخ تھی جبکہ یہ الہام ہوا۔ اور اسی کے مطابق میں نے وہ قول پایا جو آثار میں لکھا ہے اور حجج الکرامہ میں بھی اسکو ذکر کیا ہے کہ مہدی موعود کا بدن دو حصوں پر منقسم ہو گا نصف حصہ عربی ہو گا اور نصف حصہ اسرائیلی یہ اسی امر مشترک کی طرف اشارہ تھا اور اس سے مقصد یہی تھا کہ وہ شخص کچھ تو عیسیٰ علیہ السلام کی صفات کا وارث ہو گا اور کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا۔ فتدبر۔

اور جسطرح بعض صفات کے لحاظ سے امام موعود کا نام احمد اور محمد رکھا گیا اسی طرح بعض دوسری صفات کے لحاظ سے عیسی اور مسیح ابن مریم رکھا

گیا - اب ظاہر ہے کہ احمد کے نام سے کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ آجائیں گے اسی طرح عیسیٰ کے نام سے یہ سمجھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آجائیں گے یہ ایک غلطی ہے کہ اس پیشگوئی کے سر اور مغز کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں ناموں میں بروزی ظہور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - چنانچہ شخص موعود کا احمد نام رکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ اسکی صفات میری صفات سے اور اسکی صورت میری صورت سے مشابہ ہوگی - یہی تقریر تھی جو بروزی ظہور کی طرف اشارہ تھا یعنے وہ بلحاظ صفات احمدیہ احمد کہلائے گا - اسی طرح شخص موعود کا نام عیسیٰ رکھکر اور پھر اسکی نسبت امامکم منکم اور امکم منکم کہکر جیسا کہ بخاری اور مسلم میں آیا ہے صاف ہدایت کردی کہ عیسیٰ سے حقیقی طور پر عیسیٰ مراد نہیں ہے بلکہ یہ شخص امت میں سے ہوگا - حدیث کے الفاظ میں یہ نہیں ہے کہ پہلے وہ نبی ہوگا اور پھر امتی بن جائیگا - اگر یہی مفہوم حدیث میں مراد ہوتا تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ امامکم الذی سیصیر منکم من امتی بعد نبوتہ یعنے تمہارا امام جو نبوت کے بعد پھر تم میں سے اور میری امت میں سے ہوجائیگا اسی وجہ سے بخاری کی حدیثوں میں جو دوسری حدیثوں کی نسبت بہت زیادہ صحیح اور نہایت تحقیق سے لکھی گئی ہیں - آنے والے مسیح موعود کے حلیہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ کے حلیہ میں فرق ڈالدیا گیا ہے یعنے حضرت عیسیٰ کا حلیہ کوئی اور لکھا ہے جسمیں انکو سفید رنگ بتلایا ہے اور آنے والے مسیح کو گندم گون اور میرے حلیہ کے مطابق قرار دیا ہے -

اب اس سے زیادہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا تفصیل فرماتے آپنے آنے والے اور گزشتہ مسیح کے دو حلیے ٹھہرا دیئے تا لوگ ٹھوکر نکھائیں ایسا ہی آپ نے لا نبی بعدی کہکر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کردیا - پھر آپ نے کہا قال العبد الصالح فرماکر صاف کہدیا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہوگیا - پھر آپنے الآیات بعد المائتین کہکر مہدی موعود کی پیدایش کو تیرھویں صدی قرار دیا - پھر آپنے مسیح موعود کو صدی کے سر پر آنے والا کہا اور پھر آپ نے لا مہدی الا عیسیٰ کہکر عیسے

اور مہدی ایک ہی شخص ٹھہرا دیا۔ پھر آپ نے امامکم منکم اور امتکم منکم کہکر صاف جتلا دیا کہ آنے والے عیسی بن مریم سے صرف ایک امتی مراد ہے ایسا ہی آپنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اکسو بیس برس عمر بیان فرماکر انکی موت کی حقیقت کھول دی۔ پھر آپ نے آنے والے مسیح کا وقت یاجوج ماجوج کے ظہور کا زمانہ ٹھہرایا اور یاجوج ماجوج یوروپین عیسائی ہیں۔ کیونکہ یہ نام اجیج کے لفظ سے نکالا گیا ہے جو شعلۂ آگ کو کہتے ہیں۔ یہ اسبات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ لوگ آگ سے بہت کام لینگے اور اُنکی لڑائیاں آتشی ہتھیاروں سے ہونگی اور اُنکے جہاز اور اُنکی ہزاروں کلیں آگ کے ذریعہ سے چلیں گی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں عیسیٰ بن مریم کو مُردوں میں پایا یعنے حضرت یحیٰ کے پاس دوسرے آسمان پر دیکھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسیح موعود عیسائی مذہب کے زور کے وقت آئے گا اور صلیبی زور کو توڑیگا۔ آپنے یہ بھی فرمایا کہ اُن دنوں میں اونٹ بیکار ہوجائیں گے اور یہ ریل کی طرف اشارہ تھا جیساکہ قرآن شریف میں بھی ہے واذا العشار عطلت۔ آپکے جلیل الشان اہل بیت سے یہ بھی روایت ہے کہ اسوقت رمضان میں خسوف کسوف ہوگا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اُن دنوں میں طاعون بھی پھوٹے گی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ سورج میں بھی ایک نشان ظاہر ہوگا یعنے ایک ہولناک گرہن لگے گا اور یہ بھی روایت ہے کہ حج روکا جائے گا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اُن دنوں میں ایک آگ نکلے گی اور مدت تک اُسکی سرخی رہیگی اور یہ جاوا کی آگ تھی جیساکہ حجج الکرامہ میں بھی اِس بات کو مان لیا ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

اب بتلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانوں کے بتلانے میں کونسی کسر رکھی اور امام موعود کی ذات میں آپ نے دو نشان بیان فرمائے ایک یہ کہ اُسکو اسرار اور معارف عطا کئے جائینگے اور وہ دنیا میں دوبارہ ایمان کو اور معرفت کو قائم کریگا۔ یہ وہ نشان ہیں جنکی وجہ سے وہ مہدی کہلائے گا۔ اور دوسرے نشان دنیوی برکات کے ہیں کہ اُسکے ہاتھ سے دنیوی برکات کے نشان ظاہر ہونگے اور نیز زمین میں نہایت

تازگی اور طراوت پیدا ہو جائیگی اور آبادی میں بڑی ترقی ہوگی اور بے وقت کے پھل لوگوں کو ملیں گے - بہت سا حصہ زمین کا زراعت سے آباد ہوجائے گا - نہریں جاری ہو جائیں گی درندے کم ہو جائیں گے دُنیا پر ایک آرام اور امن کا زمانہ آئے گا یہانتک کہ زندے آرزو کرینگے کہ اسوقت انکے باپ دادے ہوتے - اب دیکھو کہ اس زمانہ میں میرے ہاتھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرز پر بھی نشان ظاہر ہوئے - کئی بیماروں بے قراروں کی نسبت دعائیں قبول ہوئیں اور کئی دنیوی درماندوں کو دوبارہ برکتیں دی گئیں - اور جیسا کہ دشمنوں کے لئے بھی مسیح کی دعاؤں نے اثر کیا تھا وہ نشان بھی اس جگہ ظہور میں آئے چنانچہ آتھم نے مقابلہ کے بعد کوئی خوشی نہ دیکھی اور تھوڑی مدت تلخ زندگی میں سرگردان رہکر آخر پیشگوئی کے مطابق فوت ہوگیا - ایساہی لیکھرام کا حال ہوا اور خدا نے پیشگوئی کو پورا کرکے مسلمانوں کو اُسکی بدزبانی سے امن بخشا ایساہی مسیحی برکات نے زمانہ میں بھی اپنا اثر دکھایا کیونکہ سکھوں کے عہد میں ہر ایک طور سے مسلمانوں کو دُکھ دیا گیا تھا یہانتک کہ بانگ نماز سے منع کیا جاتا تھا - گائے کے الزام سے ناحق صدہا خون ہوتے تھے زمینداروں کو کاشتکاری میں امن نہ تھا کھُلے کھُلے ڈاکے پڑتے تھے بہت سی زمین ویران پڑی تھی - ہمیشہ کی جلاوطنیوں سے ملک تباہ ہوچکا تھا اور بے امنی کی وجہ سے نہ زراعت کا کچھ معتدبہ فائدہ ہوتا تھا نہ باغات کا - اور اگر چوروں سے کچھ بچتا تھا تو حکام لوٹ لیتے تھے - اب انگریزوں کے زمانہ میں وہ دور بدل گیا - اور حقیقت میں ایسا امن ہوگیا کہ بھیڑیا اور بھیڑ ایک جگہ بسر کر رہے ہیں - اور سانپوں سے بچے کھیل رہے ہیں - زمین خوب آباد ہوگئی اور پھلوں کی یہ کثرت ہوگئی کہ بعض پھل بارہ مہینے کے قریب رہنے لگے اور سفر ایسا سہل اور آسان ہوگیا کہ ریل کی سواری نے تمام مشکلات دور کردیں تار کے ذریعہ سے خارق عادت کے طور پر خبریں آنے لگیں - بیماریوں کے لئے نہایت تجربہ کار ڈاکٹر پیدا ہوگئے - نہریں جاری ہوگئیں پہاڑوں کا سفر نہایت آسان ہوگیا اور صدہا قسم کی کلیں جو امور معیشت کو سہل اور آسان کرتی ہیں پیدا ہوگئیں اور صدہا قسم کی تکلیفیں دور ہوگئیں -

ب حقیقت میں ایک عقلمند آدمی اپنے اُن ایام کا خیال کرکے باپ دادوں کے ایام کو افسوس کی نظر سے دیکھے گا جبکہ سفر کے لئے پکی سڑک بھی میسر نہیں نہیں آتی تھی - ایک ٹٹو پر پچیس کوس سفر کرنا ہزار کوس کے برابر تھا دھوپ ہوتی تھی پسینے پر پسینہ آتا تھا گرمی کے دنوں میں ٹٹو کی سواری پر یا پیادہ پا ایسا سفر ایک موت ہوتی تھی - اب یہ بہار ہے کہ نہایت آرام سے ریل کی گاڑیوں میں سے ایک گاڑی میں بیٹھے ہیں ٹھنڈی ہوا آرہی ہے جا بجا پانی اور کھانے پینے کا سامان موجود ہے - بیٹھے بیٹھے ہر ایک چیز اور جنگل کے عجائبات کو دیکھ رہے ہیں گویا ایک نظارہ گاہ ہے - جسقدر روپیہ خرچ کریں اسیقدر ریل میں آرام کے سامان موجود ہیں - غرض اسوقت اگر دنیا کی حالت تمدن پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہزار در ہزار آرام کے سامان میسر آگئے ہیں اور بیشمار دنیوی برکتیں نازل ہوگئی ہیں -- اور سب کے علاوہ سلطنت میں نہایت امن ہے - قواعد اور قوانین کی پابندی کے نیچے محکوم اور حاکم برابر چل رہے ہیں ایکذرہ بھی حکومت تمائی نہیں - پس یہ وہی زمانہ تھا جسکی نسبت خبر دیگئی تھی کہ مسیح موعود کے وقت میں ایسا زمانہ ہوگا اور اسقدر دنیوی برکات اور دنیوی امن پیدا ہو جائیں گے -

اور مسیح موعود کی طرف یہ برکات حدیثوں میں اسلیئے منسوب کی گئیں کہ یہ ہمیشہ سے عادۃ اللہ ہے کہ جس مرد خاص کو خدا تعالیٰ دنیا میں برکات ظاہر کرنے کے لئے بھیجتا ہے اُسکے زمانہ میں جو کچھ برکات ظاہر ہوتی ہیں خواہ اُسکے ہاتھ سے ظہور میں آویں خواہ کسی اور کے ہاتھ سے ظہور میں آئیں سب اُسی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں - کیونکہ اُسکے متبرک وجود کی وجہ سے خدا کے فضل ہر ایک طور سے زمین پر وارد ہوتے ہیں - لہذا وہ تمام برکات اُسی کے لئے ہوتی ہیں اگرچہ دُنیا اُسکو اوائل حال میں نہیں پہچانتی مگر آخر پہچان لیتی ہے - میں نے بار بار کہا اور اب بھی کہتا ہوں کہ انسانوں کی عافیت اور برکت کے لئے میری دعاؤں اور میری توجہ اور میرے وجود کو اور تمام انسانوں کی نسبت زیادہ دخل ہے کوئی نہیں جو ان امور میں میرا مقابلہ کرسکے اور اگر کرے تو خدا اُسکو ذلیل

کرے گا ۔ میری نسبت ہی خدا نے فرمایا ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم یعنے خدا ایسا نہیں کہ اُس قوم اور اُس سلطنت پر عذاب نازل کرے جبکہ تو ہے ۔ اور فرمایا انّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیّروا ما بانفسھم انہ اوی القریۃ ۔ اس الہام میں گو بطور اجمال ہے مگر جیسا کہ ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے یہی معنے ہیں کہ جس گاؤں میں تو ہے خدا اُسے طاعون سے یا اُسکی آفات لاحقہ سے بچائے گا ۔ بہرحال یہ وہی دنیوی برکات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیگئی تھیں ۔ یعنے انہیں بڑا کمال یہی تھا کہ اُنکی ہمت اور توجہ اور دعا مخلوق کی عافیت عامہ کے لئے موثر تھی ۔ سو یہی صفات اس عاجز کو بخشی گئیں ۔ چنانچہ براہین میں بھی یہ الہام ہے کہ امراض الناس و برکاتہ ۔ اور ایک یہ بھی الہام ہے یا مسیح الخلق عدوانا یعنے اے مسیح جو خلقت کی بھلائی کے لئے بھیجا گیا ہمارے طاعون کے دفع کے لئے مدد کر ۔ سو یاد رکھو کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ لوگ ان برکات کو بکثرت دیکھیں گے ۔

اب یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ایسا زمانہ ہے کہ دو قسم کے برکات اسمیں ترقی کرتے جاتے ہیں اور اُس درجہ پر ہیں کہ اگر ان برکات کی نظیر گذشتہ زمانوں میں تلاش کیجائے تو ہرگز نہیں ملے گی ۔ (۱) پہلی دنیوی برکات دیکھنا چاہیئے کہ بنی آدم کے لئے کسقدر اُنکی اقامت اور سفر اور صحت اور بیماری اور خوراک اور پوشاک کے لئے سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں اور کسقدر امن حاصل ہوگیا ہے ۔ کیا ہمارے وہ بزرگ جو اس زمانہ سے دو سو برس پہلے فوت ہوگئے انھوں نے اس قسم کے آرام پائے تھے ؟ (۲) دوسری برکات روحانی امور کے متعلق ہیں ۔ سو دیکھنا چاہیئے کہ جسقدر اس زمانہ میں ہزارہا کتابیں چھپکر شایع ہوئیں ۔ ہزارہا اسرار علم دین کُھل گئے ۔ قرآنی معارف اور حقایق ظاہر ہوئے ۔ کیا ان باتوں کا پہلے نشان تھا ؟ اور یہ دونوں قسم کی برکتیں امام موعود کی نسبت حدیثوں میں منسوب کی گئی ہیں کیونکہ ان تمام برکات کا درحقیقت فاعل خدا ہے ۔ اور خدا نے صرف امام کے زمانے کو متبرک ظاہر کرنے کے لئے یہ برکتیں ظاہر کیں ۔ یہ برکتیں ایک تو وہ ہیں جو خاص امام موعود کی ذریعہ سے

ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور دوسری وہ جو اُسکے زمانے میں ظاہر ہوئیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ دونوں قسم کی برکتیں ایک ہی سرچشمہ سے ہیں۔

اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ برکتیں جو دنیا میں ظاہر ہو رہی ہیں دو رنگ رکھتی ہیں۔ ایک وہ رنگ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے مشابہ ہے کیونکہ اُنکے اکثر معجزات دنیوی برکات کے رنگ میں تھے ✝ دوسرا رنگ ان برکتوں کا وہ ہے جو ہمارے سیّد و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات روحانیہ سے مشابہ ہے۔ کیونکہ آپ کا کام اسرار اور معارف اور علوم الٰہیہ کو پھیلانا تھا۔ اور آپکی دعا اور توجہ اور ہمّت یہی کام کر رہی تھی سو اس زمانہ میں اسرار اور معارف اور علوم حکمیہ بھی پھیل رہے ہیں اور یہ دونوں قسم کی برکتیں یعنے جسمانی اور روحانی عام طور پر بھی دنیا میں ظاہر ہو رہی ہیں یعنے بالواسطہ اور خاص طور پر بھی ظاہر ہو رہی ہیں یعنے بلا واسطہ امام موعود سے صادر ہو رہی ہیں۔ پس چونکہ دنیوی برکتیں عیسیٰ صفت انسان کی تجلی کو چاہتی تھیں اور روحانی برکتیں محمدؐ صفت انسان کے ظہور کا تقاضا کرتی تھیں اور خدا وحدت کو پسند کرتا ہے نہ تفرقہ کو اسلئے اس نے یہ دونوں شانیں ایک ہی انسان میں جمع کر دیں تا دو کا بھیجنا موجب تفرقہ نہ ہو۔ سو ایک ہی شخص ہے جو ایک اعتبار سے مظہر عیسیٰ علیہ السلام ہے اور دوسرے اعتبار سے مظہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہی سر اس حدیث کا ہے کہ لا مھدی الّا عیسیٰ۔ اور یہی سر ہے کہ جو احادیث میں امامت کا کام مہدی کے سپرد بیان کیا گیا ہے اور قتل دجال کا کام مسیح کے سپرد ظاہر فرمایا گیا ہے اسمیں حکمت یہ ہے کہ امامت اور روحانیہ میں سے ہے جس کا نتیجہ استقامت اور قوت ایمان اور معرفت اور اتباع مرضاۃ الٰہی ہے جو اخروی برکات میں

✝ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمت اور توجہ دنیوی برکات کی طرف زیادہ مصروف تھی اس لئے اُنکی اُمت میں یہ اثر ہوا کہ رفتہ رفتہ دین سے تو وہ بکلی بے بہرہ ہو گئے مگر دنیا کی برکتیں جیسا کہ علم طبعی علم ڈاکٹری علم تجارت علم فلاحت علم جہاز رانی اور ریل رانی وغیرہ اسمیں بے نظیر ہو گئے۔ برخلاف اس کے دینی عمیق اسرار مسلمانوں کے حصے میں آئے اور دنیا میں پیچھے رہے۔ روحانی برکات کی یادگار کے لئے قرآن شریف بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دائمی معجزہ دیا گیا جو بموجب منطوق آیت فیھا کتب قیمۃ تمام دینی معارف کا جامع ہے۔ منہ

سے ہے۔ لہذا اس قسم کی برکت برکات محمدیہ میں سے ہے۔ اور دجّال کی شوکت
اور شان کو صفحۂ زمین سے معدوم کرنا جسکو قتل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے
یہ دینوی برکات میں سے ہے کیونکہ دشمن کی ترقی کو گھٹا کر ایسا کالعدم کر دینا
گویا اُسکو قتل کر دینا یہ دنیا کے کاموں میں سے ایک قابل قدر کام ہے اور
اس قسم کی برکت برکات عیسویہ میں سے ہے۔

اب اگر یہ سوال پیش ہو کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ دونوں قسم
کی برکتیں جو عیسوی برکت اور محمدی برکت کے نام سے موسوم ہوسکتی ہیں
تم میں جو مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کرتے ہو جمع ہیں۔
اور کیونکر ہم صرف دعوے کو قبول کر لیں؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان
برکات کو اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل اور کرم سے مجھ میں ثابت کر دیا
ہے اور میں بڑے دعوے سے کہتا ہوں کہ میں ان دونوں قسم کی برکتوں
کا جامع ہوں۔ اور آجتک جو نشان آسمانی مجھ سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ان
دونوں قسم کی برکتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ محمدی برکتیں معارف
اور اسرار اور نکات اور کلم جامعہ اور بلاغت اور فصاحت ہے سو میری کتابوں
میں ان برکات کا نمونہ بہت کچھ موجود ہے۔ براہین احمدیہ سے لیکر آج تک
جسقدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکات دینی خداتعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہونے کسی اُستاد کے
جاری کئے ہیں اور جسقدر میں نے اپنی عربیت میں باوجود نہ پڑھنے علم ادب کے بلاغت اور فصاحت کا
نمونہ دکھایا ہے اُسکی نظیر اگر موجود ہے تو کوئی صاحب پیش کریں۔ مگر انصاف
کی پابندی کے لئے بہتر ہوگا کہ اوّل تمام میری کتابیں براہین احمدیہ سے لیکر
فریاد درد یعنے کتاب البلاغ تک دیکھ لیں اور جو کچھ انمیں معارف اور بلاغت
کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اُسکو ذہن میں رکھ لیں اور پھر دوسرے لوگونکی
کتابونکو تلاش کریں اور مجھکو دکھلاویں کہ یہ تمام امور دوسرے لوگونکی کتابوں
میں کہاں اور کس جگہ ہیں۔ اور اگر دکھلا نہ سکیں تو پھر یہ امر ثابت ہے
کہ محمدی برکتیں اس زمانہ میں خارق عادت کے طور پر مجھکو عطا کی گئی ہیں
جنکی رو سے مہدی موعود ہونا میرا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خداتعالیٰ نے
بغیر انسانی توسط کے یہ تمام برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت

فرمائیں جنکی وجہ سے آپ کا نام مہدی ہوا یعنے آپ کو بلا واسطہ کسی انسان کے
محض خدا کی ہدایت نے یہ کمال بخشا ایسا ہی بغیر انسانی توسط کے یہہ روحانی
برکتیں مجھکو عطا کی گئیں اور یہی مہدی موعود کی نشانی اور حقیقت مہدویت
ہے۔ رہیں عیسوی برکتیں جنسے مراد یہ ہے کہ انسانوں کو اپنی دعا اور توجہ
سے مشکلات سے رہائی دینا بیماریوں سے صاف کرنا اور دشمنوں سے خلاصی
دینا اور فقر و فاقہ سے چھوڑانا اور برکات عامہ دنیوی کے پیدا ہونے کا موجب
ہونا سو انمیں بھی میں کمال دعویسے کہتا ہوں کہ جسقدر خدا تعالیٰ نے میری
ہمت اور توجہ اور دعا سے لوگوں پر برکات ظاہر کی ہیں اُنکی نظیر دوسروں میں
ہرگز نہیں ملیگی اور عنقریب خدا تعالیٰ اور بھی بہت سے نمونے ظاہر کرے گا
یہانتک کہ دشمن کو بھی سخت ناچار ہوکر ماننا پڑیگا۔ میں بار بار یہی کہتا
ہوں کہ یہ دو قسم کی برکتیں جن کا نام عیسوی برکتیں اور محمدی برکتیں ہیں
مجھکو عطا کیگئی ہیں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے علم پاکر اس بات کو جانتا
ہوں کہ جو دنیا کی مشکلات کے لئے میری دعائیں قبول ہوسکتی ہیں دوسروں کی
ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ اور جو دینی اور قرآنی معارف حقائق اور اسرار مع لوازم
بلاغت اور فصاحت کے میں لکھ سکتا ہوں دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا۔ اگر
ایک دنیا جمع ہوکر میرے اس امتحان کے لئے آوے تو مجھے غالب پائے گی*
اور اگر تمام لوگ میرے مقابل پر اٹھیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا ہی پلہ
بھاری ہوگا۔ دیکھو میں صاف صاف کہتا ہوں اور کھولکر کہتا ہوں کہ اسوقت
اے مسلمانو تم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مفسر اور محدث کہلاتے ہیں اور
قرآن کے معارف اور حقائق جاننے کے مدعی ہیں اور بلاغت اور فصاحت کا
دم مارتے ہیں اور وہ لوگ بھی موجود ہیں جو فقرا کہلاتے ہیں اور چشتی اور
قادری اور نقشبندی اور سہروردی وغیرہ ناموں سے اپنے تئیں موسوم کرتے
ہیں۔ اٹھو اور اسوقت انکو میرے مقابلہ پہ لاؤ۔ پس اگر میں اس دعوے
میں جھوٹا ہوں کہ یہ دونوں شانیں یعنے شان عیسوی اور شان محمدی مجھ
میں جمع ہیں۔ اور اگر میں وہ نہیں ہوں جسمیں یہ دونوں شانیں جمع ہونگی
اور ذوالبروزین ہوگا تو میں اس مقابلہ میں مغلوب ہوجاؤنگا ورنہ غالب آجاؤنگا

* مہوتسو کے جلسے میں ہی اس کا امتحان ہوچکا ہے میرا مضمون دوسرے مضمونوں کے مقابل پر
پڑھو۔ منہ

مجھے خدا کے فضل سے توفیق دیگئی ہے کہ میں شان عیسوی کی طرز سے دنیوی برکات کے متعلق کوئی نشان دکھاؤں ٭ یا شان محمدی کی طرز سے حقائق معارف اور نکات اور اسرار شریعت بیان کروں اور میدان بلاغت میں قوت ناطقہ کا گھوڑا دوڑاؤں - اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اب خدا تعالےٰ کے فضل سے اور محض اسی کے ارادے سے زمین پر بجز میرے ان دونوں نشانوں کا جامع اور کوئی نہیں ہے - اور پہلے سے لکھا گیا تھا کہ ان دونوں نشانوں کا جامع ایک ہی شخص ہوگا جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگا اور اُسکے وجود کا آدھا حصہ عیسوی شان کا ہوگا اور آدھا حصہ محمدی شان کا سو وہی مَیں ہوں جسنے دیکھنا ہو دیکھے جسنے پرکھنا ہو پرکھے - مبارک وہ جو اب بخل کرے اور نہایت بدبخت وہ جو روشنی پاکر تاریکی کو اختیار کرے -

میں اسوقت اس شان کو کسی فخر کے لئے پیش نہیں کرتا کیونکہ فخر کرنا میرا کام نہیں ہے - میں اُس دھوپ کی طرح ہوں جو آفتاب سے نیچے گرتی اور پھر آفتاب کی طرف کھینچی جاتی ہے - بلکہ اس لئے پیش کرتا ہوں کہ ایک دنیا بدظنی سے تباہ ہوتی جاتی ہے - لوگ ایک ایسے مسیح کے منتظر ہو رہے ہیں جس کا دنیا میں آنا ختم نبوت کیمخالف قرآن کے مخالف سنن سابقہ کے مخالف عقل کے مخالف اور فرشتوں کے ساتھ مرئی طور پر اترنا قرآن کی اُن آیات کے مخالف ہے جنمیں یہ لکھا ہے کہ جب فرشتے مرئی طور پر اتریں گے تو ایمان نفع نہیں دیگا - عیسائی سلطنت کیوقت میں مسیح کا آنا ضروری تھا جیساکہ حدیث یکسر الصلیب کا مفہوم ہے اور اب پنجاب میں ساٹھ سال سے بھی زیادہ عیسائی سلطنت پر گذر گیا اور مسیح کا آنا اُس قوم کے عہد اقبال میں آنا ضروری تھا جنکی لڑائیاں اور اکثر اور کام آگ کے ذریعہ سے ہونگے اور اسی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کہلاتے

٭ شان عیسوی کے متعلق جو نشان ہیں یعنے دنیوی برکات کے نشان وہ بہت سو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں جنکی میں اپنی بعض کتابوں میں تصریح کرچکا ہوں اور بعض نشان ایسے ہیں جو ابھی نہیں لکھے گئے مگر یہ خدا کے فضل سے وسیع میدان ہے اگر تسلی کے طالب جمع ہوں تو ہزاروں نشان ظاہر ہوسکتے ہیں مینکا

اب دیکھو کہ مدت سے اُس قوم کا غلبہ اور اقبال ظاہر ہو چکا۔ سوچنے والے سوچ لیں۔ اور مسیح موعود کا صدی کے سر پر آنا ضروری تھا اور صدی میں سے بھی پندرہ برس گذر گئے۔ اس صدی مصیبت زدہ پر تعجب کہ بقول مخالفین کوئی مجدد بھی نہیں آیا جو فتن موجودہ کے قلع قمع کے لئے کھڑا ہوتا۔ سو محض ہمدردی خلائق کی وجہ سے یہ دعویٰ معہ دلائل پیش کیا گیا ہے تا کوئی بندہ خدا اسمیں غور کرے۔ اور قبل اسکے جو پیغام اجل پہونچے خدا کے ارادے اور مرضی کا تابع ہو جائے کیا یہ انسان کا کام ہے کہ عین اُسوقت پر جھوٹا دعویٰ کرے جسمیں خدا کا کلام اور رسول کا کلام کہہ رہا ہے کہ کوئی سچا آنا چاہیئے اور اُسکے مقابل پر کوئی سچا ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ خدا کے مقرر کردہ موسم اور وقت نسیم صبا کی طرح گواہی دے رہے ہیں کہ یہ کسی سچے کے مبعوث ہونے کا وقت ہے نہ جھوٹے مفتری کذاب کا وقت۔ کیونکہ خدا کی غیرت جھوٹے کو ہرگز یہ موقعہ نہیں دیتی کہ سچے کے وقتوں اور علامتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ کہاں ہے وہ سچا جسکو صدی کے سر پر آنا چاہیئے تھا؟ کہاں ہے وہ سچا جسکو غلبۂ صلیب کیوقتیں آنا چاہیئے تھا؟ کہاں ہے وہ سچا جسکے صحت دعوے پر رمضان کے خسوف کسوف نے گواہی دی؟ کہاں ہے وہ سچا جسکی تصدیق کے لئے جاوا کی آگ نکلی؟ کہاں ہے وہ سچا جسکے ظہور کی علامت ظاہر کرنے کے لئے یاجوج ماجوج کی قوم ظاہر ہوئی یعنے اُس قوم کا ظہور ہوا جو اپنی تمام مہمات میں اجیج یعنے آگ سے کام لیتی ہے۔ اُنکی لڑائیاں آگ سے ہیں۔ اُنکے سفر آگ کے ذریعہ سے ہیں۔ اُنکی ہزاروں کلیں آگ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اسلئے خدا نے اپنی مقدس کتابوں میں اُنکا نام آتشی قوم یعنے یاجوج ماجوج رکھا جو پانیونکے قریب رہتے اور آگ سے کام لیتے ہیں۔

اب کہو کہ جبکہ اُس سچے مسیح اور سچے مہدی کی تمام علامتیں ظاہر ہو گئیں تو پھر وہ مسیح موعود کہاں ہے؟ کیا خدا کے وعدے نے تخلف کیا حاشا وکلا بلکہ **وہ تم میں موجود ہے** جسکو تم نے شناخت نہیں کیا۔ وہ آگ والوں کے ساتھ آگ سے نہیں بلکہ پانی سے لڑے گا جو اوپر سے آتا اور دلوں میں سچائی کا سبزہ اُگاتا اور پیاسوں کو ٹھنڈک پہونچاتا ہے۔

قولہ - دو حلیوں کا بیان جو احادیث میں ہے یہ ایک رویا اور کشف ہے اس لئے جیساکہ خوابوں کے حالات ہوتے ہیں ایک حلیہ دو حلیوں کے رنگ میں نظر آسکتا ہے۔

اقول - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے کشف اکمل اور اتم پر بدگمانی ہے اسپر تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم کا کشف اور خواب وحی ہے اور اگر وحی میں اختلاف ہو تو اس سے تمام شریعت درہم برہم ہو جائے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی رؤیا کے شان میں ایسا گمان کرنا سخت بے ادبی ہے اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر وحی نبوت میں کبھی کچھ بیان ہو اور کبھی کچھ تو اس سے امان اٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔ فتامل۔

قولہ - ہر ایک نبی کی شہادت نبی ہی دیتا چلا آیا ہے۔

اقول - یہ ایک گھر کا بنایا ہوا قاعدہ ہے جسپر کوئی نص قرآنی یا حدیثی دلالت نہیں کرتی۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر سے نازل ہوں تو پھر اُنکے بعد اُنکی تصدیق کے لئے کوئی اور نبی آوے کیونکہ کیا معلوم کہ وہ درحقیقت عیسیٰ ہے یا نہیں✣۔ دنیا ایمان بالغیب کی جگہ ہے کوئی مبعوث ہو کچھ نہ کچھ پردہ ضرور ہوتا ہے۔ پھر اُس نبی کی تصدیق کے لئے کوئی اور نبی آنا چاہیئے پس اس سے تسلسل پیدا ہوگا اور وہ باطل ہے اور جو امر مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہے۔ ماسوا اسکے نصوص حدیثیہ قرآنیہ کے رو سے اہل کرامت کی تصدیق اہل معجزہ کی تصدیق کے قائم مقام ہے کیونکہ کرامت بھی رسول متبوع کا معجزہ ہے اور بموجب حدیث صحیح کے محدّث کا الہام بھی وحی کے نام سے موسوم اور مثل وحی انبیاء علیہم السلام کے دخل شیطان سے پاک اور خدا کی وحی ہے اور جب وہ بھی خدا کی وحی ہے تو جو خدا کے مونھ سے نکلا ہے اسکی شہادت اُسی رنگ کی ہے جیساکہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت۔ پھر یہ بھی سوچو کہ کیا دنیا میں کسی مسلمان کا اعتقاد ہو سکتا ہے کہ جب تک مسیح موعود نہیں آئیگا اُسوقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت معرض شک میں ہے اور مسیح کی گواہی کی محتاج ہے ؟ اور اگر فرض کریں کہ مسیح نہ آوے اور گواہی نہ دے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت شکی اور مشتبہ رہی نعوذ باللہ من ھذہ کا

✣ بالخصوص جبکہ یہ بھی آثار میں ہے کہ مہدی اور اسکی تمام جماعت مسیح موعود وغیرہ کو کافر ٹھہرایا جائیگا تو اس حالت میں جب اقرار تمہارے کسی اور نبی کے آنیکی نہایت ضرورت ہے تا علماء مکفرین کو کافر اور کاذب ٹھہراوے اور عیسیٰ کو سچا نبی قرار دے

الخرافات والکفریات۔ یہ کسقدر بیہودہ خیال ہے اور قریب ہے کہ کفر ہو جائے۔ مسیح موعود کا آنا اسلئے نہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابھی ثابت نہیں اُسکی گواہی سے ثابت ہوگی بلکہ اسلئے ہے کہ تا وہ مجددوں کے رنگ میں ظاہر ہو اور فتنۂ صلیبیہ کو دور کر کے دنیا میں توحید اور توحیدی ایمان کا جلال ظاہر کرے۔

قولہ۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لئے ایک نبیٔ شاہد کی ضرورت ہے

اقول۔ ایسا ہی اُس نبیٔ شاہد کی نبوت کے لئے کسی اور نبی کی ضرورت ہے۔ وقس علی ہذا۔ اور ہزار حیف ہے اُن لوگوں کے ایمان پر جنکے نزدیک ابھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت نہیں ہوئی بلکہ جب مسیح آئے گا اور گواہی دیگا تب ثابت ہوگی۔

قولہ۔ مسیح نبی ہوکر نہیں آئے گا امتی ہوکر آئیگا مگر نبوت اُسکی شانمیں مضمر ہوگی۔

اقول۔ جبکہ شان نبوت اُسکے ساتھ ہوگی اور خدا کے علم میں وہ نبی ہوگا تو بلاشبہ اس کا دنیا میں آنا ختم نبوت کے منافی ہوگا کیونکہ درحقیقت وہ نبی ہے۔ اور قرآن کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ممنوع ہے

قولہ۔ نبی کا مثیل نبی ہوتا ہے۔

اقول۔ تمام امت کا اسپر اتفاق ہے کہ غیر نبی بروز کے طور پر قائم مقام نبی ہو جاتا ہے۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنے میری امت کے علماء مثیل انبیاء ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو مثیل انبیاء قرار دیا اور ایک حدیث میں ہے کہ علماء انبیاء کی وارث ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ ہمیشہ میری امت میں سے چالیس آدمی ابراہیم کے قلب پر ہونگے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مثیل ابراہیم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ اسجگہ تمام مفسر قائل ہیں کہ صراط الذین انعمت علیہم کی ہدایت سے غرض تشبہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت اتباع ہے۔ اور صوفیوں کا مذہب ہے کہ جب تک انسان ایمان اور اعمال اور اخلاق میں انبیاء علیہم السلام سے ایسی مشابہت پیدا نہ کرے کہ خود

وہی ہو جائے تب تک اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا اور نہ مرد صالح ہو سکتا ہے پس نہایت ظلم اور خیانت ہے کہ قبل اسکے کہ دین کی کتابونکو دیکھا جائے دنیا دارونکی مقدمہ بازی کی طرح ایک خود تراشیدہ بات پیش کیجائے - خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لئے دُنیا میں بھیجا ہے کہ تا دنیا میں اُنکے مثیل قائم کرے اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوت لغو ٹھہرتی ہے - نبی اسلئے نہیں آتے کہ اُنکی پرستش کیجائے بلکہ اسلئے آتے ہیں کہ لوگ اُنکے نمونے پر چلیں اور اُنسے تشبّہ حاصل کریں اور اُنہیں فنا ہو کر گویا وہی بنجائیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ - پس خدا جس سے محبت کریگا کونسی نعمت ہے جو اُس سے اٹھا رکھے گا اور اتباع سے مراد بھی مرتبۂ فنا ہے جو مثیل کے درجے تک پہونچاتا ہے - اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کریگا مگر وہی جو جاہل سفیہ یا ملحد بیدین ہوگا -

قولہ - مسیح کے دوبارہ آنے پر ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجیھًا فی الدنیا والاٰخرۃ - اور حضرت مسیح نے اُس زمانہ میں جب کہ وہ یہودیوں کے لئے مبعوث ہوئے عزت نہیں پائی اسلئے ماننا پڑا کہ پھر وہ آوینگے تب دنیا کی وجاہت انکو نصیب ہوگی -

اقول - یہ خیال بالکل بیہودہ ہے - قرآن شریف میں یہ لفظ نہیں کہ وجیھًا عند اھل الدنیا - دنیا داروں اور دنیا کے کتوں کی نظر میں تو کوئی نبی بھی اپنے زمانے میں وجیہ نہیں ہوا کیونکہ انھوں نے کسی نبی کو تسلیم نہیں کیا بلکہ قبول کرنے والے اکثر ضعفا اور غرباء ہوئے ہیں جو دنیا سے بہت کم حصہ رکھتے تھے سو آیت کے یہ معنے نہیں کہ پہلے زمانے میں عیسیٰ کو دنیا کے رئیسوں اور امیروں اور کرسی نشینوں نے قبول نکیا لیکن دوسری مرتبہ قبول کرینگے - بلکہ قرآن کے علم محاورہ کے رو سے آیت کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں بھی راستبازوں میں مسیح کی عزت ہوئی اور وجاہت مانی گئی جیساکہ یحییٰ نبی نے انکو مع اپنی تمام جماعت کے قبول کیا اور اُنکی تصدیق کی اور بہتوں نے تصدیق کی اور قیامت میں بھی وجاہت ظاہر ہوگی - پھر میں کہتا ہوں کہ کیا ابتک حضرت عیسیٰ کو دنیا کی وجاہت نصیب نہ ہوئی حالانکہ چالیس کروڑ انسان اُنکو خدا کرکے مانتا ہے -

کیا وجاہت کے لیئے زندہ موجود ہونا بھی ضروری ہے اور مرنے کے بعد وجاہت جاتی رہتی ہے - ماسوا اسکے مسیح علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ آنا کسی طرح موجب وجاہت نہیں بلکہ آپ لوگوں کے عقیدے کے موافق اپنی حالت اور مرتبہ سے متنزل ہوکر آئیں گے امتی بنکے امام مہدی کی بیعت کریں گے - مقتدی بنکر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے پس یہ کیا وجاہت ہوئی بلکہ یہ تو قضیۂ معکوسہ اور نبی اولوالعزم کی ایک ہتک ہے - اور یہ کہنا کہ ان سب باتوں کو وہ اپنا فخر سمجھیں گے بالکل بیہودہ خیال ہے - لیکن اگر آسمان سے نازل نہ ہوں تو یہ اچھی وجاہت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر - غرض واپس آنے میں کوئی وجاہت نہیں بلکہ بقول شیخ سعدی سخت است پس از جاہ تحکم بردن دوسرے کے حکم کے نیچے اسلام کی خدمت کرینگے - اور مجدد صاحب اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ علماء اسلام انکے منکر ہوجائیں گے اور قریب ہے کہ انپر حملہ کریں" - دیکھو یہ خوب وجاہت ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ ملّا مقابلہ کے لئے اٹھینگے اور آثار سے معلوم ہوتا ہے جیساکہ حجج الکرامہ میں ہے کہ انکی تکفیر بھی ہوگی کیونکہ مہدی اور اسکی جماعت پر کفر کا فتویٰ لکھا جائیگا اور علماء امت اسکو کافر اور کذاب اور دجال کہیں گے - پس جبکہ مہدی موعود مع اپنی جماعت کے کافر اور دجال ٹھہرائے جائیں گے تو اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ مسیح موعود پر بھی کفر کا فتویٰ لگے گا کیونکہ وہ مہدی اور اسکی جماعت سے الگ نہیں ہونگے - اب دیکھو کہ آثار صحیحہ سے ثابت ہوگیا کہ مسیح موعود کو نالائق بدبخت پلید طبع مولوی کافر ٹھہرائیں گے اور دجال کہیں گے اور کفر کا فتویٰ انکی نسبت لکھا جائیگا - اب انصافاً سوچ کہ کیا یہی وجاہت ہے جسکے لئے مسیح کو دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے؟ کیا ناچیز اور ذلیل ملّاؤں سے گالیاں کھانا اور کافر اور دجال کہلانا یہی وجاہت ہے؟ آثار صحیحہ سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کی جسقدر پلید ملاؤں کے ہاتھ سے بے عزتی ہوگی اور جسقدر وہ ناپاک طبع مولویوں کے مونہہ سے کافر اور فاسق اور دجال کے الفاظ سنیں گے وہ نہایت درجہ کی ہتک ہوگی جو پلید طبع مولوی فتوے لکھنے والے کرینگے اور خدا کا ان مولویوں پر غضب ہوگا - آثار صحیحہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے

وقت کے مولوی تمام روئے زمین کے انسانوں سے بدتر اور پلید تر ہوں گے کیونکہ وہ مسیح جیسے راستباز کو کافر اور دجّال ٹھہرائیں گے۔ غرض مسیح موعود کو جو مولویوں سے عزت اور وجاہت ملیگی وہ یہ ہے۔ لیکن جو شخص خدا کے نزدیک خدا کے فرشتوں کے نزدیک خدا کے نیک بندوں کے نزدیک عزت اور وجاہت رکھتا ہے اگر پلید جاہلوں کے نزدیک وہ کافر اور دجّال ہو تو اس سے اُس کا کیا نقصان ہوا سے مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند۔ سگ را بپرس خشم تو با ماہتاب چیست۔ اور یہ بھی سوچو کہ اگر وجاہت کی لئے دنیا داروں کی اطاعت اور تعظیم شرط ہے تو کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ سے کفار کے ہاتھ سے نکالے گئے اور دُکھ دیئے گئے تو کیا اُسوقت آپ وجیہ نتھے؟ اور مکّہ کی فتح کے بعد وجیہ ہوئے؟ غرض آپکا یہ اعتراض دینی اور روحانی دور اندیشی کی بنا پر نہیں بلکہ دنیا داری اور رسم اور عادت کے گندے تصورات سے پیدا ہوا ہے۔ بہتیرے نبی دنیا میں ایسے آئے کہ دو آدمیوں نے بھی اُنکو قبول نہیں کیا تو کیا وہ وجیہ نہیں تھے؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کب قبولیت سے بکلی خالی رہے تھے صدہا لوگوں نے انکو قبول کرلیا۔ یحیٰی علیہ السلام نے مع اپنی تمام جماعت کے قبول کیا۔ حواریوں نے قبول کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک بادشاہ نے بھی قبول کیا تھا۔ اس بات کے عیسائی بھی قائل ہیں۔ اب اس سے زیادہ اور کیا وجاہت ہوگی۔ یہ وجاہت تو انکو اپنے زمانے میں حاصل ہوئی یہانتک کہ انجیل میں لکھا ہے کہ صدہا آدمی اہل حاجت نیازمندی کے ساتھ اُنکے گرد رہتے تھے اور ہجوم کی وجہ سے بعض دفعہ اُنکو ملنا مشکل ہو جاتا تھا اور اگرچہ بعض مولوی یہودیوں نے انکو کافر کہا مگر جس زور شور سے مسیح موعود کی تکفیر ہوئی ایسی تکفیر حضرت عیسیٰ کی نہیں ہوئی۔ بلکہ انجیل سے ثابت ہے کہ اکثر کفار کے دلوں میں بھی حضرت عیسیٰ کی وجاہت تھی اور پھر موت کے بعد تو وہ وجاہت ہوئی کہ خدا بنائے گئے۔ اور ہمارے مخالف مولویوں کو تو یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں ہی خدا بننے کی وجاہت بھی دیکھ لی اور دیکھ رہے ہیں کیونکہ انکے عقیدہ کے رو سے وہ ابتک زندہ موجود ہیں اور

یوروپ کے تمام طاقتور بادشاہ مع اپنے ارکان دولت کے انکو خدائے ذوالجلال مانتے
ہیں کیا ایسی وجاہت کسی دوسرے انسان کی ہوئی۔

قولہ۔ "باوجود مقدرت حج نہیں کیا" (یہ میری ذات پر حملہ ہے)

اقول۔ اس اعتراض سے آپکی شریعت دانی معلوم ہوگئی۔ گویا آپکے نزدیک مانع
حج صرف ایک ہی امر ہے کہ زاد راہ نہ ہو۔ آپکو بوجہ اسکے کہ دنیا کی کشمکش
میں عمر کو ضائع کیا اسقدر سہل اور آسان مسئلہ بھی جو قرآن اور احادیث اور فقہ
کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے معلوم نہوا کہ حج کا مانع صرف زاد راہ نہیں اور
بہت سے امور ہیں جو عند اللہ حج نکرنے کے لئے عذر صحیح ہیں۔ چنانچہ انہیں سے
صحت کیحالت میں کچھ نقصان ہونا ہے۔ اور نیز انہیں سے وہ صورت ہے کہ جب
راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من استطاع
الیہ سبیلا۔ عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بد اندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے
ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لئے جاؤ اور خود جانتے ہیں
کہ جبکہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دیدیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا
ہے کہ جہاں فتنہ ہو اسجگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا
اعتراض ہے۔ ان لوگونکو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے کبھی حج نہیں کیا اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات
میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر
مشہور کرنا اور پھر بار بار حج کے بارہمیں اعتراض کرنا نعوذ باللہ من شرورہم۔ ذرہ سوچنا
چاہیئے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑگئی۔ کیا اسمیں بجز اس بات کے
کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت انکے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ کو
جائیں اور پھر چند اشرار الناس پیچھے سے مکہ میں پہونچ جائیں اور شور قیامت
ڈالدیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہیئے۔ سو بروقت ورود حکم الٰہی ان
احتیاطوں کی پروا نہیں کیجائے گی۔ مگر قبل اسکے شریعت کی پابندی لازم ہے اور
مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکہ میں عنان
حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب
یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھہراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذا سے کچھ فرق

کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَه پس ہم گنہگار ہونگے اگر دیدہ و دانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے۔ اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہی حج کرنا مشروط بشرائط ہی مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لیئے قطعی حکم ہے جسکے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جسکی شرط موجود ہے۔ باوجود تحقق شرط کے پیروی اختیار کریں۔

ماسوا اسکے میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو کیا اول اُس کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو دجال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے یا یہ کہ ظاہر ہوتی ہی پہلے حج کو چلا جائے۔ اگر بموجب نصوص قرآنیہ و حدیثیہ پہلا فرض مسیح موعود کا حج کرنا ہے نہ دجال کی سرکوبی تو وہ آیات اور احادیث دکھلانی چاہییں تا اُسپر عمل کیا جائے۔ اور اگر پہلا فرض مسیح موعود کا جسکے لئے وہ باعتقاد آپکے مامور ہوکر آئے گا قتل دجال ہے جسکی تاویل ہمارے نزدیک اہلاک ملل باطلہ بذریعہ حجج و آیات ہے تو پھر وہی کام پہلے کرنا چاہیے۔ اگر کچھ دیانت اور تقویٰ ہے تو ضرور اس بات کا جواب دو کہ مسیح موعود دُنیا میں آکر پہلے کس فرض کو ادا کرے گا کیا پہلے حج کرنا اُسپر فرض ہوگا یا یہ کہ پہلے دجالی فتنوں کا قصہ تمام کرے گا؟ یہ مسئلہ کچھ باریک نہیں ہے صحیح بخاری یا مسلم کے دیکھنے سے اس کا جواب مل سکتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی یہ گواہی ثابت ہو کہ پہلا کام مسیح موعود کا حج ہے تو لو ہم بہرحال حج کو جائیں گے ہرچہ بادا باد۔ لیکن پہلا کام مسیح موعود کا استیصال فتن دجالیہ ہے تو جبتک اُس کام سے ہم فراغت نکرلیں حج کی طرف رخ کرنا خلاف پیشگوئی نبوی ہے۔ ہمارا حج تو اسوقت ہوگا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آکر طواف بیت اللہ کرے گا ✤

✤ اسجگہ کوئی یہ اعتراض نکرے کہ ازالہ اوہام میں یہ لکھا ہے کہ دجال کا طواف بدنیتی سے ہوگا جس طرح چور گھروں کا طواف بدنیتی سے کرتا ہے۔ اب یہ بیان اسکے مخالف ہے کیونکہ دجال درحقیقت ایک گروہ کا نام ہے جو زمین پر شرک اور ناپاکی پھیلانا چاہتے ہیں۔ پس قرآن اور احادیث پر نظر عمیق کرنے سے ہی معلوم

کیونکہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہوگا۔ دیکھو وہ حدیث جو مسلم میں لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود اور دجال کو قریب قریب وقت میں حج کرتے دیکھا۔ یہ مت کہو کہ دجال قتل ہوگا کیونکہ آسمانی حربہ جو مسیح موعود کے ہاتھ میں ہے کسی کے جسم کو قتل نہیں کرتا بلکہ وہ اسکے کفر اور اسکے باطل عذرات کو قتل کرے گا اور آخر ایک گروہ دجال کا ایمان لاکر حج کرے گا۔ سو جب دجال کو ایمان اور حج کے خیال پیدا ہونگے وہی دن ہمارے حج کے بھی ہونگے۔ اب تو پہلا کام ہمارا جسپر خدا نے ہمیں لگادیا ہے دجالی فتنہ کو ہلاک کرنا ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کرسکتا ہے۔

قولہ۔ آتھم کی پیشگوئی غلط نکلی۔

اقول۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین آتھم کی پیشگوئی شرطی تھی اور شرط سے مصلحت الٰہی یہی تھی کہ تا آتھم اس سے فائدہ اٹھاوے اور نیز کچے لوگوں کا امتحان ہوجائے سو آتھم نے دلی رجوع کرکے اور رجوع کے نشان دکھلاکر شرط سے فائدہ اٹھالیا قسم اور نالش سے اسنے انکار کیا پھر الہام کے مطابق ہمارے آخری اشتہار سے چھ ماہ بعد مرگیا۔ اگر پیشگوئی جھوٹی نکلی تھی تو اب آتھم کہاں ہے۔ اے نا انصاف لوگو میں کہانتک بار بار تمہیں سمجھاؤں۔ ان رسالوں کو دیکھو کہ جو آتھم کے بارے میں مینے شایع کئے ہیں۔ خدا نے آتھم کو اپنے الہام کے مطابق مار دیا۔ خدا نے آتھم کو خاک میں ملا دیا اور تم کہتے ہو کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیسی سمجھ ہے۔ ان دلوں کو کیا ہوگیا اور کیسے پردے پڑگئے۔ اس پیشگوئی کی نسبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بقیہ حاشیہ: ہوتا ہے کہ اگرچہ ایک گروہ دجالین قیامت تک بھی فکر میں رہیں گے کہ حق کو نقصان پہنچاویں اور ان کا طواف چوروں کے طواف سے مشابہ ہے جو رات کو گھروں کا طواف کرتے ہیں لیکن وہ گروہ جنکو خدا بصیرت اور ہدایت بخشیگا ان کا طواف ایمان اور ہدایت پانیکے ہوگا۔ سو اصل معنے حدیث کے یہی ہیں کہ حدیث طواف دجال کے دونوں پہلو پر پوری ہوگی چنانچہ واقعات خارجیہ بھی اسی کی گواہی دے رہے ہیں۔ بعض عیسائی اسلام کیلئے تیار معلوم ہوتے ہیں اور دو نیم وہ عیسائی مذہب سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ اور بعض چیونٹی کی طرح خانہ خدا کی ویرانی کے فکر میں ہیں اور طرح طرح کے مکر کررہے ہیں۔ منہ

وسلم نے بھی خبر دی تھی اور مکذبین پر نفرین کی تھی اور براہین احمدیہ میں بھی ایک مدت پہلے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیا ضرور نہ تھا کہ آتھم شرط کے موافق زندہ رہتا؟ ہاں قطعی الہام دوسرا تھا جسکے بعد وہ جلد فوت ہوگیا۔ بہر حال خدا کا کام دیکھو کہ اُس نے اپنی پیشگوئی کی عزت کے لئے آتھم کو نہ چھوڑا افسوس اُن لوگوں پر کہ جو ایسے صریح نشان سے مونہہ پھیرتے ہیں۔

قولہ۔ لیکھرام کی پیشگوئی میں اُسکے قتل ہونے کی تصریح نہیں۔

اقول۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ آؤ ہمارے روبرو ہماری کتابیں دیکھو جن میں متفرق مقامات میں یہ پیشگوئی درج ہے۔ پھر اگر تصریح ثابت نہ ہو تو اُسی جلسہ میں آپکو دوسو روپیہ انعام دیا جائے گا۔

قولہ۔ پیشگوئی سے لیکھرام کی بے عزتی نہیں ہوئی بلکہ شہید قوم اُسکو خطاب ملا اُسکے متعلقین کے لئے ہزارہا روپیہ چندہ جمع کیا گیا۔

اقول۔ اس سے ہماری پیشگوئی کی اور بھی شان بڑھی ہے کیونکہ یہ بھی ایک جنگ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ فریق مخالف کے جس سپاہی کو قتل کیا جائے اور اُس سپاہی کو مخالف فریق کے لوگ بڑا بہادر اور بڑا شجاع قرار دیں اور ایک بڑا آدمی اُسکو سمجھا جائے تو وہ تمام تعریف قاتل کی ہوتی ہے جسنے ایسے بہادر کو مارا سو اگر لیکھرام کو مارے جانے کے بعد ایک ذلیل اور کس مپرسد سمجھا جاتا تو بلاشبہ اُس سے ہماری پیشگوئی کی وقعت کم ہوتی کیونکہ یہ سمجھا جاتا کہ جسپر پیشگوئی پوری ہوئی وہ کوئی بڑا آدمی نہیں ہے اور صید رکیک ہے جو قابل تعریف نہیں مگر اب تو لیکھرام کو اسکی قوم نے بڑی عظمت دیدی اور اب یہ واقعہ مقتول کی حیثیت کے رو سے بھی قابل عظمت ہوگیا۔ خود سوچکر دیکھو کہ اگر ایک پیشگوئی ایک بادشاہ کی نسبت پوری ہو اور دوسری ایک بھنگن عورت کی نسبت تو کونسی پیشگوئی جلد شہرت پاتی اور عظمت اور تعجب کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ سو چونکہ لیکھرام کو بڑا آدمی بنایا گیا ہے اسلئے بخیال وجوہات بالا میں اسقدر خوش ہوں کہ اندازہ نہیں ہو سکتا اور میں جانتا ہوں کہ یہ کام خدا تعالیٰ نے کیا ہے اور ہندوؤں کے دلوں میں اُسکی عظمت ڈالدی تا ایک نامی آدمی کی نسبت پیشگوئی منصور ہوکر اُس کا اثر بڑھ جائے اور صفحہ روزگار

سے مت نیکے۔ اب جبتک عزت کیساتھ لیکھرام کو یاد کیا جائے گا تبتک یہ پیشگوئی بھی ہندوؤں کو یاد رہیگی - غرض لیکھرام کو عزت کیساتھ یاد کرنا پیشگوئی کی قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے - اگر پیشگوئی کسی چوہڑے چمار اور نہایت ذلیل انسان کی نسبت ہوتی تو کیا قدر ہوتی - میں پہلے اس خیال سے غمگین تھا کہ پیشگوئی تو پوری ہوئی مگر ایک ایسے معمولی شخص کی نسبت کہ جو پشاور میں سات آٹھ روپیہ کا پولس کے محکمہ میں نوکر تھا - لیکن جب مینے سُنا کہ مرنے کے بعد اُسکی بہت عزت کی گئی تو وہ میرا غم خوشی کے ساتھ بدل گیا اور مینے سمجھا کہ اب لوگ خیال کرینگے کہ ایسے معمولی آدمی پر میری دعاؤں کا حملہ نہیں ہوا بلکہ اُسپر ہوا جسپر تمام قوم ملکر روئی جسکے مرنے پر بڑا ماتم ہوا - جسکے مرثیے بنائے گئے جسکی یادگار کے لئے بہت سا روپیہ اکھٹا کیا گیا - سو یہ خدا کا احسان ہے کہ اس طرح پر اُس نے پیشگوئی کو عظمت دیدی فالحمد للہ علیٰ ذالک -

قولہ - کسوف خسوف کی حدیث موضوع ہے -

اقول - کسی شیطان نے آپکو دھوکہ دیا ہے وہ حدیث نہایت صحیح ہے - اور صرف دارقطنی میں نہیں بلکہ حدیث کی اور کتابوں میں بھی ہے - اور شیعہ میں بھی ہے اور اہل سنت میں بھی - ماسوا اسکے یہ اصول محدثین کا مانا ہوا ہے کہ اگر کسی حدیث کی پیشگوئی پوری ہو جائے اور بالفرض اگر اس حدیث کو موضوع ہی سمجھا گیا تھا تو پوری ہونے کے بعد وہ صحیح حدیث سمجھی جائے گی کیونکہ خدا نے اُسکی سچائی پر گواہی دی - کیونکہ خدا کے سوا غیب کی کسی کو طاقت نہیں* - حدیث کا علم ایک ظنی علم ہے بسا اوقات ایک حدیث صحیح ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ در اصل صحیح نہ ہو - اور بسا اوقات ایک حدیث موضوع سمجھی جاتی ہے اور آخر وہ سچی نکلتی ہے - اور یہ حدیث تو کئی طریقوں سے ثابت ہے پس اب اسکو موضوع کہنا صریح ایمان سے ہاتھ دھونا ہے اگر شک ہو تو ہمارے سامنے آؤ اور کتابیں دیکھ لو - علاوہ اسکے یہ کیسی حماقت ہے کہ جب حدیث میں ایسی پیشگوئی تھی جسپر سوا خدا کے اور کوئی قادر نہیں ہوسکتا اور وہ پیشگوئی پوری ہوگئی تو کیا اب بھی اس حدیث کی صحت میں شک رہا ؟

* قرآن شریف میں ہے ولا یظھر علیٰ غیبہ احدا - الا من ارتضی من رسول - یعنے کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسولوں کا کام ہے دوسرے کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا - رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہوں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث اور مجدد ہوں - منہ

قولہ - عربی تصنیفات کی بینظیری کا دعویٰ غلط ہے - کیونکہ قرآن کے سوا یہہ دعویٰ انجیل زبور اور احادیث نبوی نے بھی نہیں کیا -

اقول - میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ امام آخرالزمان کے لئے ضروری تھا کہ وہ ذوالبروزین ہو اور عیسوی برکات اور محمدی برکات اسمیں پائی جائیں اور یہ دونوں برکات اُسکے سچے ہونے کی علامتیں تھیں سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہ معجزہ بھی دیا گیا تھا کہ قرآن شریف جو افصح الکلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا سو ضرور تھا کہ مہدی جس کا نام بروز کے طور پر احمد اور محمد رکھا گیا اس معجزہ کا بھی وارث ہو - پس اسی وجہ سے یہ عاجز ظلی طور پر اس معجزہ کا وارث کیا گیا اور اس بات میں کونسا حرج اور دینی نقص ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ امور جو کسی زمانہ میں معجزہ کے رنگ میں ظاہر ہوئے تھے اب کرامت کے رنگ میں ظاہر فرماوے - اور کرامت دراصل نبی متبوع کا معجزہ ہی ہوتا ہے ہمیں اس سے کیا غرض ہے کہ انجیل کا کلام بطور معجزہ کے نہیں یا توریت کا کلام بطور معجزہ کے نہیں٭ - ہمیں اپنے نبی علیہ السلام سے غرض ہے - اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ جبکہ یہ ایک ضروری امر تھا کہ تمام برکات محمدیہ سے مہدی آخرالزمان کو حصہ ملے - لہذا یہ امر بھی واجب تھا کہ جیسا کہ آنحضرت جامع الکلم اور فصیح اور بلیغ تھے اور آپ کا کلام تمام کلاموں پر فائق تھا خصوصاً قرآن شریف تو ایک بے مثل معجزہ تھا ایسا ہی مہدی آخرالزمان بھی فصاحت بلاغت سے حصہ پاوے - سو اس ضرورت کے لئے اس عاجز کو بلاغت محمدیہ میں سے حصہ دیا گیا - اور یہ امر تو ایسا ضروری تھا کہ اگر یہ ندیا جاتا تو اُس حالت میں اعتراض ہو سکتا تھا کہ باوجود دعوی مہدویت کے جو نبوت محمدیہ کا ظل ہے کیوں بلاغت محمدیہ میں سے حصہ نہیں دیا گیا نہ اس صورت میں اعتراض کرنا کہ جبکہ خدا تعالے کے فضل نے اُس بلاغت کاملہ اور فصاحت تامہ سے حصہ دیدیا - اور یہ خیال بھی سخت غلطی اور گستاخی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام معمولی انسانوں کی طرح تھا کیونکہ اگرچہ قرآن شریف اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی دوسرے انسانوں پر صدہا طرح فوقیت رکھتا اور ایک قسم کا معجزہ تھا -

٭ انجیل توریت دونوں محرف ہیں اب ان کتابوں کی بلاغت فصاحت کی نسبت کوئی رائے ظاہر کرنا ممتنعات میں سے ہے - منہ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاغت اور کلم جامعہ عطا کیئے گئے تھے اور بلاشبہ نسبتی حد پر آنجناب کا معمولی کلام بھی معجزہ کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

قولہ۔ براہین احمدیہ کا بقیہ نہیں چھاپتے۔

اقول۔ اس توقف کو بطور اعتراض پیش کرنا محض لغو ہے۔ قرآن شریف بھی باوجود کلام الٰہی ہونے کے تیئیس ۲۳ برس میں نازل ہوا۔ پھر اگر خدا تعالیٰ کی حکمت نے بعض مصالح کی غرض سے براہین کی تکمیل میں توقف ڈالدی تو اسمیں کونسا حرج ہوا۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ بطور پیشگی خریداروں سے روپیہ لیا گیا تھا تو ایسا خیال کرنا بھی حمق اور ناواقفی کے باعث ہوگا۔ کیونکہ اکثر براہین احمدیہ کا حصہ مفت تقسیم کیا گیا ہے اور بعض سے پانچروپیہ اور بعض سے آٹھ آنہ تک قیمت لیگئی ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جنسے دس ۱۰ روپے لیئے گئے ہوں۔ اور جنسے پچیس ۲۵ روپے لئے گئے وہ صرف چند آدمی ہیں۔ پھر باوجود اس قیمت کے جو اُن حصص براہین احمدیہ کے مقابل پر جو منطبع ہوکر خریداروں کو دیئے گئے ہیں کچھ بہت نہیں ہے بلکہ عین موزون ہے اعتراض کرنا سراسر کمینگی اور سفاہت ہے لیکن پھر بھی ہمنے بعض جاہلوں کے ناحق کے شور و غوغا کا خیال کرکے دو مرتبہ اشتہار دیدیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انھوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب کرکے بھیجا مگر پھر بھی ہم نے قیمت دیدی۔ اور کئی دفعہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہم ایسے کمینہ طبعوں کی ناز برداری کرنا نہیں چاہتے اور ہر ایک وقت قیمت واپس دینے پر طیار ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہمکو فراغت بخشی۔ مگر پھر بھی اب مجدداً ہم یہ چند سطور بطور **اشتہار** لکھتے ہیں کہ اگر اب بھی کوئی ایسا خریدار چھپا ہوا موجود ہے کہ جو غائبانہ براہین کی توقف کی شکایت رکھتا ہے تو وہ فی الفور ہماری کتابیں بھیجدے ہم اسکی قیمت جو کچھ اُس کی تحریر سے ثابت ہوگی اسکی طرف روانہ کردینگے۔ اور اگر کوئی باوجود ہماری ان

اشتہارات کے اب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آوے تو اُس کا حساب خدا تعالےٰ کے پاس ہے۔ اور شہزادہ صاحب یہ تو جواب دیں کہ انہوں نے کونسی کتاب ہم سے خریدی اور ہم نے ابتک وہ کتاب پوری نہ دی اور نہ قیمت واپس کی۔ یہ کسقدر ناخدا ترسی ہے کہ بعض پُر کینہ مُلّانوں کی زبانی بے تحقیق اس بات کو سننا اور پھر اُسکو بطور اعتراض پیش کردینا۔

قولہ۔ گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں۔

اقول۔ یہ خوشامد نہیں ہے یہ وہ حق ہے جو ہر ایک نمک حلال رعیّت کو ادا کرنا چاہیے۔ بیشک گورنمنٹ برطانیہ کا ہمپر ایک حق عظیم ہے کہ ہمنے اُنکے زیر سایہ آکر ہزاروں آفتوں سے امن پایا۔ صدہا طرح کے ہمیں اس گورنمنٹ کے ذریعہ سے فوائد حاصل ہوئے۔ پھر یہ بد ذاتی ہوگی کہ اس قدر احسانات دیکھکر سرکشی کے مادہ کو اپنے دل میں رکھیں۔

قولہ۔ راولپنڈی والا بزرگ وہمی اور بزدل ہے اسلئے اسکے حق میں پیشگوئی کردی۔

اقول۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اگر وہ بزرگ بُزدل ہوتا تو مرد میدان بنکر ہزاروں کے مخالف ہوکر ہماری تصدیق کیوں کرتا۔ آجکل ہماری طرف اخلاص کے ساتھ آنا گویا آگ پر قدم رکھنا ہے۔ پس یہ ہمت کسی بُزدل کا کام نہیں ہے بلکہ بہادروں اور پہلوانوں کا کام ہے۔ ماسوا اس کے خود بزرگ موصوف کو الہام ہوا اور اُس نے خدا کا نشان دیکھا اسلئے اُس نے راستبازوں کی طرح حق کو قبول کیا۔ افسوس یہ زمانہ کیسا نابکار زمانہ ہے کہ جو لوگ **خدا سے ڈرتے** اور حق کو قبول کرتے اور خدا کے نشانوں کو دیکھکر سچائی کی طرف دوڑتے ہیں اُنکا نام بُزدل رکھا جاتا ہے اور اُنکو بدی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ درحقیقت بزدل ہیں اور مردار دنیا کے لئے حق کی طرف نہیں آتے تا دنیا داروں کی زبان سے آزار نہ اٹھاویں وہ اپنے تئیں بہادر سمجھتے ہیں۔

یہ تمام جوابات اُن اعتراضات کا جواب ہیں جو شہزادہ عبدالمجید خانصاحب نے شہزادہ والا گوہر صاحب کی کتاب سے انتخاب کرکے اُس خط میں لکھے ہیں جو ہماری طرف بھیجا ہے جسکو ہمنے اِن اعتراضات سے پہلے چھاپ دیا ہے۔

وہ اصل خط ہمارے پاس موجود ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ شہزادہ عبدالمجید خاں صاحب نے وہی لکھا ہے جو شہزادہ والا گوہر صاحب کی کتاب میں دیکھا یا اُنکے موتہہ سے سُنا ہے۔ گو شہزاہ والا گوہر صاحب کی کتاب ابتک ہمارے پاس نہیں پہونچی مگر وہ انہی خرافات سے پُر ہے کیونکہ شہزادہ عبدالمجید خانصاحب اُنکے قریبی رشتہ دار اور اول درجہ کے خیرخواہ اور دوست ہیں اور بذات خود نیک چلن اور راست گو اور متقی آدمی ہیں۔ ممکن نہیں کہ انھوں نے ایک حرف بھی بطور مبالغہ لکھا ہو۔ میری دانست میں ہرگز مناسب نتھا کہ شہزادہ والا گوہر صاحب ایسی بیہودہ کتاب تالیف کرکے ناحق اپنی پردہ دری کراتے۔ شہزادگی امر دیگر ہے مگر شہزادہ والا گوہر صاحب علم حدیث اور قرآن اور دوسرے علوم سے بے نصیب اور بے بہرہ ہیں انکو خواہ نخواہ دخل در معقول مناسب نتھا۔ چاہیے کہ اوّل وہ قرآن شریف اور احادیث کو کسی استاد سے غور سے پڑھیں اور تاریخ اسلام سے حصہ وافر حاصل کریں اور عیسائیوں کی کتابوں کو بھی غور سے دیکھیں اور پھر اگر فرائض نوکری سے فرصت ہو تو ہمارا ردّ لکھیں۔ ایسی قابل شرم اور بیہودہ کتاب جلا دینے اور تلف کر دینے کے لائق ہے۔ بہتر ہو کہ وہ اب بھی اس نصیحت پر کاربند ہو جائیں اور ہرگز اُسکو شایع نکریں اور اندر ہی اندر ضائع کردیں آیندہ وہ اپنے مصالح کو آپ خوب سمجھتے ہیں۔

بالآخر میں ناظرین کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس کتاب کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں۔ مینے انکو وہ پیغام پہونچایا ہے جو خداتعالے کی طرف سے مجھکو ملا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ میں نے سب پر حجت پوری کردی ہے۔ نیک نہاد اور زیرک انسان اس بات کو جانتے ہیں کہ ابتدا سے نبیوں اور رسولوں اور تمام ماموریں کا یہی طریق رہا ہے کہ وہ تین طور سے خلق اللہ پر حجت پوری کرتے رہے ہیں۔ ایک نصوص سے۔ دوسرے عقل سے۔ تیسرے تائیدات آسمانی سے۔ سو میں نے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ان ہی تینوں طریقوں سے حجت کو پورا کردیا ہے چنانچہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رو سے مینے ثابت کردیا ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور جس آخرالزمان کے امام کی خبر دیگئی ہے وہ اسی اُمت میں سے ہے۔ مینے حدیثوں کے رو سے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ وہ مسیح اور مہدی جو آنے والا ہے عیسائی سلطنت کے وقت میں اُس کا آنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی اور وقت میں آوے تو پھر پیشگوئی یکسرالصلیب کیونکر پوری ہوگی۔ مینے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مسیح موعود کا یاجوج ماجوج کیوقت میں آنا ضروری ہے اور چونکہ اجیج آگ کو کہتے ہیں جس سے یاجوج ماجوج کا لفظ مشتق ہے اسلئے جیساکہ خدانے مجھے سمجھایا ہے یاجوج ماجوج وہ قوم ہے جو تمام قوموں سے زیادہ دنیا میں آگ سے کام لینے میں استاد بلکہ اس کام کی موجد ہے۔ اور ان ناموں میں یہ اشارہ ہے کہ انکے جہاز انکی ریلیں انکی کلیں آگ کے ذریعہ سے چلیں گی اور انکی لڑائیاں آگ کے ساتھ ہونگی اور وہ آگ سے خدمت لینے کے فن میں تمام دنیا کی قوموں سے فائق ہونگے اور اسی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کہلائیں گے سو وہ یوروپ کی قومیں ہیں جو آگ کے فنوں میں ایسے ماہر اور چابک اور یکتائے روزگار ہیں کہ کچھ بھی ضرور نہیں کہ اس میں زیادہ بیان کیا جائے۔ پہلی کتابوں میں بھی جو بنی اسرائیل کے نبیوں کو دی گئیں یوروپ کے لوگوں کو ہی یاجوج ماجوج ٹھہرایا ہے بلکہ ماسکو کا نام بھی لکھا ہے جو قدیم پایہ تخت روس تھا۔ سو مقرر ہو چکا تھا کہ مسیح موعود یاجوج ماجوج کے وقت میں ظاہر ہوگا۔ اور نصوص قرآنیہ۔ اور حدیثیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں اونٹوں کی سواری اور باربرداری ترک کیجائے گی۔ اِس قول میں یہ اشارہ تھا کہ کوئی ایسی سواری ظاہر ہوگی جس سے اونٹوںکی حاجت نہیں رہے گی۔ مینے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت کے رو سے ایک ایسے انسان کا آخری زمانہ میں آنا ضروری تھا جو برکات عیسویہ اور برکات محمدیہ کا جامع ہو اور اُسی کے یہ دو نام **احمد مہدی** اور **عیسیٰ مسیح** ہیں۔ غرض مینے نصوص کے رو سے خدا تعالیٰ کی حجت اس زمانہ کے لوگوںپر پوری کردی ہے۔ ایساہی عقل کے رو سے بھی مینے حجت کو پورا کیا ہے۔ اس بات کے لکھنے کی چنداں حاجت نہیں کہ جس پہلو پر خدا تعالیٰ نے ہمیں قائم کیا ہے اسی پہلو کی عقل بھی مصدق ہے۔ اور عقل کے پاس اس باتکا

کوئی نمونہ نہیں کہ انسان فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھہ رکھکر آسمان سے اترے۔ ایساہی میں نے آسمانی تائیدوں اور غیبی نشانوں سے اپنا سچا ہونا ثابت کیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ جسطرح کوئی آمنے سامنے کھڑے ہوکر دشمن کے ساتھہ مقابلہ کرتا ہے ایسا ہی خدا تعالےٰ نے میری تائید میں کیا ہے جس قطعی اور یقینی طور پر اب لوگوں نے نشان دیکھے یہ نمونہ نبوت کے زمانہ کے بعد کبھی کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ خدا نے کھلے کھلے طور پر اپنا زور بازو دکھلایا اور بہت سے نشان غیب گوئی اور قدرت نمائی کے دکھلائے۔ شریر اور مفسد اور ناپاک طبع چاہتے ہیں کہ خدا کے اُن نشانوں کو خاک میں ملادیں۔ مگر خدا اُن نشانوں کو قوموں میں پھیلائے گا اور اُنکے ساتھہ اور نشان ملائے گا۔ وہ وقت آتا ہے بلکہ آچکا کہ جو لوگ آسمانی نشانوں سے جو خدا تعالےٰ اپنے بندے کی معرفت ظاہر کررہا ہے منکر ہیں بہت شرمندہ ہونگے اور تمام تاویلیں انکی ختم ہوجائیں گی انکو کوئی گریز کی جگہ نہیں رہے گی۔ تب وہ جو سعادت سے کوئی مخفی حصہ رکھتے ہیں وہ حصہ جوش میں آئے گا۔ وہ سوچیں گے کہ یہ کیا سبب ہے کہ ہرایک بات میں ہم مغلوب ہیں۔ نصوص کے ساتھہ ہم مقابلہ نہیں کرسکے عقل ہماری کچھہ مدد نہیں کرتی۔ آسمانی تائید ہمارے شامل حال نہیں تب وہ پوشیدہ طور پر دعا کرینگے اور خدا تعالےٰ کی رحمت انکو ضایع ہونے سے بچا لیگی قبل اسکے جو وہ زمانہ آوے خدا تعالےٰ نے مجھے خبر دیدی ہے کہ بہت سے اس جماعت میں سے ہیں جو ابھی اس جماعت سے باہر اور خدا کے علم میں اس جماعت میں داخل ہیں۔ بار بار ان لوگونکی نسبت یہ الہام ہوا ہے۔ یخرّون سجّدا۔ ربّنا اغفرلنا انا کنا خاطئین یعنے سجدہ میں گرینگے کہ اے ہمارے خدا ہمیں بخش کیونکہ ہم خطا پر تھے۔

اب میں اس کتاب کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ ربّنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین۔

الراقم خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

یکم جنوری ۱۸۹۹ء

فہرست کتب موجودہ

دفتر ضیاء الاسلام قادیان

نام کتاب	زبان	قیمت	نام کتاب	زبان	قیمت
براہین احمدیہ حصہ چہارم	اردو	للعہ	کرامات الصادقین	عربی	عہ
سرمہ چشم آریہ (طبع ثانی)	؍؍	۱۲/	حمامۃ البشریٰ	؍؍	عہ
شحنہ حق (طبع ثانی)	؍؍	۶/	برکات الدعا	اردو	۲/
فتح اسلام (؍؍)	؍؍	۲/	نور الحق حصہ اول	عربی	۱۲/
توضیح مرام (؍؍)	؍؍	۲/	نور الحق حصہ دوم	؍؍	۶/
نشان آسمانی (؍؍)	؍؍	۳/	ضیاء الحق	اردو	۶/
آئینہ کمالات اسلام مع تبلیغ	اردو و عربی	عگ	نور القرآن حصہ دوم	؍؍	۸/
تحفہ بغداد	عربی	۲/	رسائل اربعہ یعنی انجام آتھم وغیرہ	اردو و عربی	عہ ۱۲/
اتمام الحجہ	؍؍	۳/	سراج منیر	اردو	۸/
سر الخلافہ	؍؍	۸/	حجۃ اللہ	عربی	۸/
انوار الاسلام	اردو	۲/	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	اردو	۲/
استفتاء	؍؍	۲/	کتاب البریہ مع آیات رب البریہ	؍؍	لعہ/
ضرورۃ الامام	؍؍	۲/	راز حقیقت	؍؍	نف
ایام الصلح	فارسی	عہ	ایام الصلح اردو	؍؍	عہ
محمود کی آمین (طبع ثانی)	اردو	؎/	درثمین	اردو و فارسی	۳/
الحق مباحثہ دہلی	؍؍	۹/	الحق مباحثہ لدھیانہ	اردو	۸/